حقوق الطبع محفوظۃ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَ عِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ

شیعان آلِ محمدؐ خصوصاً واعظین و مبلغین کیلئے نادر و نایاب تحفہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْمُجَلَّدُ الرَّابِعُ مِنْ تَفْسِیْرِ

انوار النجف

فی

اسرار المصحف

مُصَنَّفَہ

حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش جاڑا بانی و سرپرست و مدرس اعلیٰ جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا

ضلع ڈیرہ اسمعیل خان

★ تحفہ برائے ایصال ثواب ★
یہ کتاب مرحوم اکبر علی اے بیتھوالی
کی ایصال ثواب کیلئے تحفہ ہے لہذا قارئین سے گزارش ہے
کہ ایک سورۃ فاتحہ مرحوم کی روح کو شاد فرمائیں
وفات ۱۲ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ — 1977-5-1

السید کلب عباس تمکین قسیم

(ثنائی برقی پریس سرگودھا)

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	پیش لفظ	۴	۲۲	رکوع ۳ خیر امۃ	۳۰	۴۳	حکم مشورہ	۷۳
۲	رکوع ۱	۶	۲۳	نماز تہجد کی فضیلت	۳۲	۴۴	اخلاق پیغمبر	۷۴
۳	ذکر کعبہ	۷	۲۴	رکوع ۴ جنگ احد	۳۶	۴۵	مسئلہ معنیٔ توکل	۷۵
۴	مختصر تاریخ کعبہ	۸	۲۵	شہدائے احد کی فہرست	۴۲	۴۶	خیانت کا گناہ	۷۶
۵	مکان کعبہ	۱۰	۲۶	غزوات نبوی کی فہرست	۴۴	۴۷	درجات کا ذکر	۷۷
۶	غلاف کعبہ	〃	۲۷	رکوع ۵ سود سے منع	۴۷	۴۸	آزمائش کی مصلحتیں	۷۹
۷	آیات بینات	〃	۲۸	منفقین کے اوصاف (سخاوت)	۴۹	۵۰	شہداء بیر معونہ	۸۱
۸	زمین کربلا	۱۲	۲۹	ضبط غصہ درگذر اور احسان	۵۰	۵۱	ثواب شہدا	۸۲
۹	زمین کربلا کی خصوصیات	۱۳	۳۰	گناہ سے توبہ اور ترک اصرار	۵۱	۵۲	رکوع ۹ حمراء الاسد کا واقعہ	۸۴
۱۰	تولیت کعبہ	۱۴	۳۱	بہلول تائب کا واقعہ	۵۲	۵۳	مسئلہ علم غیب	۸۷
۱۱	زمین مکہ کے خصوصیات	۱۵	۳۲	واقعہ احد کی طرف عود	۵۴	۵۴	زکوٰۃ نہ ادا کرنے کا عذاب	۹۰
۱۲	ولادت علیؑ در کعبہ	۱۶	۳۳	مداولت ایام کی مصلحتیں	۵۶	۵۵	رکوع ۱۰	۹۱
۱۳	کعبہ جائے امن ہے	۱۷	۳۴	دخول جنت کا معیار	۵۷	۵۶	کسی کے گناہ پر رضامندی	۹۲
۱۴	مسائل حج	۱۸	۳۵	رکوع ۶ جنگ احد میں مسلمانوں کا کردار	۵۸	۵۷	رکوع ۱۱ توحید	۹۵
۱۵	خصوصیات نبیؐ	۲۱	۳۶	دلیل ماتم	۶۰	۵۸	دلیل بر وجود خدا	۹۶
۱۶	رکوع ۲		۳۷	نکتۂ علمیہ	۶۱	۵۹	تفسیر سورۂ نساء	
۱۷	بیان تقویٰ	۲۲	۳۸	جنگ احد میں حضرت علیؑ	۶۲	۶۰	رکوع ۱۲ تقویٰ	۱۰۲
۱۸	واعتصموا بحبل اللہ	۲۴	۳۹	حضرت علیؑ کا امتیاز	۶۳	۶۱	حضرت حواؑ کی پیدائش	۱۰۵
۱۹	تفرقہ امت	۲۶	۴۰	رکوع ۷	۶۵	۶۲	سلسلۂ اولاد آدمؑ	۱۰۶
۲	امر بالمعروف ونہی عن المنکر	۵	۴۱	فرار صحابہ	۶۷	۶[illegible]	یتیم کے مال کھانے کی ممانعت	۱۰۸
۲۱	تذکرۂ قیامت	۲۸	۴۲	رکوع ۸	۷۲	۶۴	تعدد نکاح	۱۱۰

نمبرشمار	عنوان	صفحہ
۶۵	اعتراض وجواب	۱۱۲
۶۶	فعل رسول پر اعتراض	۱۱۵
۶۷	بے عقل پر کنٹرول	۱۱۸
۶۸	یتیم کے مال کی حفاظت	۱۲۰
۶۹	رکوع ۱۳ قانونِ وراثت	۱۲۲
۷۰	طبقۂ اولیٰ کی وراثت	۱۲۴
۷۱	پوتے یا نواسے کی وراثت	۱۲۸
۷۲	زوج و زوجہ کی وراثت	۱۳۱
۷۳	طبقاتِ وراثت	۱۳۵
۷۴	وراثت کے طریقے	۱۳۷
۷۵	عول کا بطلان	۱۳۸
۷۶	طبقۂ ثانیہ کی وراثت	۱۴۰
۷۷	طبقۂ ثالثہ کی وراثت	۱۴۲
۷۸	وراثت از روئے عقل	۱۴۴
۷۹	خاتونِ جنت کا مقدمۂ وراثت	۱۴۵
۸۰	رکوع ۱۴	۱۴۹
۸۱	ذکرِ توبہ	۱۵۰
۸۲	رکوع پندرہ محرماتِ ابدیہ	۱۵۳
۸۳	رضاعی محرمات	۱۵۴
۸۴	رضاع کے شرائط	۱۵۵
۸۵	پارہ ۵	
۸۶	رکوع ۱ نکاحِ متعہ	۱۵۹
۸۷	رکوع ۲	۱۶۵
۸۸	گناہانِ کبیرہ	۱۶۶

نمبرشمار	عنوان	صفحہ
۸۹	رکوع ۳	۱۶۹
۹۰	مردوں کی حکومت پر ایک نظر	۱۷۱
۹۱	نبی و علی امت کے باپ ہیں	۱۷۲
۹۲	رکوع ۴	۱۷۵
۹۳	تیمم کا بیان	۱۷۷
۹۴	مغفرت	۱۸۰
۹۵	رکوع ۵	۱۸۲
۹۶	آلِ محمد محسود ہیں۔	۱۸۳
۹۷	ادائے امانت	۱۸۵
۹۸	اولوالامر کی بحث	۱۸۷
۹۹	رکوع ۶	۱۹۹
۱۰۰	وجوبِ تقلید	//
۱۰۱	معیارِ ایمان	۲۰۱
۱۰۲	اطاعت گذاروں کا درجہ	۲۰۳
۱۰۳	خلقتِ نوری	۲۰۴
۱۰۴	رکوع ۷	۲۰۶
۱۰۵	رکوع ۸	۲۰۸
۱۰۶	قرآن میں تدبر کی دعوت	۲۱۲
۱۰۷	سلام اور جوابِ سلام	۲۱۶
۱۰۸	رکوع ۹	۲۱۸
۱۰۹	دورنگی سے ممانعت	۲۲۱
۱۱۰	رکوع ۱۰	۲۲۲
۱۱۱	قتلِ خطا کا کفارہ	۲۲۲
۱۱۲	رکوع ۱۱	۲۲۷

نمبرشمار	عنوان	صفحہ
۱۱۳	ہجرت کا حکم	۲۲۷
۱۱۴	رکوع ۱۲ نمازِ قصر	۲۲۹
۱۱۵	شرائطِ قصر	۲۳۱
۱۱۶	نمازِ خوف کا بیان	۲۳۵
۱۱۷	رکوع ۱۳	۲۴۰
۱۱۸	رکوع ۱۴	۲۴۲
۱۱۹	رکوع ۱۵	۲۴۵
۱۲۰	خلقتِ ابراہیم	۲۴۹
۱۲۱	رکوع ۱۶	
۱۲۲	عورتوں کے حقوق	۲۵۱
۱۲۳	رکوع ۱۷	
۱۲۴	حق کی گواہی	۲۵۶
۱۲۵	ذکرِ منافقین	۲۵۷
۱۲۶	رکوع ۱۸	۲۶۰
۱۲۷	پارہ ۶	
۱۲۸	رکوع ۱	۲۶۴
۱۲۹	تفہیم و تلقین	۲۶۵
۱۳۰	رکوع ۲	۲۶۶
۱۳۱	رکوع ۳	
۱۳۲	انبیاء کا ذکر	۲۷۰
۱۳۳	علی اور حق	۲۷۲
۱۳۴	رکوع ۴	۲۷۴
۱۳۵	نور و برہان	۲۷۵

maablib.org

پیش لفظ

دین مبین کی حفاظت و نصرت کے لئے ہر دور میں ایسے مخلص افراد معرض ظہور میں آتے رہتے ہیں جو اپنے آہنی ارادوں کی بناء پر باطل کی چٹانوں سے ٹکراتے اور بالآخر انہیں پاش پاش کر کے رکھ دیتے ہیں۔ دورِ حاضر جس میں لادینی کا متلاطم سیلاب اپنی ہمہ گیر موجوں میں ہر خشک و تر کو بہائے لے جا رہا ہے، جس میں مدعیانِ اسلام کے لئے قوانین اسلام بار خاطر ہو گئے ہیں اور قرآن کا پرسانِ حال کوئی نہیں رہا۔ ہمیں محسوس ہو رہا تھا کہ اس دور میں تفسیرِ قرآن سے دلچسپی رکھنے والے فرزندانِ اسلام کا زبردست قحط ہے۔ قرآنی آیات کے ترجمہ پر نظر کرنے سے لوگ ایک لغو ناول کی کتاب کے مطالعہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ قرآن پڑھنے اور سننے کی بجائے گانا گانے اور سننے کی طرف زیادہ مائل ہیں اور بالخصوص وہ لوگ جو اپنے تئیں پکا مسلمان اور مومن کہلانے میں پیش پیش ہیں، مرد تو بجائے خود مستورات کے رجحانات بھی ان سے کسی طرح کم نہیں۔ صبح سویرے قرآن کی جگہ گھروں سے ریڈیائی گانوں کی آوازیں بلند ہوتی ہیں

ہم اگر پیسہ جمع کرنے کی خاطر تفسیرِ قرآن لکھتے تو یقیناً ہمارا یہ اقدام اس دور میں محلِ تمسخر ہوتا لیکن چونکہ سلف صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک ٹھوس دینی خدمت مطمحِ نظر تھی اس لئے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا۔ کاش محمد و آلِ محمد سے ولا رکھنے والے علومِ قرآنیہ سے وابستگی رکھتے تو ہم سالوں کا کام مہینوں اور مہینوں کا کام ہفتوں میں کرنے کے اہل ہو جاتے۔ جب سے ہم نے قرآن کی تفسیر کا کام شروع کیا ہے بعض حاسدین کی نظروں میں دنیا تاریک ہو گئی ہے ہر وقت ان کے سینہ پر کینہ پر سانپ و بچھو لوٹ رہے ہیں۔ وہ تفسیر کے نقائص تلاش کرتے پھرتے ہیں تاکہ عوام اس کی خریداری سے باز آجائیں۔ ہمیں اس کی پرواہ نہیں کیونکہ ہمیشہ سے اہلِ فضل کے خلاف جاہل شور مچاتے رہے ہیں لیکن بالآخر اللہ والوں کی فتح ہوتی ہے۔

بفضلِ خدا تفسیر کے خریدار دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں اور اب پاکستان بھر میں اس کی کافی مانگ ہو گئی ہے اگرچہ ہر نئی جلد کی اشاعت کے لئے ابھی تک ہمیں خصوصی معاونین کی نصرت کی ضرورت رہتی ہے لیکن حالات بتلاتے ہیں کہ انشاءاللہ ہم بہت جلد اس سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ قارئین کرام سے استدعا ہے کہ وہ اپنے حلقۂ اثر میں تفسیر کی خریداری بڑھائیں تاکہ علومِ قرآنیہ کا فیض عام ہو سکے۔

ناصرینِ علومِ قرآن

خدا خوش رکھے فخرِ قوم مخدوم الحاج سید غلام حیدر شاہ صاحب رئیس اعظم ضلع جھنگ کو جنہوں نے تفسیر کی چوتھی

جلد کی اشاعت میں معتدبہ حصہ لیا موصوف کی دینی خدمات عیاں راچہ بیان کا مصداق ہیں کربلا محلے میں پنجابی مسافر خانہ کی تعمیر سے جو انہوں نے زائرین سید الشہداؑ کی بیش تر تکالیف کا سدِ باب فرمایا ہے ان کا ایسا کارنامہ ہے جو تا قیامت ان کے نامۂ اعمال میں حسنات کے اضافہ کا موجب ہوگا۔ بلکہ انہوں نے اپنی زندگی میں جنت کا گھر بنا لیا ہے خداوندِ کریم موصوف کی ان خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے اور ان کے توفیقاتِ خیر میں ترقی عطا فرمائے۔ نیز دیگر قوم کے مخیر افراد کو ان کے اسوہ پر چلنے کی جرأت دے۔ (آمین)

اس میں شک نہیں کہ خدمتِ دین میں جس طرح مردوں کا حصہ ہے اسی طرح عورتیں ہمیشہ سے ان کے دوش بدوش رہی ہیں۔ لائقِ صد تحسین و آفرین ہے ضلع سرگودھا کی ایک مستورہ جس نے قرآن کی ھل من ناصر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس جلد کی اشاعت کے لئے دستِ تعاون بڑھایا۔ اس مومنہ کے نام کا ذکر مناسب نہیں۔ قارئین کرام سے التدعا ہے کہ اس کے حق میں دعائے خیر فرمائیں کہ خداوند کریم اس کی اس خدمت اور جملہ خدماتِ دینیہ کو شرفِ قبولیت بخشے۔

اس مقام پر عالیجناب مولانا مزمل حسین صاحب قاضی شریعت ڈیرہ غازی خان اور جناب مولوی غلام حیدر صاحب مدرس دار العلوم محمدیہ سرگودھا اور جناب مولوی زاہد حسین صاحب باب العلوم ملتان کا شکریہ ادا کرنا بھی عین فرض شناسی ہے جنہوں نے اپنے اپنے حلقۂ اثر میں تفسیر انوار النجف کی خریداری کی طرف لوگوں کو متوجہ فرمایا۔ خداوند کریم ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔

قارئین کرام ہمارے حق میں دعا کریں کہ خداوند کریم ہماری تمام ان مشکلات کو رفع فرمائے جو تفسیر قرآن کی راہ میں ہمارے سامنے حائل ہوں اور خدا اس امر کی تکمیل کی ہمیں توفیق مرحمت فرمائے۔

وما توفیقی الّا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

اعلان

تفسیر کا فیض عام کرنے کے لئے ادارہ تصنیف و تالیف باب النجف بخوشی اعلان کرتا ہے۔ کہ مستقل خریداروں کے لئے ہر بعد میں شائع ہونے والی جلد کی قیمت میں ایک روپیہ رعایت ہوگی نیز ہر چہار مستقل خریدار مہیا کرنے والے کو پوری تفسیر مفت دی جائے گی۔

رکوع ۱

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۵ وَمَا تُنْفِقُوْا

ہرگز نہ پاؤ گے نیکی یہاں تک کہ خرچ کرو ایسی چیزوں سے جو تمہیں پیاری ہیں اور جو بھی خرچ کرو

مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ ۹۲ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ

کوئی چیز تحقیق اسے خدا جاننے والا ہے ہر غذا حلال تھی

حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى

اولاد یعقوب پر مگر وہ جو حرام کی یعقوب نے اپنی ذات پر

نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ قُلْ فَاْتُوْا

قبل اترنے توراۃ کے فرما دیجئے لائیے

بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ۹۳ فَمَنِ

توراۃ پس اسے پڑھیے اگر تم سچے ہو پس جو

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

افترا باندھے خدا پر جھوٹا اس کے بعد تو وہی ہیں

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ۹۴ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ

ظالم فرما دیجئے سچ فرمایا اللہ نے پس پیروی کرو

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ۹۵

ملت ابراہیمؑ کی جو حنیف تھے اور مشرک نہ تھے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ:۔ مجمع البیان اور صافی میں مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک کپڑا خریدا اور آپ کو بہت پسند آیا پس اسے صدقہ کر دیا اور فرمایا کہ میں نے جناب رسالتمآبؐ سے سنا ہے کہ جو شخص اپنے نفس پر دوسرے کو ترجیح دے تو خدا اسے بروز محشر بہشت کرامت فرمائے گا اور جو اپنی پسندیدہ شے راہ خدا میں دے دے تو خدا فرمائیگا کہ بندے بندوں کو نیکی کا بدلہ نیکی سے دیا کرتے ہیں، اور میں اس کا بدلہ جنت دیتا ہوں كُلُّ الطَّعَامِ یہودیوں نے اعتراض کیا تھا کہ آپ ملت ابراہیم پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اونٹ کے گوشت کو بھی حلال جانتے ہیں حالانکہ اونٹ کا گوشت حرام ہے پس اس کے جواب میں ارشاد فرما رہا ہے کہ یہ لوگ غلط کہتے ہیں۔ تمام کھانے کی چیزیں بنی اسرائیل پر پہلے سے حلال تھیں اونٹ کا گوشت بھی حلال تھا ہاں البتہ حضرت یعقوب نے اس کو اپنی ذات پر حرام قرار دیا تھا اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مطلق حرام ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو درد کمر یا عرق النسا

کا ورد لاحق ہوا تو انہوں نے منّت مانی کہ اگر تندرست ہو جاؤں تو اپنی محبوب ترین غذا یعنی اونٹ کا گوشت اور دودھ رضائے خدا کے لئے ترک کر دوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پس یہودیوں نے ان کی پیروی کرتے ہوئے اس سے پرہیز کیا اور پھر یہ کہنا شروع کر دیا کہ تورات کا حکم یہی ہے کہ اونٹ کا گوشت حرام ہے حالانکہ یہ ان کا محض افترا تھا جس کو خدا بیان فرما رہا ہے۔ اور احتجاج کے طور پر فرمایا ہے کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو ذرا تورات کو لا کر پڑھیئے۔ کہاں لکھا ہے کہ اونٹ کا گوشت حرام تھا۔

ذکر کعبہ

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ: ظاہراً یہود کے ایک شبہ کا جواب ہے کیونکہ تحویل قبلہ کے بعد مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے یہ پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ ملت ابراہیمی کی پیروی اور تحویل قبلہ دونوں یکجا جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ بیت المقدس پرانے زمانہ سے قبلہ ہے۔ اور حضرت ابراہیم کے لئے بھی قبلہ یہی تھا لہذا اس سے روگردانی ملت ابراہیمی کے منسوخ کرنے کے مترادف ہے پس خدا وند کریم ان کے جواب میں ارشاد فرما رہا ہے کہ بیت المقدس کے مقدم ہونے کا دعویٰ وہ غلط کرتے ہیں بلکہ سب سے پہلے جس مقام کو لوگوں کے لئے عبادت گاہ بنایا گیا وہ وہی جگہ ہے جو مکہ میں ہے یعنی

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا

تحقیق پہلا گھر جو بنایا گیا لوگوں کے لئے وہی ہے جو مکہ میں ہے مرجع برکت و

وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ﴿٩٦﴾ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ

ہدایت ہے تمام جہان والوں کے لئے اس میں نشانیاں واضح ہیں مقام ابراہیم

وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ

اور جو بھی اس میں داخل ہوا وہ با امن ہوا اور اللہ کے لئے لوگوں پر حج بیت اللہ واجب

مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ

ہے جو طاقت رکھتا ہو اس تک رستے کی اور جو انکار کرے تو اللہ

غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٩٧﴾

بے نیاز ہے تمام جہان والوں سے

کعبہ۔ اور اس کو بلاشک حضرت ابراہیم نے ہی تعمیر کیا تھا اور اس کے شواہد و علامات اب تک موجود ہیں مثلاً مقام ابراہیم اور اس کا جائے امن ہونا اور اس کی حج کا لوگوں پر وجوب۔ پس یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ بیت المقدس قدیمی قبلہ ہے اور یہ نیا۔

وجہ تسمیہ: کہتے ہیں کہ بکّہ بکّ یبکّ کے باب سے ہے اور بکّ کا معنی ازدحام و ہجوم کی وجہ سے اس کا نام بکّہ ہو گیا اور حضرت صادق علیہ السلام سے بروایت علل ایسا ہی منقول ہے اور وہ جگہ کعبہ کے ارد گرد طواف کرنے کا

مقام ہے یا یہ کہ بکّ کا معنی گردن مروڑنا اور یہاں چونکہ سرکشوں اور تکبّروں کی گردنیں جھک جاتی ہیں اور ان کو سرکشی کی مہلت نہیں دی جاتی اس لئے اس کو بکّہ کہا گیا۔ اسی طرح مکّہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کی اصل مبکّہ ہے اور با کو میم سے تبدیل کر لیا گیا ہے جس طرح لازب اور لازم کی دو لفظیں ہم معنی و مترادف ہیں۔ یا یہ کہ مکّ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے چوسنا۔ پس پانی کی نایابی اور قلت کی وجہ سے اس کو مکّہ کہا گیا ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ کعبہ کی جگہ کا نام بکّہ ہے اور شہر کا نام مکّہ ہے۔

هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ: کعبہ کی ہدایت دینی و دنیاوی ہر دو طرح کی ہے عبادات و مناسک حج کی ادائیگی فروتنی و انکساری اور خدا ترسی دارِ آخرت کی تعمیر سے متعلق ہیں اور عالمی اجتماع یکجہتی و یگانگت کا عمومی مظاہر اور اتفاق و اتحاد کا عملی درس تمدن و معاشرت کی اصلاح سے وابستہ ہیں۔

مختصر تاریخ کعبہ

تفسیر صافی میں بروایت فقیہ و عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب خداوند کریم نے زمین کو خلق فرمانے کا ارادہ کیا تو ہواؤں کو پانی میں موج پیدا کرنے کا حکم دیا چنانچہ اس کی موجوں سے جھاگ پیدا ہوئی پس وہ بیت اللہ کے مقام پر یکجا ہوئی اور ایک جھاگ کا پہاڑ بن گیا۔ پھر خدا نے اس کے نیچے سے زمین کو بچھا دیا۔ بروایت فقیہ کعبہ کی زمین کا ٹکڑا تمام زمینوں سے پہلے پیدا کیا گیا اور اسی سے باقی زمین کو بڑھایا گیا (اقول مکّہ کو ام القریٰ کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے) مجمع البیان میں ہے کہ کعبہ کی زمین کا ٹکڑا باقی زمین سے دو ہزار سال قبل خلق ہوا اور یہ پانی کے اوپر ایک سفید جھاگ کی مانند تھا اور بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مقامِ کعبہ باقی زمین سے بلند تھا اور چاند و سورج کی طرح چمکتا تھا پس جب حضرت آدمؑ کو اتارا گیا اور اطراف کی تمام زمین کو بلند کر کے اس کو دکھایا گیا اور ارشادِ قدرت ہوا کہ یہ سب زمین تیری ملکیت ہے تو حضرت آدمؑ نے عرض کی اے پروردگار! یہ سفید چمک دار زمین کونسی ہے تو ارشاد ہوا کہ یہ میری زمین میں میرا حرم ہے اور تیرے اوپر روزمرہ اس کے سات سَو طواف واجب ہیں پس جب ہابیل کو قابیل نے قتل کیا تو اسی سے وہ نورانیت ختم ہو گئی اور اس کی سفیدی کی جگہ سیاہی نے لے لی۔ اور نیز آپ سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ کے لئے خدا نے سفید موتی کی شکل میں کعبہ کو جنت سے اتارا تھا۔ اس کے بعد اس کو اٹھا لیا چنانچہ اس کی بنیاد باقی رہ گئی اور وہ اصل کعبہ کی سیدھ میں ہے جس میں ہر روز ستّر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ پس حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کو انہی بنیادوں پر کعبہ کی تعمیر کا حکم ہوا۔

جس وقت کعبہ کی تعمیر کا حکم ہوا اس وقت وہاں صرف حضرت اسمٰعیل اور یمن کا ایک قبیلہ جرہم اطراف میں آباد تھا اور حضرت ابراہیم کی تعمیر کے بعد ہی جرہم اور عمالقہ نے یکے بعد دیگرے اس کی از سر نو تعمیر کی جب کعبہ کی تولیّت حضرت رسالتمآبؐ کے جدِ اعلیٰ قصی بن کلاب کے سپرد ہوئی تو انہوں نے گرا کر دوبارہ اس کی پختہ تعمیر کی اور عمدہ لکڑی سے اس کو مسقّف کیا اور اس کے پہلو میں دار الندوہ تعمیر کر دیا جس میں وہ مقدمات کے فیصلے کرتے تھے اور وہی ان کا

maablib.org

اسمٰعیل ہال بھی تھا اور قریش کے باقی قبیلوں پر جہات کعبہ کو تقسیم کر دیا چنانچہ قریشیوں نے کعبہ کے ارد گرد گھر بنوا لئے اور ان کے دروازے کعبہ کی طرف کئے (میزان)

بعثت سے پانچ برس پہلے جب کہ آپ کی عمر پینتیس برس کی تھی کعبہ کا مکان سیل کی وجہ سے منہدم ہو گیا پس قریش قبائل نے اس کی تعمیر کے پروگرام کو آپس میں تقسیم کر کے کام شروع کیا۔ کلینی سے بسند صحیح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قریش نے خانہ کعبہ کی توسیع کا ارادہ کیا تو ایک زلزلۂ عظیم بپا ہوا اور تاریکی چھا گئی چنانچہ انہوں نے وہ ارادہ ملتوی کر دیا اور حضرت ابراہیم کی بنیادوں پر اس کی تعمیر کی تجویز پاس کی۔ جب حجرِ اسود رکھنے کا وقت آیا تو قبائل قریش میں نزاع پیدا ہوئی اور ہر شخص اس میں سبقت کا خواہاں تھا پس تجویز یہ ہوئی کہ باب الشیبہ کی طرف سے جو شخص پہلے اندر آئے اسی کا فیصلہ سب کو مان لینا چاہیئے تو سب سے پہلے حضرت رسالتمآب اس دروازہ سے داخل ہوئے پس انہوں نے نزاع کی تفصیل آپ کے سامنے بیان کی آپ نے اپنی ردائے مبارک کو بچھا کر حجرِ اسود کو اس کے اوپر رکھا اور فرمایا کہ قریش کے ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی اس کے کنارے سے پکڑ کر اٹھائے اور مقامِ معین تک اس طریقہ سے اسے لے جایا جائے پس وہاں پہنچ کر حضرت نے خود بنفسِ نفیس اس کو عبائے مبارک سے اٹھا کر اسے اپنے اصلی مقام پر رکھ دیا۔

اسی زمانہ میں بادشاہِ روم نے حبشہ میں ایک گرجا کی تعمیر کے لئے کافی لکڑی و دیگر عمارتی سامان بذریعہ کشتی روانہ کیا تھا اور ہوا نے بقدرتِ خدا کشتی کو ساحلِ عرب کی طرف دھکیل دیا اور یہاں کشتی قریب ساحل کیچڑ میں دھنس گئی کشتی بانوں نے ہر چند کوشش کی لیکن بے سود۔ جب قریش کو اطلاع ہوئی تو ان کو چونکہ تعمیرِ کعبہ کے لئے لکڑی کی ضرورت تھی فوراً وہاں پہنچے اور وہ لکڑی خرید لائے اور کعبہ کی چھت مکمل ہوئی (حیات القلوب)

اور بعض روایات میں ہے کہ قریش نے مصارف کی کمی کی وجہ سے حجرِ اسود کی طرف سے کچھ حصہ چھوڑ کر دیوارِ بیت اللہ اندر کی طرف کر دی اور حجرِ اسود کا حصہ بیت اللہ سے خارج رہ گیا چنانچہ علامہ کے تذکرہ سے بھی یہی روایت منقول ہے (حاشیہ لمعہ) لیکن دوسری صحیح روایات اس کی تائید نہیں کرتیں بہر کیف طواف کے وقت حجرِ اسود کو داخلِ طواف کرنا ضروری ہوا کرتا ہے کیونکہ عملِ صاحبِ شریعت اسی طرح ثابت ہے۔

جب حجاز پر عبد اللہ بن زبیر کا تسلّط ہوا اور حصین نے یزید کی طرف سے فوجی سپہ سالار کی حیثیت سے مکّہ پر چڑھائی کی تو کعبہ کو بھی منہدم کر دیا اور اس کا غلاف اور کچھ لکڑی کا سامان بھی جلا دیا گیا لیکن یزید کی موت کی خبر پہنچنے پر جب یہ لشکر وہاں سے دفع ہوا تو ابن زبیر نے کعبہ کو از سرِ نو تعمیر کرایا اور حجرِ اسود کو بیت اللہ کے اندر داخل کیا اور اس کو پہلے کی نسبت بلند بھی کر دیا اور یہ تعمیر ۱۷ رجب ۶۵ھ کو ختم ہوئی۔ ... پھر جب عبد الملک بن مروان تخت نشین ہوا تو اس نے حجاج بن یوسف کو ابن زبیر کی سرکوبی کے لئے مکّہ روانہ کیا چنانچہ ابن زبیر مارا گیا اور حجاج نے عبد الملک کو کعبہ کی تعمیر میں ابن زبیر کی تجدید کی اطلاع بھیجی تو اس نے کعبہ کو اپنی اصلی پہلی شکل پر لانے کا حکم نافذ کیا پس حجاج نے شمالی طرف تقریباً چھ ذراع کی مقدار گرا کر اندر کی طرف

قریش کی بنیادوں پر کعبہ کی تعمیر کو مکمل کیا۔

پھر سلطنتِ عثمانیہ کے دور میں معمولی تغیرات اس میں رونما ہوتے رہے یہاں تک کہ ۱۰۳۹ھ میں سیل کی وجہ سے اس کی دیواریں پھر گر گئیں تو عثمانی حکومت کے چوتھے تاجدار شاہ مراد نے اس کی ترمیم کی اور آج تک پھر اسی حالت پر باقی ہے

مکانِ کعبہ کعبہ کا مکان تقریباً مربع شکل کا ہے اور اس کا ہر زاویہ چار سمتوں میں سے ایک ایک سمت کے مقابل ہے نیلے قسم کے پتھروں سے دیواریں بنی ہیں اور غالباً موجودہ بلندی سے زمانِ رسالتؐ میں اس کی بلندی کم تھی جیسا کہ روایات سے مستفاد ہوتا ہے۔

کعبہ کے زاویوں کو ابتداء سے ارکان کہا جاتا ہے چنانچہ شمالی زاویہ کو رکنِ عراقی، غربی زاویہ کو رکنِ شامی، جنوبی زاویہ کو رکنِ یمانی اور شرقی زاویہ کو جس میں حجرِ اسود ہے رکنِ اسود کہا جاتا ہے اور اسی رکنِ اسود سے دروازہ تک کے فاصلہ کو ملتزم کہتے ہیں کیونکہ طواف کرنے والا اس سے چمٹ کر دعائیں مانگتا اور گڑگڑاتا ہے۔

شمالی دیوار پر جو میزاب موجود ہے جس کو میزابِ رحمت کہتے ہیں، یہ حجاج بن یوسف کی ایجاد ہے سلطان سلیمان عثمانی نے ۹۵۴ھ میں اس کو چاندی کا بنا دیا تھا اس کے بعد سلطان احمد نے ۱۰۲۱ھ میں تبدیل کر کے اس کی جگہ دوسرا چاندی کا میزاب رکھا جس میں سنہری نقوش تھے، پھر سلطان عبدالمجید عثمانی نے ۱۲۷۳ھ میں سونے کا میزاب اس کی جگہ نصب کرایا جو اب تک موجود ہے۔

میزاب کے سامنے ایک منحنی دیوار ہے جس کا ایک کنارہ رکنِ شمالی کی طرف اور دوسرا کنارا رکنِ غربی کی طرف ہے اسے حطیم کہتے ہیں اور حطیم سے لے کر بیت اللہ تک کی درمیانی جگہ کو حجرِ اسمٰعیل کہا جاتا ہے کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کی تعمیر کے وقت اس کا کچھ حصہ بیت اللہ میں داخل تھا اور کہتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کا مدفن بھی یہی مقام تھا (میزان)

غلافِ کعبہ تعمیرِ کعبہ کی تکمیل کے بعد پہلے پہل حضرت ہاجرہ نے اپنی چادر اس کے دروازہ پر آویزاں کی تھی لیکن کعبہ کا پورا غلاف پہلے پہل تبع ابوبکر نے روئی کی چادروں سے چڑھایا اور اس کے جانشین اس کی سنت پر عمل پیرا رہے اور لوگ مختلف قسم کی چادروں کا غلاف چڑھاتے رہے اور جب ایک غلاف کہنہ ہو جاتا تو اس پر دوسرا چڑھا دیا جاتا تھا اور جب قصی متولی کعبہ ہوا تو اس نے سالانہ غلاف چڑھانے کا اہتمام کیا اور اس کی اولاد میں یہ سلسلہ باقی رہا یہاں تک کہ جنابِ رسالتمآبؐ نے یمنی چادروں سے غلاف چڑھایا اور آپ کے بعد پھر ایسا ہی ہوتا رہا لیکن جب مہدی عباسی خلیفہ ہوا تو بیت اللہ کے دربانوں نے غلافوں کی زیادتی کا شکوہ کیا تو اس نے تمام غلاف اتار کر صرف ایک غلاف کے باقی رکھنے کا حکم جاری کیا اور آج تک پھر یہی طریقہ ہے اور کعبہ کے اندر چادر چڑھانے کی ابتدا حضرت عباس بن عبدالمطلب کی والدہ نے کی تھی کیونکہ یہ اس کی نذر تھی

آیاتِ بینات مقامِ ابراہیم، بعض روایات میں ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر حضرت اسمٰعیل

کی زوجہ نے آپ کو نہلایا تھا جب کہ آپ شام سے بغرض ملاقات تشریف لائے تھے پس اس پتھر میں آپ کے قدموں کا نشان باقی رہ گیا اور قصہ کی تفصیل تفسیر کی دوسری جلد صلہ ۲۰۷ تا صلہ ۲۰۹ میں مذکور ہو چکی ہے اور بعض روایات میں ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر آپ نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی تھی۔ صافی میں بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مقامِ ابراہیم پہلے دیوارِ کعبہ کے ساتھ متصل تھا پھر زمانِ جاہلیت میں اس کو اپنی جگہ سے منتقل کر کے دوسری جگہ رکھا گیا جہاں وہ اب موجود ہے اور جب جناب رسالتمآب نے مکہ فتح کیا تو اس کو پھر اپنے اصلی مقام پر نقل کر دیا اور پہلی خلافت اور دوسری خلافت کے کچھ زمانہ تک وہاں رہا لیکن دوسری خلافت کے آخری دور میں اسے پھر وہاں سے اٹھوا کر پہلی جگہ پر منتقل کر دیا گیا۔ آیات بینات میں سے اس کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا اس لئے ہے کہ وہ تاحال ایک زندہ معجزہ ہے در نہ ان واضح نشانیوں میں اور مقامات بھی ہیں جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بروایت کافی و عیاشی مذکور ہے۔

حجرِ اسود:۔ مروی ہے کہ یہ جوہر تھا جو خدا نے حضرت آدم کے ساتھ زمین میں اتارا تھا اس کو بنی آدم کے عہد و پیمان ودیعت کئے گئے ہیں بروزِ محشر ان لوگوں کے حق میں بزبان فصیح گواہی دے گا جنہوں نے اس کی زیارت کی اور اپنے عہد کی وفا کی اور اس کی گویائی روایات میں حضرت سجاد علیہ السلام کی امامت کی گواہی کے موقعہ پر بھی ثابت ہے جبکہ حضرت محمد بن حنفیہ کے ساتھ نزاع ہوئی تھی اور اس کا واضح اور غیر مبہم اعجازی پہلو یہ بھی ہے کہ کبھی غیر معصوم اس کو اپنی جگہ پر نصب نہ کر سکے (صافی)

حطیم:۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت آدمؑ کی توبہ مقبول ہوئی تھی۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر کر سکو کہ تمام نمازیں خواہ واجب ہوں خواہ سنتی اسی مقام حطیم میں ادا کرو تو ہرگز اس سے گریز نہ کرو کیونکہ تمام زمین سے یہ بقعہ اشرف و افضل ہے اور اس کے بعد حجرِ اسود کے پاس نماز پڑھنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ ابو حمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ بتاؤ زمین کے ٹکڑوں میں سے کونسا ٹکڑا افضل ہے؟ ہم نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول اور اولادِ رسول اس کو بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ رکن اور مقام کی درمیانی جگہ پس اگر کوئی شخص حضرت نوح کی سی عمر پائے اور زندگی بھر اسی مقام پر دن کو روزہ سے اور رات کو عبادتِ خدا میں مصروف رہ کر ہماری ولایت کے بغیر دربارِ خداوندی میں پیش ہو تو اس کو اپنے اعمال ذرہ بھر فائدہ نہ دیں گے۔

اسی طرح آیاتِ بینات میں سے زمزم ہے جس کا پانی شفا ہے، اس مقام پر اہلی جانور وحشی درندوں سے نہیں ڈرتے، اس کا طواف کبھی ختم نہیں ہوا، کوئی پرندہ بیت اللہ کی چھت سے نہیں گذر سکتا، اس کے جانور انسانوں سے خوف نہیں کھاتے ہر سال سنگریزے مارنے کے باوجود جب دوسرے سال اس مقام کو دیکھا جائے تو وہ زمین پہلے کی طرح ہوتی ہے ورنہ قاعدہ کے مطابق تو اسے ایک پہاڑ ہو جانا چاہیئے تھا، اور انہی آیات میں سے قصہ اصحاب فیل بھی ہے جن کو ابابیل نے تباہ و برباد کر دیا تھا اور صافی میں بروایت کتب معتبرہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے ہر نوع سے کسی ایک

کو انتخاب فرمایا ہے اور زمینوں میں سے اس نے کعبہ کی زمین کو منتخب فرمایا ہے۔

زمین کربلا بعض روایات میں ہے کہ ایک دفعہ زمین کعبہ نے اپنی برتری پر ناز کیا کہ مجھ جیسا کون ہے میں کعبہ کا مسکن ہوں تو فوراً وحی الٰہی ہوئی۔ خاموش اے کعبہ کی زمین۔ کربلا کی زمین کے مقابلہ میں تیری فضیلت کو وہ نسبت ہے جو نوکِ سوزن پر اٹھے ہوئے پانی کے قطرہ کو پر از آب سمندر سے ہوا کرتی ہے بقسم اگر اس زمین اور اس کے ساکن کو خلق نہ کرتا تو تجھے پیدا نہ کرتا اور نہ تیرا کعبہ پیدا ہوتا (مرادی ترجمہ کر دیا گیا ہے (سفینۃ البحار)

اس روایت اور سابق روایات میں توفیق کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ صرف کعبہ کی طرف جھکنے والے اور اہلبیت اطہار کو پسِ پُشت ڈالنے والے جو کہ صرف کعبہ پر ہی ناز کرتے ہیں اور اپنی بخشش کا انحصار صرف اسی میں سمجھتے ہیں تو ان کی تنبیہ کیلئے ارشاد ہے کہ بے شک کعبہ اور زمین کعبہ اپنی جگہ شرف و فضل کے حامل ہیں لیکن اگر کربلا والوں کی سرفروشی نہ ہوتی اور ان کے ناحق خون سے اسلام کی حفاظتی حصار کی تعمیر نہ ہوتی تو پورے اسلام کو یزیدی طاغوتی حملوں نے نیست و نابود کر دیا ہوتا اور جب اسلام ہی ختم ہو جاتا تو کعبہ کا وقار کس کام کا، کعبہ اپنے مقام پر محترم ہے لیکن کسی محترم کے خالی وجود کو کیا کیا جائے جب احترام کرنے والا ہی دنیا میں موجود نہ ہو، اے کعبہ کا احترام کرنے والو پہلے اس دروازہ پر پہنچو جس نے کعبہ کا احترام بچایا ہے اور تمہیں احترام کرنا سکھایا ہے اور زمین کعبہ اگر ناز کرے کہ میں محترم ہوں تو اس ناز سے پہلے اس کو زمین کربلا کے سامنے سرنگوں ہو کر نیاز مندی کا اظہار کرنا پڑے گا۔ بے شک وہ تمام زمینوں پر سرِ افتخار بلند کر سکتی ہے لیکن زمین کربلا کے سامنے اس کا سر نیاز خم ہی رہے گا۔ پس زمین کربلا کی افضلیت اس لحاظ سے ہے کہ اس کا ساکن محسن اسلام ہے اور حج بیت اللہ اسلام کا ایک فرعی حکم ہے گویا بیت اللہ صرف حاجیوں کا محورِ التفات ہے اور حسین تمام اہلِ اسلام کے لئے مرکزِ ہدایت ہے پس مقام عمل میں کوئی زمین کعبہ کی زمین سے افضل نہیں ہو سکتی اور مقام ہدایت در شد میں کوئی زمین کربلا کی زمین سے زیادہ درس آموز نہیں ہو سکتی لہٰذا دونوں اپنے اپنے مقام پر افضل ہیں لیکن افضلیت کی حیثیتیں جدا جدا ہیں اور فرعی فضیلت قطعاً اصلی فضیلت کا مقابلہ نہیں کر سکتی تاہم یہ دونوں معنوی طور پر ایک دوسرے سے جدا نہیں لہٰذا جو کعبہ کا متوالا ہو اور کربلا والوں کو نظر انداز کر کے زمین کربلا کو حقیر سمجھے اس کے لئے کعبہ جانے کا کوئی فائدہ نہیں اور جو شخص کربلا والوں کی محبت کا دم بھرتا ہو اور زمین کربلا کا زائر ہو لیکن کعبہ جانے کی استطاعت رکھنے کے باوجود اس کو ترک کرے تو اس کا کربلا والوں سے محبت کا دعویٰ کرنا محض زبانی و بے بنیاد ہے کیونکہ حسینؑ نے خود جام شہادت نوش فرما کر شعائرِ اسلامیہ ہی کو زندہ کیا تھا تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک شخص حسینی کہلوا کر شعائر اسلامیہ کے قائم کرنے سے گریز کرتا ہو۔ امامت اصل ہے اور حج فرع ہے پس جس طرح حج کا فعل بغیر اقرارِ امامت کے نادرست ہے اسی طرح اقرارِ امامت بغیر افعالِ فرعیہ کے اقرارِ زبانی اور لقلقہ لسانی ہے کیونکہ اصل و فرع دونوں ایک دوسرے کے بغیر فائدہ مند نہیں ہوا کرتے۔

سوال:۔ یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس توجیہ کے اعتبار سے تو پھر مدینہ منورہ کی زمین کو سب سے

افضل کہنا چاہیئے۔

جواب:۔ اس میں شک نہیں کہ ایک زمانہ مخصوص تک مدینہ منورہ ہدایت خلق کا سرچشمہ رہا اور اسی لحاظ سے اطراف عالم کے جویان حق کی ہجرت گاہ بھی رہا حتّٰی کہ اہل مکہ کے لئے بھی وہاں سے ہجرت کرکے مدینہ کو چلے جانے کا حکم تھا اور زمین مدینہ کی فضیلت کے لئے یہی کافی ہے لیکن حضرت رسالتمآبؐ کے بعد جب اسلامی شرعی حدود کی پامالی کے لئے اموی سلاطین جور نے اپنی اندھا دھند پیش قدمی سے اسلامیان عالم کو مسحور یا مرعوب کرتے ہوئے ظلم و استبداد کے اونچے حربوں سے کام لینا چاہا تو سوائے حسین بن علی کے اور کون تھا جس نے ببانگ دہل بے پناہ قوت ایمانی کے ساتھ اس قسم کی پیش قدمیوں کے خلاف نعرۂ حق بلند فرمایا اور جان مال اور ناموس کی ہر ممکن قربانی سے دریغ نہ کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کے لئے سینہ سپر بنا اور سچ ہے کہ اگر حسین نہ ہوتا تو اسلام کا لہراتا ہوا سرسبز و شاداب باغ اموی دور خزاں سے صحیح و سالم ہرگز نہ بچ سکتا۔ اگر حسین کی قربانی نہ ہوتی تو یقیناً شمع اسلام کی حیثیت ایک چراغ سحری کی سی رہ گئی تھی۔ اگر حسین کا عزم و استقلال اور ثبات قدم ایک مضبوط چٹان بن کر سامنے نہ آتا تو دمشق کی طرف سے اٹھا ہوا ظلم و جور کا بے پناہ طوفان خرمن اسلام کو بہا کرلے گیا ہوتا۔ پس حسین نے اپنے آہنی ارادوں سے یزیدی منصوبوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی جس طرح حسین کے اس مبارک و مضبوط اقدام نے کعبہ کی لاج رکھی اسی طرح حسین کی عظیم الشان قربانیوں نے مدینہ کی حرمت اور صاحب مدینہ کی تئیس سالہ محنت کو بقاء و دوام کی خلعت بھی بخش دی اور اسلام کی اس فتح مبین کا سہرا زمین کربلا ہی کے سر پر ہے۔ لہٰذا یہ زمین تا قیام قیامت مرجع ہدایت خلق ہے اور یہی چیز اس کے شرف پائیدار کا بلند مینار ہے۔

زمین کربلا کی بعض خصوصیات

(۱) شیخ جعفر شوشتری اعلی اللہ مقامہ نے زمین کربلا کی خصوصیات بہت کچھ ذکر فرمائی ہیں ان میں سے بعض کو اس مقام پر بطور اختصار ذکر کرنا مناسب ہے۔ مروی ہے کہ کعبہ کی خلقت سے چوبیس ہزار سال قبل زمین کربلا کو خلق کیا گیا۔

سوال:۔ قرآن مجید، پہلا گھر خانہ کعبہ کو بتلاتا ہے اور حدیث مذکور میں زمین کربلا کو خلقت میں مقدم کہا گیا ہے

جواب:۔ قرآن مجید میں کعبہ کے روئے زمین پر پہلی عبادت گاہ بنائے جانے کا اعلان کیا گیا ہے کیونکہ یہودیوں نے تحویل قبلہ کے بعد مسلمانوں پر یہ اعتراض شروع کردیا تھا کہ بیت المقدس روئے زمین پر پہلی عبادت گاہ ہے حتّٰی کہ حضرت ابراہیم کا قبلہ بھی یہی تھا تو خداوند کریم نے ان کی رد میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ غلط کہتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ لوگوں کے لئے زمین پر پہلی جائے عبادت جس خطۂ ارضیہ کو قرار دیا گیا وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے یعنی خانہ کعبہ۔ پس قرآن مجید میں کعبہ کی خلقت کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ صرف اس کے قبلہ ہونے کی سبقت کا اعلان ہے اور حدیث مذکور میں زمین کربلا کی خلقت کی تقدیم کا ذکر ہے لہٰذا مضمون حدیث اور مفہوم آیت میں کوئی تعارض نہیں یعنی خلقت میں زمین کربلا کو زمین کعبہ پر تقدیم حاصل ہے اور قبلہ ہونے میں کعبہ کو بیت المقدس سے اوّل ہونے کا شرف حاصل ہے اور گذشتہ بعض احادیث

میں جہاں کعبہ کی پیدائشی سبقت بیان کی گئی ہے وہاں زمین کربلا کے علاوہ باقی زمینوں سے سبقت مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) مروی ہے کہ زلزلۂ قیامت کا وقت آئے گا تو زمین کربلا کو اٹھا لیا جائے گا اور یہ خطہ جنّت کے تمام خطوں سے افضل ہوگا اور جنّت کے ریاض میں یہ زمین اس طرح چمکے گی جس طرح کوکب دُرّی دوسرے ستاروں سے نمایاں طور پر اپنی چمک دمک کو ظاہر کرتا ہے۔ حتّٰی کہ اس کی چمک سے تمام اہلِ جنّت کی آنکھیں خیرگی محسوس کریں گی اور اس کی آواز آئے گی کہ میں وہ پاک زمین ہوں جسے شہیدوں کے مدفن و مسکن ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

(۳) خاکِ شفا کی تسبیح سے استغفار کرنا ستر گنا زیادتی ثواب کا موجب ہے۔

(۴) خاکِ کربلا یعنی خاکِ شفا کی تسبیح کا ہاتھ میں رکھنا بھی تسبیح پڑھنے کے ثواب کے برابر ہے۔

(۵) خاکِ شفا پر سجدہ کرنے سے مقبولیّت عبادت کی رکاوٹ کے سات حجاب دور ہو جاتے ہیں اور عبادت مقبول ہو جاتی ہے۔

(۶) مٹی کا کھانا حرام ہے لیکن خاکِ شفا کا شفایابی کی نیّت سے کھانا جائز ہے۔

(۷) خاکِ شفا کا پاس رکھنا ہر قسم کے خطرات سے بچنے کا حرز اور تعویذ ہے بشرطیکہ اسی نیّت سے اپنے پاس رکھے۔

(۸) اگر سامان تجارت میں خاکِ شفا کو رکھا جائے تو تجارت میں برکت نصیب ہوگی۔

(۹) نوزائیدہ بچّے کے حلق میں خاکِ شفا ڈالنا اس کی امان و سلامتی کا موجب ہے۔

(۱۰) میّت کے ساتھ قبر میں خاکِ شفا کا رکھنا عذابِ قبر سے امان کا موجب ہے۔

(۱۱) میّت کے حنوط کے ساتھ خاکِ شفا کی ملاوٹ مستحب ہے۔

(۱۲) زمین کربلا میں دفن ہونے والا بغیر حساب جنّت میں داخل ہوگا۔

(۱۳) زمین پر اترنے والے فرشتے جب واپس جاتے ہیں تو حوریں ان سے خاکِ شفا کا تحفہ طلب کرتی ہیں۔

(۱۴) تمام ملائکہ بطور تحفہ خاکِ شفا کو جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں لے جاتے رہے ہیں۔

(۱۵) یہی زمین حضرت عیسیٰ کی ولادت گاہ ہے۔

(۱۶) حضرت موسیٰ کو جس زمین پر شرفِ کلام حاصل ہوتا تھا وہ یہی زمین تھی۔

(۱۷) آدمؑ سے لے کر خاتمؐ تک تمام انبیاء کا ورود اس مقدس زمین پر ہوا۔

(۱۸) اسی مقدس زمین میں واقعاتِ کربلا سے قبل دو سو نبی، دو سو وصی اور دو سو سبطِ نبی دفن ہوئے جو درجۂ شہادت پر فائز ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے تھے (خصائص حسینیہ)

تولیت کعبہ

بنائے کعبہ کے بعد اس کی تولیت حضرت اسماعیل کے سپرد تھی اور ان کے بعد ان کی اولاد کو تولیت بیت اللہ کا شرف حاصل رہا لیکن کچھ عرصہ کے بعد قبیلہ جرہم نے غلبہ حاصل کر کے کعبہ کی تولیت

ان سے چھین لی اور جب قبیلہ جرہم اور عمالقہ کی آپس میں جنگ ہوئی تو عمالقہ غالب آگئے اور کعبہ کو انہوں نے اپنے قبضہ میں لے لیا پھر ایک مرتبہ جرہم نے عمالقہ کو مغلوب کرکے ان سے کعبہ کی تولیت واپس لے لی اور تقریباً تین سو برس اس کے متولی رہے اور انہوں نے کعبہ کی عمارت میں کچھ اضافہ بھی کیا۔

جب حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کی تعداد بڑھ گئی تو انہوں نے قبیلہ جرہم کو مکہ سے نکال دیا اور کعبہ کی تولیت خود سنبھال لی۔ اس وقت ان کا سرکردہ عمرو بن لحی خزاعی تھا اور یہ پہلا شخص ہے جس نے کعبہ میں بُت لاکر رکھے اور لوگوں کو شرک کی تعلیم دی۔ اس نے پہلا بُت جو کعبہ میں رکھا تھا اس کا نام ہبل تھا اور وہ اسے شام سے لایا تھا اس کے بعد پھر دوسرے بت لائے گئے جلیل خزاعی بنی خزاعہ میں سے کعبہ کا آخری متولی ہے جلیل کی صرف ایک لڑکی تھی جو قصی بن کلاب کے نکاح میں تھی۔ پس جلیل نے اپنے بعد کعبہ کی تولیت اپنی بیٹی کے سپرد کر دی اور اس کی کلید برداری کے لئے ابو غبشان خزاعی کو مقرر کیا لیکن ابو غبشان نے معمولی معاوضہ لیکر کعبہ کی کلید برداری بھی قصی بن کلاب کو بیچ دی پس اس طریقہ سے کعبہ کی تولیت قریش تک پہنچی جب جناب رسالتمآبؐ نے مکہ کو فتح کیا تو اس کے اندر جس قدر بت وغیرہ رکھے تھے ان کو گرا دیا گیا۔

زمین مکہ کے خصوصیات

(۱) اگر کوئی شخص حرم بیت اللہ کی حدود کے اندر ایسا جرم کرے جس کی شرعی حد یا قصاص مقرر ہے تو اس کو اپنے کئے کی سزا حرم کے اندر دی جا سکتی ہے لیکن اگر جرم کا ارتکاب حرم کے حدود سے باہر ہو اور مجرم بھاگ کر حرم کے اندر داخل ہو جائے تو اس پر سزا جاری نہ ہو گی جب تک کہ حدودِ حرم سے خارج نہ ہو جائے۔ البتہ کھانے پینے اور دیگر ضروریات زندگی میں اس پر سختی برتی جائے گی تاکہ وہ خود بخود حرم کی حدود سے نکل جائے اور اس پر حسبِ حد جاری کی جائے۔

(۲) مکہ کی زمین میں تمام مسلمانوں کو رہنے کا حق حاصل ہے لہٰذا کسی مسلمان کو وہاں کی رہائش سے روکا نہیں جا سکتا۔ بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ روکنا حرام ہے اور بعض مکروہ جانتے ہیں۔

(۳) کعبہ کی عمارت سے بلند کسی مسلمان کو اپنا مکان نہیں بنوانا چاہیئے (بعض علماء کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے)

(۴) حدودِ حرم کے اندر کسی کی کوئی چیز گر جائے تو خواہ وہ کم ہو یا زیادہ کسی اٹھانے والے پر وہ حلال نہیں ہو سکتی بلکہ وہ اس کے پاس امانت کے طور پر رہے گی اور سال بھر تک اس کی تعریف و اعلان کرنا ضروری ہے۔ اگر مالک مل جائے تو ٹھیک ورنہ بطور امانت اپنے پاس رکھے یا مالک کی طرف سے صدقہ کر دے۔

(۵) تفسیر صافی میں مروی ہے کہ جو شخص حرم میں مدفون ہو جائے وہ قیامت کی سخت گھبراہٹ سے محفوظ ہو گا۔

(۶) جو حرمِ خدا یا حرمِ رسولؐ میں سے کسی ایک حرم میں مر جائے تو خدا اس کو امن پانے والوں میں محشور کرے گا (صافی)

(۷) جو شخص ان دونوں حرموں کے درمیان مرے تو بروز محشر اس کا دیوان پیش نہ ہو گا (صافی)

maablib.org

⑧ مکہ میں داخل ہونے والے کے لئے ضروری ہے کہ احرام عمرہ باندھ کر داخل ہو

ولادت علیؑ در کعبہ

کعبہ کی خصوصیات میں سے اہم خصوصیت ہے کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کی جائے ولادت ہے اور اس شرف پر کعبہ کو بجا طور پر ناز ہے۔ کتب فریقین میں حضرت علیؑ کی کعبہ میں ولادت کی خصوصیت اور کعبہ کی حضرت علی کے مولد ہونے کی خصوصیت کو متفق طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔

چنانچہ کفایۃ الطالب گنجی سے منقول ہے کہ اُس زمانہ میں ایک عابد تھا جسے مسبرم کہتے تھے اور اس نے دو سو ستر برس خداوند کریم کی عبادت کی تھی اور کبھی اپنی کسی حاجت کا سوال نہ کیا تھا حضرت ابو طالب کو خدا نے اس کے پاس بھیج دیا اس نے دیکھتے ہی اٹھ کر تعظیم کی سر کا بوسہ دیا اور اپنے سامنے جگہ دی پھر ان سے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ حضرت ابو طالب نے جواب دیا کہ میں تہامہ (مکہ) کے رہنے والا ہوں اس نے نسب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں ہاشمی ہوں وہ عابد سنتے ہی دوبارہ اٹھا اور حضرت ابو طالبؑ کے سر کو بوسہ دیا اور کہا کہ مجھے خدا نے بطور الہام خبر دی ہے کہ خدا تجھے ایک فرزند عطا کرے گا جو ولی اللہ ہوگا۔ پس جس شب کو حضرت علیؑ کا تولد ہوا تو فضائے عالم آپ کی طلعت نورانی سے منور ہوئی حضرت ابو طالبؑ نے باہر نکل کر اعلان فرما دیا کہ بندگانِ خدا کعبہ میں ولی اللہ کا تولد ہو چکا ہے۔ صبح سویرے جب داخلِ کعبہ ہوئے تو یہ اشعار اپنی زبان پر جاری کئے۔

یَا رَبَّ ھٰذَا الْغَسَقِ الدُّجِیِّ   وَالْقَمَرِ الْمُبَلَّجِ الْمُضِیِّ
بَیِّنْ لَنَا مِنْ اَمْرِکَ الْخَفِیِّ   مَاذَا تَرٰی فِیْ اِسْمِ ذَا الصَّبِیِّ

اے پھیلتی ہوئی تاریکی اور روشنی پھیلانے والے چاند کے پروردگار اپنے مخفی رازمیں سے تو ہی بتا کہ تیرے نزدیک اس بچے کا کیا نام ہونا چاہیئے۔

پس ہاتف غیبی کی ندا کان میں پہنچی

یَا اَھْلَ بَیْتِ الْمُصْطَفَی النَّبِیِّ   خُصِّصْتُمْ بِالْوَلَدِ الزَّکِیِّ
اِنَّ اِسْمَهٗ مِنْ شَامِخٍ عَلِیِّ   عَلِیٌّ اشْتُقَّ مِنَ الْعَلِیِّ

اے مصطفیٰ نبی کے گھر والو تمہیں یہ بچہ مبارک ہو علی اعلیٰ نے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کر کے علی رکھا ہے۔

۲۔ مستدرک حاکم سے مروی ہے کہ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَسَدٍ وَلَدَتْ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْطَالِبٍ کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ فِیْ جَوْفِ الْکَعْبَةِ (احادیث میں یہ بات تواتر سے پہنچی ہے کہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ جناب فاطمہ بنت اسد کے بطن مبارک سے کعبہ کے اندر ہی پیدا ہوئے۔

۳۔ ابن صباغ مالکی فصول مہمہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام مکہ مشرفہ میں بیت اللہ کے اندر ۱۳ رجب بروز جمعہ ۳۰ عام الفیل ہجرت سے ۲۳ یا بقولے ۲۵ سال قبل اور بعثت سے ۱۲ سال یا بقولے ۱۰ سال پہلے

پیدا ہوئے اور ان سے پہلے بیت اللہ میں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا اور یہ وہ فضیلت ہے کہ اس میں آپ کا کوئی شریک نہیں اور ان کے اجلال، علوم رتبت اور اظہار کرامت کے لئے ہی خدا نے ان کو یہ شرف خصوصی مرحمت فرمایا اور نیز آپ ہی پہلے وہ شخص ہیں جو ماں اور باپ دونو کی طرف سے ہاشمی ہیں۔

۴۔ بحار الانوار سے مروی ہے کہ سعید بن جبیر یزید بن قعنب سے روایت کرتا ہے۔ کہ میں اور عباس بن عبد المطلب بیت اللہ کے سامنے بیٹھے تھے اچانک ہم نے والدۂ امیر المومنین علیہ السلام حضرت فاطمہ بنت اسد کو آتے دیکھا اور آپ نو ماہ سے حاملہ تھیں۔ آپ کو خاص تکلیف محسوس ہوئی جو عورتوں کو زائیدگی کے وقت ہوا کرتی ہے تو یہ دعا زبان پر جاری کی۔ اے پروردگار میں تیرے اوپر ایمان رکھتی ہوں نیز تیرے رسولوں اور تیری کتابوں کو مانتی ہوں اور اپنے جدّ بزرگوار حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی تصدیق کرتی ہوں جنہوں نے بیت اللہ کی بنا رکھی تھی۔ پس تجھے اس گھر کی بنا رکھنے والے کے حق کی اور اس بچہ کے حق کی جو میرے بطن میں ہے۔ قسم دے کر سوال کرتی ہوں کہ اس بچہ کی ولادت کا معاملہ میرے اوپر آسان فرما۔ یزید بن قعنب کہتا ہے کہ ہم نے دیکھا دیوار کعبہ پشت کی طرف سے شق ہوئی اور جناب فاطمہ اندر داخل ہو کر ہماری نظروں سے غائب ہو گئیں اور دیوار پہلے کی طرح متصل ہو گئی .... ہم نے سامنے سے آکر قفل کھولنا چاہا لیکن ہمیں ناکامی ہوئی پس ہم سمجھ گئے کہ یہ قدرتی راز ہے۔ اس کے بعد چوتھے روز جناب فاطمہ بنت اسد حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو ہاتھوں پر اٹھا کر باہر آئیں اور فخریہ یہ الفاظ زبان پر جاری کئے۔ کہ مجھے گذشتہ تمام عورتوں سے فضیلت عطا کی گئی ہے۔ کیونکہ آسیہ بنت مزاحم نے خفیہ طور پر ایک ایسی جگہ خدا کی عبادت کی جہاں بغیر اضطرار کے کسی کی عبادت جائز نہیں قرار پاتی اور حضرت مریم بنت عمران نے خشک کھجور کو حرکت دے کر تازہ پھل حاصل کئے اور نوش فرمائے۔ اور میں بیت اللہ میں داخل ہو کر جنت کے میوہ جات کھاتی رہی ہوں۔ اور جب میں نے وہاں سے باہر آنے کا ارادہ کیا تو ہاتف غیبی کی جانب سے ندا پہنچی۔ اے فاطمہ! اس بچہ کا نام علی رکھو پس وہ علی ہے اور خدائے علی و اعلیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے اور میں نے خود ہی اس کو اپنے آداب تفویض کئے ہیں اور اس کو اپنے رموز علم سے اطلاع بخشی ہے وہ میرے گھر سے بتوں کو توڑ کر نکالے گا اور وہی اعلانیہ میرے گھر میں اذان دے گا اور میری تقدیس و تمجید بیان کریگا پس اس کے حبداروں اور اطاعت گذاروں کے لئے طوبیٰ اور اس کے دشمنوں اور نافرمانوں کے لئے ویل ہے۔ مناسبت مقام اور تبرک کے لئے یہ روایتیں نقل کی گئی ہیں۔

کعبہ جائے امن ہے کعبہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔ جو بھی اس میں داخل ہو وہ با امن رہیگا یہ خصوصیت صرف مکان کعبہ کی نہیں بلکہ حدود حرم کے اندر کا علاقہ سب کا سب اسی خصوصیت کا حامل ہے اور زمانۂ جاہلیت میں بھی جاہلی عربوں کا یہ دستور تھا کہ اگر حرم کے اندر اپنے سگے باپ کے قاتل کو بھی پا لیتے تھے تو حرم کی حرمت کی پاسداری کرتے ہوئے اس سے ان حدود کے اندر انتقام لینا پسند نہ کرتے تھے۔

تفسیر صافی میں بروایت علل حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے ابوحنیفہ سے آیت کے اسی ٹکڑے کے متعلق دریافت فرمایا کہ وہ زمین کونسی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ کعبہ تو آپ نے فرمایا کیا حجاج بن یوسف نے جب حملہ کیا تھا اور ابن زبیر کعبہ میں ہی قتل ہو گیا تھا تو اس کے لئے پھر جائے امن کیسے رہا؟ وہ جواب سے عاجز آگیا اس سوال وجواب کی قدرے تفصیل مقدمہ تفسیر انوار النجف ص۸۰ ۸۱ پر موجود ہے۔ آخرکار اس نے آپ سے ہی اس کی تاویل پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو ہمارے قائم علیہ السلام کی بیعت کر کے اس میں داخل ہوں گے اور ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ان کے صحابہ میں شامل ہوں گے۔ اسی کتاب میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیت مجید کا مطلب یہ ہے کہ خداوند کریم کی جانب سے عائد کردہ جمیع احکام کا عارف ومعترف ہو کر جو بھی اسمیں داخل ہو گا وہ آخرت کے دائمی عذاب سے نجات پائے گا۔

بروایت عیاشی آپ سے مروی ہے کہ لوگوں میں سے جو بھی حرم کو پناہ سمجھ کر اس میں داخل ہو گا وہ غضب خدا سے محفوظ ہو گا اور جانوروں اور پرندوں میں سے جو بھی اس میں داخل ہو گا اس کو اذیت نہیں دی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ حرم کی حدود سے باہر چلا جائے۔

تنبیہہ:۔ یہ روایات تاویل اور باطن کے لحاظ سے ہیں ورنہ ظاہر کے لحاظ سے ابتداء خلقت سے لے کر تا قیام قیامت کعبہ جائے امن ہے اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ کعبہ میں پناہ حاصل کرنے والے کو خوفزدہ کرے انسان تو بجائے خود کسی حیوان کو بھی حدود حرم کے اندر ستایا نہیں جا سکتا اور جو شخص اس حکم کی مخالفت کرے گا وہ حرم خدا کی توہین کرنے والا سمجھا جائے گا جس کے لئے وہ بارگاہ رب العزت میں بروز محشر جوابدہ ہو گا۔

اسلام میں سب سے پہلے حضرت سید الشہداء علیہ السلام کو کعبہ میں خوفزدہ کیا گیا جس کی بناء پر آپ نے احرام حج کو عمرہ میں تبدیل کر کے اعمال عمرہ بجالانے کے بعد احرام کھولا اور وہاں سے روانہ ہو گئے اور یہ اس لئے کہ کہیں ہماری وجہ سے حرم خدا کی ہتک نہ ہو۔ اور اس کا مفصل تذکرہ کتب مصائب میں موجود ہے۔

حج کعبہ

لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ الخ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہاں حج وعمرہ دونوں مراد ہیں۔ اور استطاعت کے متعلق آپ سے مروی ہے کہ بدن تندرست ہو اور مالی طاقت موجود ہو تو وہ مستطیع ہو گا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ بدن تندرست۔ زاد وراحلہ موجود اور راستہ پر امن ہو۔ بہرکیف فقہائے امامیہ کے نزدیک وجوب حج کے شرائط چند ہیں۔

۱۔ کامل العقل ہو۔ لہذا نابالغ اور دیوانے پر حج واجب نہیں ہوا کرتی۔

۲۔ آزاد ہو۔ لہذا غلام پر حج واجب نہیں ہوتی۔

۳۔ زاد وراحلہ موجود ہو یعنی مالی طاقت موجود ہو کہ اپنے راستہ کے آمد ورفت کے اخراجات کے علاوہ اپنی واپسی تک

کا بال بچوں اور دیگر واجب النفقہ افراد کی ضروریاتِ زندگی کا انتظام کر سکتا ہو۔

مسئلہ:۔ اگر ایک شخص کے پاس زمین یا کوئی دوسری جائداد اپنی ضرورت سے زائد موجود ہو لیکن نقد روپیہ ہاتھ میں نہ ہو تو اس صورت میں زائد از ضرورت مال کو فروخت کر کے حج کو جانا واجب ہے۔

مسئلہ:۔ اگر اس کے پاس روپیہ موجود ہے لیکن اسی قدر مقروض بھی ہے تو حج کا وجوب ساقط ہو گا پس وہ روپیہ قرض خواہ کو دے کر قرضہ سے سبکدوش ہو جائے پھر اگر استطاعت ہو تو شرائط کے ماتحت اس پر حج کا وجوب عائد ہو گا۔

مسئلہ:۔ جس پیسہ میں خمس و زکوٰۃ اور دیگر حقوق مالیہ داخل ہیں اور اب تک اس نے ادا نہیں کئے تو اس پر واجب ہے کہ خمس و زکوٰۃ و دیگر حقوق واجبہ سے پہلے سبکدوش ہونے کی کوشش کرے اور اس کے بعد اگر اخراجات حج کے لئے روپیہ بچ جائے تو حج کو جائے ورنہ استطاعت کی انتظار کرے۔

مسئلہ:۔ اگر روپیہ موجود ہو لیکن وجوب کے پہلے سال ہی روانگی سے پہلے وہ تلف ہو جائے تو وجوبِ حج ساقط ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر روپیہ موجود ہو اور حج کی درخواست بھی دے دی لیکن قرعہ اندازی میں اس کا نام نہ نکل سکا اور دوسرے سال کے ایامِ حج آنے سے پہلے اس کا وہ روپیہ خرچ ہو گیا تو اس سے وجوبِ حج ساقط ہو گا کیونکہ پہلے سال اس پر حج کا استقرار نہیں ہو سکا تھا پھر اگر اس کو استطاعت حاصل ہو گی اور جانا بھی ممکن ہو گا تو حج واجب ہو گی۔

مسئلہ:۔ جس شخص پر حج واجب ہو اور نہ کر سکے تو اس کے وارث پر اس کی طرف سے قضا واجب ہوا کرتی ہے۔

مسئلہ:۔ اگر حج واجب ہو جائے تو پھر ترک کر کے مر جائے تو جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ وہ قیامت کے دن یہودی یا نصرانی مبعوث ہو گا۔ اور فرمایا کہ تارک حج کافر ہے کیونکہ قرآن مجید میں خدا فرما رہا ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ وجوبِ حج کے بعد بلا عذر شرعی جو شخص حج کو نہ جائے تو اس کی موت یہودیت یا نصرانیت کی موت ہو گی۔ روایات میں حج کی تاکید بہت زیادہ ہے خداوند کریم تمام شیعانِ اہلبیتؑ کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

۴۔ تندرستی۔ اگر ایسا بیمار ہو کہ حج کے سفر کی صعوبتوں کو برداشت نہ کر سکتا ہو تو اس سے وجوب ساقط ہے لیکن مروی ہے کہ اس صورت میں اپنی طرف سے نائب بنا کر حج کروائے پس اگر اس کی بیماری تا موت رہ جائے تو وہی حج اس کی ہو گئی اور اگر بعد میں تندرست ہو جائے تو اس کو حج دوبارہ کرنی پڑے گی۔

۵۔ راستہ کا با امن ہونا۔ اگر راستہ خوفناک ہو تو حج کا وجوب ساقط ہے ان مسائل کی تفصیلات کتب فقہیہ سے معلوم کی جا سکتی ہیں

مسئلہ:۔ عورت کی استطاعت میں وجودِ محرم ضروری نہیں ہے اگر عورت کے پاس دیگر اسباب موجود ہوں

لیکن کوئی محرم دستیاب نہ ہو جس کے ہمراہ وہ سفر کرے تو اگر سلامتی کا ظن حاصل ہو تو وہ سفر حج کو جا سکتی ہے ورنہ نہیں۔

مسئلہ: استطاعت نہ ہونے کی صورت میں اگر حج کرے تو پھر استطاعت حاصل ہونے کے بعد اس پر دوبارہ حج واجب ہوگی کیفیت حج اور اس کے دیگر ضروری مسائل تیسری جلد کی ابتدا میں بیان ہو چکے ہیں۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: شان نزول۔ کہتے ہیں اوس اور خزرج کے دونوں قبیلے ایک مقام پر آپس میں پیار و محبت کی باتیں کر رہے تھے کہ شاس بن قیس یہودی کا ان پر گذر ہوا تو اس کو ان کی باہمی محبت ناگوار گذری پس اس نے ایک یہودی نوجوان کو مشورہ دیا کہ ان کو اپنی گذشتہ دشمنیوں اور لڑائیوں کے واقعات سنا کر برانگیختہ کرے پس وہ ان میں آکر بیٹھ گیا اور اس نے ایک سابقہ لڑائی کا ذکر چھیڑ دیا جو اوس اور خزرج کے مابین ہوئی تھی اور اس میں قبیلہ اوس کو کامیابی حاصل ہوئی تھی پس اس پر دونو قبیلے ٹوٹ پڑے پر آگئے اور لڑنے پر کمر بستہ ہو گئے اتنے میں لوگ کافی تعداد میں جمع ہو گئے فوراً اطلاع پاتے ہی جناب رسالتمآب بنفس نفیس تشریف لائے۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ
فرما دیجئے اے اہل کتاب تم کیوں کفر کرتے ہو آیات خدا کا اور خدا

شَهِیْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۸ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ
باخبر ہے اس چیز پر جو تم کرتے ہو فرما دیجئے اے اہل کتاب کیوں

تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا
روکتے ہو اللہ کے رستہ سے ایمان لانے والوں کو تم اس میں کجی چاہتے ہو

وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۹
حالانکہ تم باخبر ہو اور خدا غافل نہیں اس سے جو تم کرتے ہو

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا
اے ایمان والو اگر تم نے اطاعت کی ایک گروہ کی ان لوگوں میں سے جن کو

الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ ۝
کتاب دی گئی تو وہ تم کو ایمان کے بعد دوبارہ کفر کی طرف پھیر دیں گے

اور فرمایا کہ میری موجودگی میں تم پھر جاہلیت کی طرف جا رہے ہو۔ حالانکہ خدا نے تم کو اسلام الیسی نعمت عطا فرما کر تم سے جہالت کو دفع فرمایا اور تمہیں ایک دوسرے سے باہمی الفت کا درس دیا۔ پس وہ فوراً بھانپ گئے کہ یہ شیطانی سازش تھی جو ہم میں چلائی گئی اور دشمن کا فریب دھوکا تھا جس میں ہم کو مبتلا کیا گیا چنانچہ انہوں نے فوراً ہتھیار ڈال کر اپنے کئے سے توبہ کی اور ایک دوسرے کے گلے مل گئے اور جناب رسالتمآب کے ساتھ واپس آگئے۔ پس

خداوند کریم کی جانب سے یہودیوں کی تفہیم کا حکم ہوا کہ اے اہل کتاب تمہیں ایسے کفریہ کرتوتوں سے باز آجانا چاہیے اور اللہ کے سچے راستے یعنی دین اسلام کی تعلیمات سے لوگوں کو برگشتہ کرنے کی ناپاک حرکات کو چھوڑ دینا چاہیے اور خدا تمہاری ان ناپاک سازشوں سے پوری طرح آگاہ ہے۔ اس کے بعد پھر ایمان والوں کو خود خطاب کرکے فرماتا ہے کہ تمہیں ان یہودیوں کے دامِ تزویر میں ہرگز نہ آنا چاہیے ورنہ وہ تو تمہیں دوبارہ کفر کی طرف ہی کھینچ کر لے جائیں گے۔ (صافی۔ میزان)

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ۔ یعنی ویسے بھی حجت تمام ہونے کے بعد انسان کو کفر نہیں کرنا چاہیے لیکن جب قرآن پاس موجود ہو اور اس کے احکام کی ترجمانی کرنے والا رسول بھی پاس ہو تو پھر کفر کی طرف عود کرنا انتہائی نالائقی ہے جس طرح وہ لوگ قرآن کے مطالب کو ہر وقت سن کر اطمینانِ قلب حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح جناب رسالتمآبؐ کے وجودِ ذی جود کے معجزات و کرامات بھی ان کی تازگی ایمان اور زیادتی یقین کا بہترین ذریعہ تھے اور ان کو بار ہا دیکھنے کا شرف حاصل ہوتا تھا چنانچہ آپ کے جسم اقدس کے معجزات جو ہر وقت سامنے تھے یہ ہیں۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ

اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے

فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ

اس کا رسول تم میں موجود ہے اور جو اللہ سے تمسک کرے پس تحقیق وہ ہدایت

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۱۰۱

یافتہ ہے راہِ راست کی طرف

(۱) جس طرح آپ سامنے دیکھتے تھے اسی طرح پیچھے کی چیز کو بھی دیکھتے تھے۔ (۲) آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل بیدار رہتا تھا (۳) آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا مکھی آپ کے جسم پر نہ بیٹھ سکتی تھی (۵) زمین آپ کے فضلات کو نگل جاتی تھی (۶) بڑے سے بڑا قد آور بھی جب آپ کے پاس کھڑا ہوتا تھا تو آپ کی قد اس سے بلند نظر آتی تھی (۷) آپ کے شانوں کے درمیان مہر نبوت کا واضح نشان موجود تھا (۸) جس مقام سے آپ کا گذر ہوتا تھا خوشبو کی مہک باقی رہتی تھی جس سے لوگوں کو آپ کے گذر جانے کا علم ہو جاتا تھا (۹) شب تاریک میں آپ کے چہرہ کا نور روشنی کا موجب ہوتا تھا (۱۰) آپ ختنہ شدہ متولد ہوئے تھے (مجمع البیان) (۱۱) دھوپ میں آپ کے جسم پر بادل سایہ فگن رہتا تھا وغیرہ۔

رکوع ۲

بیانِ تقویٰ

اِتَّقُوا اللہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ. تقویٰ کے کئی مراتب ہیں اور اس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ تمام واجبات و محرّمات میں اس کے احکام کی اطاعت کی جائے اطاعت کی منزلیں جس طرح ایک دوسری سے بلند ہوتی چلی جاتی ہے اسی طرح تقویٰ کے منازل میں ترقّی ہوتی جاتی ہے اور اطاعت کی آخری بلند ترین منزل یہ ہے کہ انسان عَبْدِیْ کُنْ لِیْ اَکُنْ لَکَ (اے بندہ تو میرا ہو جا تو میں تیرا ہو جاؤں) کے مرتبہ تک پہنچ جائے اور یہی تقویٰ کی بھی آخری منزل ہے جس کو حق تقوےٰ کہا گیا ہے، یہ چیز معرفت کے تابع ہے معرفت کا پہلا زینہ ظاہری اسلام اس کے بعد ایمان اس کے بعد یقین اور پھر علم الیقین اور آخر میں حق الیقین تک پہنچتی ہے اور در حقیقت اسلام کی حقیقی منزل اور واقعی قرارگاہ بھی یہی ہے جس کے متعلق حضرت ابراہیمؑ نے اپنے لئے دعا طلب کی تھی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ اور ظاہر ہے جب عہدۂ نبوت و رسالت پر فائز ہونیوالا معصوم اپنے لئے اسلام کی دعا مانگ رہا ہے تو اس سے معرفت کی آخری منزل ہی مراد ہو سکتی ہے اور اسی کو دوسرے مقام پر اطمینان قلبی سے

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے اور تم ہر موت

اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۰۲ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللہِ جَمِیْعًا

نہ آنے پائے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو اور تمسک پکڑو اللہ کی رسی سے مل کر

وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ

اور جدا جدا نہ ہو اور یاد کیا کرو خدا کی نعمت جو تم پر ہے کہ تم آپس میں دشمن تھے۔

اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا

پس اس نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے سے مانوس کر دیا پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی

وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا

ہو گئے اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے پس اس نے تم کو اس سے بچا یا۔

کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ۝۱۰۳

اسی طرح بیان کرتا ہے خدا اپنی آیات کو تاکہ تم سمجھو

تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ پس معرفت کی منازل کے ساتھ ساتھ اسلام و تسلیم کے مراتب اور اطاعت و تقویٰ کے مدارج میں ارتقاء ہوتا جاتا ہے جب معرفت حق الیقین کے مرتبہ پر پہنچتی ہے تو تسلیم و اطاعت میں کُنْ لِیْ اَکُنْ لَکَ کا منظر سامنے ہوتا ہے اور تقویٰ حَقَّ تُقٰتِهٖ کی منزل کو پہنچ جاتا ہے۔ اور تمام انسانوں کو تقوے کی اسی آخری منزل تک پہنچنے کی دعوت دی گئی ہے لیکن چونکہ ہر ایک انسان کے بس سے باہر ہے کہ اس مرتبہ پر فائز ہو کیونکہ اطاعت کی بعض منزلیں ایک عام انسان کے لئے ناشدنی اور غیر ممکن معلوم ہوتی ہیں۔ حالانکہ اہل معرفت مقام سلوک میں ان کو اپنے پیچھے چھوڑ کر آگے نکل چکے ہوتے ہیں۔ لہٰذا دوسرے مقام پر خود ہی ارشاد فرمادیا فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (پ ۲۸ سورہ تغابن) یعنی تقوےٰ اختیار کرو جس حد تک کر سکو۔

میں نے ایک روایت میں دیکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا ایک نماز گزار کے پاس سے گذر ہوا تو اس کی نماز ناقص دیکھ کر حیران ہوئے اور خداوند کریم کی بارگاہ میں اپنی اس حیرت کا اظہار بھی کیا تو ارشاد ہوا اے موسیٰ تو اپنی معرفت کے ساتھ اس کی عبادت کا موازنہ نہ کر بلکہ اس کی عبادت اس کی اپنی معرفت سے ہو گا اور تیری عبادت کا موازنہ تیری معرفت سے ہو گا اگر تجھے میری معرفت اس طرح حاصل ہوتی جس طرح میں خود اپنی معرفت رکھتا ہوں تو تجھے اپنی عبادت اسی طرح حقیر معلوم ہوتی جس طرح اب اس عبادت گذار کی عبادت کو تو حقیر سمجھ رہا ہے۔

پس اطاعت و تقویٰ کی آخری منزل تک جانے کی دعوت ہر ایک کو ہے لیکن اس مرحلہ تک جانے والوں کے مراتب میں تفاوت ہے اور شخص اپنی قوت معرفت اور طاقتِ ایمان و یقین کی مقدار کے ماتحت اس کی طرف اقدام کرتا ہے اور لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ بھی اسلام کی اسی آخری منزل تک پہنچنے کا پیغام ہے اور قطعاً یہاں اسلام سے اس کا پہلا مرتبہ مراد نہیں ہے کیونکہ یہاں خطاب ایمان والوں کو ہے اور ایمان کا درجہ اسلام سے بلند ہے بلکہ یہاں اسلام سے اس کا وہ مرتبہ مقصود ہے جو حضرت خلیل نے اپنے لئے طلب کیا تھا اور وہی حق تقویٰ کے مساوی ہے۔

تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس آیت پر سوائے اہلبیت رسول کے اور کسی نے عمل نہیں کیا۔ ہم نے اس کا ذکر کیا اور کبھی اس کو فراموش نہیں کیا۔ ہم نے اس کا شکر کیا اور کبھی کفران نہ کیا اور ہم نے ہی اسکی اطاعت کی اور کبھی گناہ نہ کیا۔ اور یہ آیت اتری تو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ہم میں تاب نہیں کہ حق تقویٰ کی منزل کو پہنچ سکیں تب ارشاد ہوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ پس تقوےٰ کرو جس حد تک کر سکو۔ اور معرفت جب حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچتی ہے تو کبھی عبادت سے سیری حاصل نہیں ہوتی ادھر سے ارشاد ہوتا ہے میرے حبیب ہم نے قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑو (پ ۱۶) لیکن اس طرف سے جی نہیں بھرتا۔ عرض کرتے ہیں مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ اور یہ ہے تقویٰ کی آخری منزل ادھر سے محبت و پیار کے لہجے میں عبادت کے گھٹانے کی فہمائش اور ادھر سے رنگ عبودیت میں عبادت کے بڑھانے کی

خواہش اور کربلا والوں نے حق تقوےٰ کا جو مظاہرہ کیا وہ ان کی منزل حق الیقین کا خوب ترجمان ہے۔ اگر طوالت کا خوف دامن گیر نہ ہوتا تو اس مقام پر کچھ روشنی ڈالی جاتی تاہم تاریخ کی اوراق گردانی کے بعد نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ کی تفسیر

۱۔ تفسیر برہان میں جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ ایک دفعہ اہل یمن کا وفد خدمت اقدس جناب رسالتمآبؐ میں پہنچا تو آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔ یہ وہ قوم ہے جن کے دل نرم اور ایمان راسخ ہیں اور انہی سے منصور ہو گا جو ستر ہزار کی فوج لے کر میرے خلیفہ اور میرے وصی کے خلیفہ کی نصرت کرے گا اور ان کی تلواروں کے میان چرمی ہوں گے۔ انہوں نے عرض کی حضور! آپ کا وصی کون ہو گا؟ تو آپ نے فرمایا وہ وہی ہے جس کے متعلق ارشاد ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ الخ انہوں نے عرض کی اس حبل سے کیا مراد ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ خدا فرماتا ہے اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ۔ اللہ کی طرف سے حبل قرآن مجید ہے اور لوگوں میں سے حبل میرا وصی ہے پھر انہوں نے وصی کا مصداق دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ وہی ہے جس کو جنب اللہ کہا گیا ہے کہ ارشاد قدرت ہے اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْبِ اللّٰہِ (پ ۲۴ زمر) آپ نے فرمایا کہ اسی کو خدا نے سبیل بھی کہا ہے۔ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا (پ ۱۹ نمل) جس دن ظالم حیرت و حسرت سے دانتوں سے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا۔ کاش! میں نے رسول اللہ کے ساتھ سبیل کو پکڑا ہوتا۔ اس سے مراد میرا وصی ہے اور وہی میرے بعد مجھ تک پہنچانے کا راستہ ہے۔ انہوں نے آپ کو اپنی نبوت کا واسطہ دے کر پھر سوال کیا کہ وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خدا نے اس کو غور کرنے والوں کے لئے آیت و نشانی قرار دیا ہے۔ لہٰذا تم اس مجمع کی صفوں میں غور سے نگاہ کرو پس جس کی طرف تمہارا دل جھک جائے سمجھو کہ وہی ہے پس ان میں سے ابو عامر اشعری، ابوغرہ خولانی ظلبیان عثمان بن قیس، عرفہ دوسی اور لاحق بن علاقہ نے کھڑے ہو کر تمام صفوں پر نگاہ دوڑائی۔ آخر کار حضرت امیر المومنین علیہ السلام پر ان کی نظر انتخاب نے قرار پکڑا۔ پس جناب رسالتمآبؐ نے ان کی تصدیق و تائید فرمائی اور ان کو نہایت دقیع لفظوں میں خراج تحسین پیش کیا پھر فرمایا کہ تم نے اس کو کس طرح پہچان لیا ہے؟ عرض کرنے لگے حضور! ہم نے جب تمام صفوں کو چھانٹا تو ہماری نظریں سوائے علی ابن ابی طالبؑ کے کسی پر مطمئن نہ ہوئیں لیکن اس کو دیکھتے ہی آنکھیں سیر ہو گئیں دل ٹھنڈا ہو گیا اور طبیعت میں سکون و اطمینان آ گیا۔ پس ہم سمجھے یہ وہی ہو گا۔ پھر آپؐ نے ان کو دعا دی اور شہادت کی بشارت دی اور جنت کا مژدہ سنایا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ لوگ حضرت امیر علیہ السلام کے ہمرکاب ہو کر جنگ صفین میں شہید ہو کر داخل جنت ہوئے۔

۲. حضرت علی ابن الحسین سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت رسالتمآبؐ اپنے صحابہ کے ساتھ مسجد میں رونق افروز تھے آپ نے فرمایا ابھی یہاں ایک شخص آئے گا جو اہل جنت سے ہوگا اور کام کی بات پوچھے گا پس فوراً ہی ایک لمبی قد والا جوان جو اہل مصر سے مشابہت رکھتا تھا داخل مسجد ہوا جناب رسالتمآبؐ پر سلام کر کے بیٹھ گیا پھر وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ پڑھ کر عرض کرنے لگا حضور! فرمایئے حبل اللہ سے کون مراد ہے آپ نے تھوڑی دیر خاموشی سے سر جھکا کر بلند کیا اور علی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ وہی ہے۔ جس نے اس کے ساتھ تمسک پکڑا وہ دنیا و آخرت میں گمراہی سے محفوظ رہا۔ پس اس شخص نے فوراً اٹھ کر حضرت علی کو گلے لگایا اور اِعْتَصَمْتُ بِحَبْلِ اللّٰہِ یعنی میں حبل اللہ سے تمسک رکھتا ہوں کہتے ہوئے چلا گیا۔ ایک شخص نے اٹھ کر عرض کی یا رسول اللہ۔ اگر اجازت ہو تو میں اس سے اپنے لئے بخشش کی دعا کا سوال کروں آپ نے اجازت دی پس وہ باہر آکر اس سے ملا اور طلب بخشش کی اپنے لئے خواہش ظاہر کی اس نے جواب دیا کہ جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ میرا سوال و جواب تو نے سُن لیا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا ہاں سنا ہے۔ پس اس نے جواب دیا کہ اگر تو اسی شخص سے تمسک پکڑیگا (یعنی علیؑ سے) تو تیرے لئے خدا کی بخشش ہے ورنہ نہیں۔

۳. بروایت امالی شیخ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ سے مراد ہم ہیں وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ الخ میں حبل اللہ سے مراد بھی ہم ہیں۔

۴. جناب رسالتمآبؐ نے مرض موت میں مہاجر و انصار کے مجمع میں ایک خطبہ پڑھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے گروہ مہاجر و انصار اور جملہ حاضرین جو اس جگہ موجود ہیں خواہ جن ہوں یا انسان ۔۔۔ ان کا فرض ہے کہ غیر موجود لوگوں تک میری بات پہنچادیں۔ اور وہ یہ کہ میں تم میں اللہ کی کتاب چھوڑے جا رہا ہوں جس میں نور و ہدایت اور فرائض خداوندی کا بیان ہے وہ اللہ کی طرف سے اور میری اور میرے ولی کی طرف سے تم پر حجت ہے اور میں تم میں علم اکبر علم دین اور نور و شمع ہدایت علی بن ابی طالبؑ کو چھوڑے جا رہا ہوں اور یہ ہے حبل اللہ اس کے بعد وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ کی آیت تا آخر تلاوت فرمائی اور فرمایا اے لوگو، جو شخص علیؑ سے محبت و تولی رکھے گا۔ اس نے اللہ کے عہد کو پورا کیا اور جس نے اس کے ساتھ بغض و عداوت کو برتا تو وہ بروز محشر اندھا و بہرہ محشور ہوگا اور اسکی کوئی شنید نہ ہوگی۔

۵. عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ ہم خدمت نبویؐ میں موجود تھے کہ ایک اعرابی نے پوچھا حضور! آپ فرماتے ہیں وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ الخ ہمیں بتایئے تو سہی وہ کون حبل اللہ ہے جس سے ہمیں تمسک کا حکم دیا جا رہا ہے تو آپ نے اپنا دست مبارک علیؑ کے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا اس کے ساتھ تمسک پکڑو کیونکہ یہی حبل اللہ ہے!

۶. بروایت عیاشی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب حبل اللہ ہیں۔

۷. جابر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی کہ آل محمد ہی حبل اللہ ہیں جس سے تمسک کا حکم ہے۔

نیز حدیث ثقلین جو فریقین میں تواتر سے ثابت ہے بلکہ علمائے حدیث سے مروی ہے کہ یہ حدیث جناب رسالتمآبؐ

سے پینتیس صحابہ نے روایت کی ہے اور اس کے بعض حوالہ جات بمعہ اصل عبارات مقدمہ تفسیر انوار النجف ص۹۰ تا ص۹۴ میں ہم نے نقل کر دیئے ہیں لہٰذا یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

تفرقہ اُمت

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا حضرت موسیٰؑ کی امت کے اکہتر فرقے ہوئے جن میں سے ایک ناجی اور ستر ناری تھے اور حضرت عیسیٰؑ کی امت کے بہتر فرقے ہوئے جن میں سے ایک ناجی اور اکہتر ناری تھے۔ وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَتَفْتَرِقُ بَعْدِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَۃً. فِرْقَۃٌ مِّنْهَا نَاجِیَۃٌ وَّاثْنَتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِی النَّارِ اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے ان میں سے صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا اور بہتر ناری ہوں گے۔ اسی روایت کو ترمذی ابن ماجہ۔ ابوداؤد اور حاکم وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ گو الفاظ جدا جدا ہیں لیکن مطلب ایک ہے۔ (میزان)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے اکہتر فرقوں میں سے ایک ناجی تھا اور وہ یقیناً وہی تھا جو حضرت موسیٰ کے بعد حضرت موسیٰ کے وصی حضرت یوشع کی پیروی میں رہا اور جو ان سے انحراف کر کے اپنی خواہشات کی طرف دوڑ کر الگ الگ ہوگئے وہ ناری ہوگئے اور حضرت عیسیٰؑ کی امت کے بہتر فرقوں سے ناجی صرف وہی تھا جو حضرت عیسیٰؑ کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے نامزد وصی حضرت شمعون کا پیروکار رہا پس جنہوں نے ان سے علیحدگی اختیار کر کے نئی جماعتوں کی تشکیل کی وہ گمراہ ہو کر ناری ہوگئے اسی طرح حضرت رسالتمآبؐ کی امت کے تہتر فرقوں سے بھی ناجی فرقہ صرف وہی ہو سکتا ہے جو حضرت رسالتمآبؐ کے بعد ان کے نامزد وصی حضرت علی بن ابی طالبؑ کا پیروکار رہے گا اور قرآن مجید نے تفریق کی تردید کر کے صرف حبل اللہ سے تمسک پکڑنے کا حکم دیا ہے جس کا مصداق از روئے احادیث صرف حضرت علی بن ابی طالب ہی ہے اور ان کے بعد ان کی عترت طاہرہ ہے اور نیز حدیث ثقلین کے غیر مبہم الفاظ بھی اسی امر کی تائید کرتے ہیں پس یقیناً امت محمدیہ کے تہتر فرقوں میں سے ناجی فرقہ صرف وہی ہے جو حضرت علیؑ کا پیروکار ہو اور اس کے علاوہ جس قدر فرقے ہوں از روئے قرآن و حدیث وہ قطعاً ناجی نہیں ہو سکتے (ہم تفسیر انوار النجف جلد دوم ص۱۹۶ تا ص۲۰۱ اس کی مزید وضاحت کر چکے ہیں)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّۃٌ الخ بعض روایات میں اُمَّۃٌ کی جگہ اَئِمَّۃٌ ہے جیسا کہ مجمع البیان میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے اور تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ سے دریافت

کیا گیا کہ کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمام امت پر واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا! نہیں! پھر سوال کیا گیا کہ یہ کیسے؟ تو
آپ نے فرمایا کہ یہ عہدہ اس شخص کا ہے جو صاحبِ طاقت ہو جس کے حکم کی اطاعت کی جاتی ہو اور معروف اور منکر
کا عالم بھی ہو ایسے شخص پر یہ فریضہ عائد نہیں ہوتا جو کمزور ہو اور اسے خود بھی سمجھ نہ ہو کہ کہاں سے کہاں جا رہا ہے۔ اس
کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ یہ امر خاص ہے عام نہیں جس طرح دوسرے مقام پر ارشادِ خداوندی
ہے۔ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ الخ وہاں یہ نہیں فرمایا کہ عَلٰٓى اُمَّةِ مُوْسٰى یعنی حضرت موسیٰؑ کی قوم
میں سے بعض مخصوص آدمیوں کا یہ عہدہ تھا نہ کہ ساری قوم کا اور اُمَّۃ کا لفظ جس طرح ایک پر اطلاق ہوتا ہے اسی
طرح زیادہ پر اطلاق ہوتا
ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ
کو بھی امت کہا گیا ہے اور
اس زمانہ میں اگر ایک شخص
کے پاس نہ قوت ہے۔ نہ
قبیلہ اور نہ اس کی بات کی
لوگوں میں وقعت ہے تو
ایسے شخص پر یہ فریضہ عائد نہ
ہوگا پھر آپ سے اس
حدیث کا مطلب دریافت
کیا گیا کہ جناب رسالتمآبؐ
نے فرمایا اِنَّ اَفْضَلَ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ اِمَامٍ جَائِرٍ کہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد
ہے تو آپؑ نے فرمایا کہ یہ اس صورت میں ہے جب اسکی بات قبول کی جاتی ہو اور وہ خود معروف اور منکر کو بھی پہچانتا ہو۔ ورنہ واجب نہ ہوگا
نیز آپؑ نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مورد مومن ہوتا ہے جو نصیحت قبول کرے یا جاہل جو علم حاصل کرے صاحبِ تلوار و تازیانہ
اس کا محل نہیں ہوا کرتا تفسیر قمی سے منقول ہے کہ حضرت باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس آیت کا مصداق آلِ محمدؐ اور ان کے اطاعت گذار ہیں حضرت
امیرالمومنینؑ نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ منکر سے روکو اور خود بھی ترک جاؤ کیونکہ روکنے کا حکم ترک کے بعد ہوتا ہے اور خدا کی لعنت ہے
ان لوگوں پر جو دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود نہیں کرتے اور لوگوں کو برائی سے روکتے ہیں اور خود نہیں رکتے، بروایت تہذیب جناب
رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ لوگ جب تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے اور نیکی پر ایک دوسرے سے تعاون کرتے رہیں گے
تو ان میں خیر و برکت رہے گی ورنہ برکت ختم ہو جائے گی بعض پر بعض مسلط ہونگے اور زمین و آسمان میں ان کا کوئی ناصر نہ رہے گا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ

اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے نیکی کا امر کرے

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۴

اور برائی سے روکیں اور وہی ہیں فلاح پانے والے

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَ

اور نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جنہوں نے پارٹی بازی اور اختلاف کیا بعد اس کے کہ ان کے پاس

هُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۰۵

دلیلیں پہنچ چکیں اور ایسے لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے

نیز امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انبیاء کا طریق اور نیک لوگوں کا راستہ ہے اور یہ وہ اہم فریضہ ہے جس سے تمام فرائض کا قیام ہوتا ہے اسی سے مذہب محفوظ۔ کسب حلال۔ مظالم رد اور زمین آباد ہوتی ہے الخبر۔ نیز آپ نے فرمایا کہ حضرت شعیب علیہ السلام پر وحی ہوئی کہ میں تیری قوم کے ایک لاکھ چوبیس ہزار بدکاروں کو مع ساٹھ ہزار نیکوں کے معذب کرنے والا ہوں۔ آپ نے عرض کی۔ بدکار تو خیر لیکن نیکوں کا کیا قصور ہے؟ تو ارشاد ہوا۔ وہ اس لئے کہ یہ ان سے کراہت نہ کرتے تھے اور ان کے فعل سے چشم پوشی کرتے تھے۔

مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا زمین میں اللہ و رسولؐ کا خلیفہ ہوا کرتا ہے نیز فرمایا کہ لوگوں میں سے نیک ترین شخص وہ ہے جو نیکی کا امر کرے اور برائی سے روکے۔

ابو درداء سے مروی ہے کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرو گے۔ تو خدا تم پر ظالم بادشاہ کو مسلط کر دے گا جو نہ بڑوں کی عزت کریگا۔ اور نہ چھوٹوں پر رحم کھائے گا۔ اس وقت نیکوں کی دعا قبول نہ ہو گی۔ مدد طلب کرو گے لیکن مدد نہ کئے جاؤ گے۔ فریاد کرو گے۔ لیکن فریاد رسی نہ ہو گی اور استغفار کرو گے تو بخشش نہ ہو گی۔ اور حذیفہ سے مروی ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا۔ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے مومن سے لوگ گدھے کے مردے کو زیادہ محبوب رکھیں گے۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ

(یاد کرو) جس دن سفید ہوں گے (بعض) منہ اور سیاہ ہوں گے (بعض) منہ پس وہ لوگ کہ سیاہ ہوں گے

وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

انکے منہ (انکو کہا جائیگا) کیا تم نے کفر کیا بعد ایمان لانے کے لہذا چکھو عذاب کو۔ بوجہ اس کے کہ تم

تَكْفُرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ

کفر کرتے تھے۔ اور وہ لوگ کہ سفید ہوں گے ان کے چہرے تو وہ اللہ کی رحمت

اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ

میں ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیات ہیں جن کی ہم آپ پر تلاوت ساتھ

بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعَالَمِينَ ۝ وَلِلَّهِ مَا فِي

حق کے کرتے ہیں اور نہیں خدا ارادہ کرتا ظلم کا جہان والوں پر۔ اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ

السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝

آسمانوں اور زمینوں کے اندر ہے۔ اور اللہ کی طرف تمام امور کی بازگشت ہو گی۔

اَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ:۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد مطلق کافر ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد بدعت ایجاد کرنے

والے اور خواہش پرست ہیں

تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مرتد لوگ ہیں جو اسلام سے پھر گئے۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ میں بروز محشر حوض کوثر پر کھڑا ہوں گا کہ بعض لوگوں کو دور کیا جائے گا۔ پس میں کہوں گا کہ یہ تو میرے صحابی ہیں۔ اُس وقت جواب ملے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کونسی بدعات کی ہیں! یہ لوگ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے چنانچہ کتب صحاح اہل سنّت سے بھی یہی مروی ہے جیسا کہ ہم نے مقدمۂ تفسیر انوار النجف میں باحوالہ نقل کیا ہے۔ ص ۱۵۳، ص ۱۵۴

وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ۔ تفسیر صافی میں تفسیر قمی سے مروی ہے۔ ابوذرؓ کہتا ہے کہ رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ کہ میری اُمت بروز محشر پانچ علم لے کر میرے پاس پہنچے گی۔ پہلا علم میری اُمت کے گوسالہ کا ہو گا۔ میں اُن سے ثقلین کے متعلق بازپرس کروں گا تو وہ کہیں گے کہ ثقل اکبر کی ہم نے تحریف کی تھی اور اس کو پشت کے پیچھے ڈال دیا تھا اور ثقل اصغر کو اپنی دشمنی و بغض کا نشانہ بنایا تھا اور اُس پر ظلم کیا تھا۔ پس میں کہوں گا۔ جاؤ جہنم روسیاہ اور پیاسے ہو کر۔ پھر فرعون اُمت کا علم مجھ پر وارد ہو گا۔ اُن سے بھی میں ثقلین کی بابت سوال کروں گا۔ وہ کہیں گے کہ ثقل اکبر کو ہم نے بدل ڈالا تھا اور اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُس کی مخالفت کی اور ثقل اصغر سے لڑائی و دشمنی کی تھی تو میں کہوں گا۔ جاؤ جہنم روسیاہ اور پیاسے ہو کر۔ تیسرے نمبر پر میری اُمت کے سامری کا جھنڈا مجھ پر وارد ہو گا اور میں وہی سوال دہراؤں گا وہ کہیں گے۔ ثقل اکبر کو چھوڑ دیا تھا اور اس کی نافرمانی کی تھی اور ثقل اصغر کو ذلیل و رسوا کیا تھا۔ ان کو بھی میں کہوں گا۔ جاؤ جہنم روسیاہ ہو کر اور پیاسے ہو کر۔

پھر ذوالثدیہ کا جھنڈا تمام خوارج کی ہمراہی میں مجھ پر وارد ہو گا اور اُن سے بھی وہی سوال کروں گا تو وہ کہیں گے ثقل اکبر کو ہم ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُس سے بیزار ہو گئے تھے اور ثقل اصغر سے لڑے تھے اور ان کو قتل کیا تھا۔ پس اُن کو بھی کہوں گا جاؤ جہنم روسیاہ و پیاسے ہو کر۔ سب سے آخر میں امام المتقین، سید الوصیین یعنی حضرت علیؑ بن ابی طالب کا جھنڈا فضا میں لہراتا ہُوا پہنچے گا۔ اور میں وہی سوال دہراؤنگا۔ تو یہ لوگ جواب دیں گے۔ ہم نے ثقل اکبر کی اطاعت کی تھی اور ثقل اصغر سے تولا و محبت کرتے ہوئے اُن کی نصرت کی تھی۔ یہانتک کہ ہم نے اپنے خون کا آخری قطرہ اُن کی نصرت میں قربان کر دیا تھا۔ پس میں کہوں گا۔ حوض کوثر سے سیراب ہو کر نورانی و سفید چہروں کے ساتھ جنت خلد میں چلے جاؤ۔ اس کے بعد آپؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

maablib.org

رکوع ۳

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ: تفسیر برہان اور تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام کے سامنے یہ آیت اس طرح پڑھی گئی تو آپ نے فرمایا بہترین امت یہی ہے جس نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور ان کے دونوں فرزندوں کو بے جرم و گناہ شہید کر ڈالا؟ قاری نے دریافت کیا حضور! پھر یہ آیت کس طرح اتری ہے؟ تو آپ نے فرمایا **خَيْرَ أَئِمَّةٍ** کے لفظ سے نازل ہوئی ہے (یعنی تم بہترین امام و ہادی ہو) چنانچہ بعد میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ایمان باللہ کی صفات سے ان کی مدح فرمائی ہے۔ تفسیر عیاشی سے حضرت علی علیہ السلام کی قرأت میں بھی **خَيْرَ أَئِمَّةٍ** منقول ہے۔ نیز حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت جناب رسالتمآبؐ اور اس کے اوصیاء طاہرینؑ کے حق میں نازل ہوئی اور موجودہ قراءت کے اعتبار سے اگر لفظ امت بھی ہو تو اس سے عام امت ہرگز مراد نہیں لی جا سکتی بلکہ وہ امت مراد ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنی دعا میں عرض کی تھی **وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً** اور وہ صرف حضرت رسالتمآبؐ اور انکی عترت طاہرہؑ ہیں اور غالباً روایات گذشتہ میں **خَيْرَ أَئِمَّةٍ** بطور تفسیر و تاویل کے کہا گیا ہے جیسا کہ پہلی روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا تعلیلی بیان اس کا شاہد ہے یعنی **خَيْرَ أُمَّةٍ** کا مصداق عام امت ہرگز نہیں ہو سکتی جنہوں نے آئمہ طاہرینؑ کے بے گناہ خون میں اپنے ہاتھ رنگے بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قرینہ سے یہاں **خَيْرَ أُمَّةٍ** سے مراد **خَيْرَ أَئِمَّةٍ** ہے اور امت وسطیٰ سے بھی یہی لوگ مراد ہیں۔ اس سے پہلے یہ ارشاد گذر چکا ہے کہ تم میں سے ایک ایسا گروہ ہونا چاہیے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

ہو تم (محمد و آل محمد) بہتر گروہ جو بھیجا گیا لوگوں (کی ہدایت) کے لئے اچھی باتوں کا حکم دیتے

وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ

اور بری باتوں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب

لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

تو ان کے لئے اچھا ہوتا ان میں سے بعض ایماندار ہیں اور زیادہ فاسق ہیں

لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى ۖ وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ

(یہودی لوگ) ہرگز تمہیں ضرر نہ پہنچا سکیں گے سوائے (زبانی) تکلیف کے اور اگر تم سے لڑیں بھی تو پشت دکھا کر بھاگ

ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ۝

جائیں گے پھر ان کی کوئی مدد نہ کی جائے گی

کو انجام دینے والا ہو. پس اس جگہ خود ہی اس گروہ کی نشاندہی فرمادی اور بوقت نزول آیت باقی ائمہ طاہرین کا موجود نہ ہونا باعث حرج نہیں کیونکہ ان کا رئیس حضرت امیرالمومنین علیہ السلام موجود تھا اور قرآن چونکہ تا قیامت زندہ ہے لہذا اس کے مصداق کا تا قیامت باقی رہنا ضروری ہے پس ہر زمانہ میں اس آیت کا مصداق باقی رہا اور اب حضرت حجت علیہ السلام اس کا مصداق موجود اور زندہ ہے.

عَجَّلَ اللّٰهُ فَرَجَهٗ۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ ضؔ ۳ کہتے ہیں کہ رؤساء یہود باتوں باتوں میں اسلام لانے والے اہل کتاب کو کوستے تھے اور ان کے سامنے وہ اسلام و بانی اسلام کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال کرتے تھے. پس مسلمانوں کی دلجوئی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی.

وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ ضؔ ۳ یہ ایک ایسی پیشین گوئی ہے جو آنحضرتؐ کی نبوت کی صداقت کی واضح اور روشن دلیل ہے کیونکہ یہود مدینہ مثلاً بنی قریظہ بنی نضیر اور بنی قینقاع اور یہود خیبر نے مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کی کوشش کی اور بُری طرح رسوا ہوئے.

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ
لازم کردی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں وہ پائے جائیں مگر ساتھ عہد اللہ کے
اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ
اور عہد مسلمانوں کے (جبکہ ذمی بن جائیں) اور بازگشت ان کی خدا کا غضب ہوا اور
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ
لازم کردی گئی ان پر خواری یہ اس لئے کہ وہ انکار کرتے تھے
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا
آیات خدا کا اور مار ڈالتے تھے اللہ کے نبیوں کو ناحق یہ اس لئے کہ
عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝
وہ نافرمان اور سرکش تھے

maablib.org

يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ تفسیر صافی اور تفسیر برہان میں کافی و عیاشی سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ان لوگوں نے ہاتھ اور تلوار سے انبیاء کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ ان کی باتوں کو پھیلا دیا اور ان کے رازوں کا افشاء کیا تھا جس کی وجہ سے وہ گرفتار ہو کر قتل کر دیئے گئے. پس قتل، سرکشی اور نافرمانی ان لوگوں کی طرف منسوب ہوئی جنہوں نے اس کا افشاء راز کیا تھا. اور قیامت تک کے لئے جو لوگ اس بدعادت کے مرتکب ہوں گے وہ انہی آیات کے مصداق ہوں گے پس اگر ان کی باتوں کے اثرات قتل نبی تک پہنچیں تو وہ قاتل نبی ہوں گے اور اگر ان کے افشاء راز کا انجام قتل امام ہو تو قاتل امام ہوں گے اور اگر مومن کے قتل کا سبب بنیں گے تو وہ مومن کے قاتل ہوں گے. (خدا تمام مومنین کو اس قسم کی بدعادات سے محفوظ رکھے)

نمازِ تہجّد کی فضیلت

اٰنَاۤءَ الَّیۡلِ :- یہ ان لوگوں کی مدح ہے جو نمازِ تہجد میں تلاوتِ قرآن مجید کرتے ہیں۔ وافی میں کافی سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مومن کے لئے تین چیزیں باعثِ فخر ہیں:- ۱۔ آخرِ شب میں نماز ۲۔ لوگوں کے مال سے بے نیاز ہونا ۳۔ ولایتِ امامِ حق جو اہلبیت سے ہو۔ کتابِ تہذیب سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جن گھروں میں نمازِ شب میں تلاوتِ قرآن ہوتی ہے وہ اہلِ سما کے لئے اس طرح چمکتے ہیں جسطرح اہلِ زمین کے لئے ستارے چمکتے ہیں۔ نیز آپ سے منقول ہے کہ مومن کا شرف ہے نمازِ شب پڑھنا اور مومن کی عزت ہے لوگوں کی ناموس سے ہاتھ روکنا نیز آپ نے نمازِ شب کی تین خاصتیں بیان فرمائی ہیں ۱۔ چہرہ کو روشن کرتی ہے ۲۔ منہ کی بو کو پاکیزہ کرتی ہے ۳۔ رزق کو بڑھاتی ہے۔ اس کے علاوہ متعدد روایات میں ہے کہ نمازِ شب وسعتِ رزق کی موجب ہے۔ جناب رسالتمآب نے ابوذر کو فرمایا کہ

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ

سب اہلِ کتاب برابر نہیں اہلِ کتاب سے ایک گروہ ایسا ہے جو دین پر ثابت قدم ہے (وہ) پڑھتے ہیں

اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝۱۱۳ يُؤْمِنُوْنَ

آیاتِ خدا کو اوقاتِ شب میں درحالیکہ وہ نماز پڑھتے ہیں ایمان رکھتے ہیں

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

اللہ پر اور قیامت پر اور امر کرتے ہیں نیکیوں کا اور منع کرتے ہیں

عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ

برائیوں سے اور جلدی کرتے ہیں امورِ خیر میں اور وہی لوگ صالحین

الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۱۴ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ

میں سے ہیں اور جو بھی کریں کوئی نیکی پس اس کی جزا سے محروم نہ کئے جائیں گے اور

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۱۱۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ

اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔ تحقیق جو لوگ کافر ہیں ہرگز نہ (کام آئیں گے) پرواہ کریں گے

عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ

ان کو اپنے مال اور نہ اپنی اولاد اللہ کے عذاب سے کچھ بھی اور وہی اصحابِ نار

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱۶

ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

جس کا خاتمہ نمازِ شب سے ہو اس کے لئے جنت واجب ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے نمازِ شب کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے ثواب کی خاطر پورے خلوص کے ساتھ رات کا دسواں حصہ نمازِ شب پڑھے تو خدا ملائکہ کو حکم فرماتا ہے کہ اس رات میں اگنے والی تمام انگوریوں، پتوں اور درختوں کی تعداد کے برابر اس کے نامۂ اعمال میں اس کی حسنات درج کرو۔ اور اگر رات کا نواں حصہ عبادت کرے تو خدا اس کی دعائیں قبول فرماتا ہے اور بروزِ محشر اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور جو شخص رات کا آٹھواں حصہ عبادت میں بسر کرے تو اس کو ایک شہید کا ثواب عطا ہو گا اور اس کو اپنی اہلبیت میں شفاعت کا حق دیا جائے گا اور جو شخص رات کا ساتواں حصہ پڑھے تو جب وہ قبر سے محشور ہو گا اس کا منہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہو گا اور پُر امن پل صراط سے عبور کرے گا۔ اور جو شخص رات کا چھٹا حصہ عبادت میں بسر کرے وہ اوابین کی فہرست میں شمار ہو گا اور اس کے گذشتہ گناہ معاف کئے جائیں گے اور جو رات کا پانچواں حصہ عبادت کرے اسے حضرت ابراہیم خلیل کے بالمقابل قبۂ نور عطا ہو گا اور جو رات کا چوتھائی حصہ عبادت کرے وہ نجات پانے والی پہلی جماعت میں ہو گا اور تیز ہوا کی طرح پل صراط سے عبور کر جائے گا اور جنت میں بلا حساب پہنچے گا۔ اور جو شخص تہائی رات عبادت خدا میں مصروف رہے تو اس کی منزلت قرب پر تمام ملائکہ رشک کریں گے اور اسے اختیار دیا جائے گا کہ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس دروازہ سے جی چاہے گذرے اور جو شخص نصف شب عبادت میں گذارے تو اس کو اس قدر ثواب ملے گا کہ ہزار گنا اس زمین سے زیادہ سونا بھی اس کی جگہ کو پُر نہ کر سکے گا۔ اور اولادِ اسمٰعیلؑ میں سے ستر غلاموں کے آزاد کرنے سے بھی اس کا ثواب زیادہ ہو گا اور جو شخص دو تہائی رات عبادت میں بسر کرے تو ریگ صحرا کے دانوں سے اس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی اور اس کی ہر نیکی کوہ احد سے دس گنا زیادہ وزنی ہو گی۔ اور جو شخص تمام رات نماز میں تلاوتِ قرآن کے ساتھ گذار دے اور رکوع سجود اور ذکر میں مصروف رہے تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک کیا جائے گا جس طرح نوزائیدہ بچہ اور تمام خلقِ خدا کے برابر اس کی نیکیاں لکھی جائیں گی اور اسی قدر ہی اس کو درجات عطا ہوں گے۔ اس کی قبر نورانی ہو گی۔ حسد و کینہ اس کے دل سے دور کیا جائے گا۔ عذاب قبر سے محفوظ ہو گا جہنم سے آزادی کا پروانہ اس کو دیا جائے گا۔ امن پانے والوں میں مبعوث ہو گا اور خدا فرشتوں سے خطاب فرمائے گا کہ دیکھو میرے اس بندے نے میری رضا مندی کی خاطر رات آنکھوں سے گذار دی۔ پس اس کی جگہ جنت الفردوس میں تیار کرو جس میں اس کے لئے ایک ہزار شہر ہوں کہ ہر شہر میں اس کے لئے تمام وہ سامان موجود ہو جو سرورِ قلب اور خنکیٔ چشم کا باعث ہو جو اب تک کسی فرد بشر کے دل میں بھی نہ گذرا ہو اور میرا قرب اور کرامت اس کے علاوہ ہے۔ (دوانی)

مسئلہ: نمازِ تہجد کا وقت نصف شب کے بعد شروع ہو کر طلوعِ صبح تک رہتا ہے۔ البتہ بعض معذوریوں کے ماتحت نصف شب سے قبل بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ جن کی تفصیل کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔

مسئلہ: نمازِ شب کل ۱۱ رکعت ہوتی ہے۔ پہلی آٹھ رکعتیں بنیت نمازِ تہجد دو دو رکعت کر کے پڑھے اور پھر دو رکعت نمازِ شفع اور پھر ایک رکعت نمازِ وتر پڑھے۔ نمازِ تہجد میں ہر دوسری رکعت میں قنوت مستحب ہے اور نمازِ شفع میں قنوت نہیں ہے اور نمازِ وتر میں قنوت پڑھے جس میں کم از کم چالیس مومنوں کے لئے دعائے مغفرت اور ستر مرتبہ استغفار پڑھے اور تین سو دفعہ

العفو پڑھے۔ یہ مختصر طریقہ ہے نماز تہجد کا۔ اس کی پوری تفصیل اور جملہ ادعیہ کتب اعمال میں موجود ہیں۔

مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ۔ اس میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں ۱۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے بدر و احد میں حضرت رسالتمآبؐ کے مقابلہ میں جو کچھ خرچ کیا تھا، ۲۔ عوام یہود جو کچھ اپنے علماء کو بطور رشوت یا خدمت کے دیتے تھے، ۳۔ کفار کے جملہ صدقات و خیرات۔ یہ تمام اس طرح رائیگاں ہیں جس طرح کسی کھیتی کو تند و سرد ہوا برباد کر دے۔ نہ دنیا میں اس کا کچھ فائدہ ان کو ملا کیونکہ شکست خوردہ ہوئے اور نہ آخرت میں اس کا کچھ فائدہ ان کو ہوگا بلکہ الٹا زیادہ عذاب کے سزاوار ہوں گے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ مسلمانوں کا ایک گروہ اپنی سابقہ دوستی قرابت پڑوس اور قسم کی بناء پر یہودیوں سے میل جول رکھتا تھا اور بعض اوقات ان سے اپنے راز تک بیان کر دیتا تھا پس خدا نے ان کو اپنی اس غلطی سے متنبہ فرمایا اور ان کو اپنا راز دار بنانے سے روکا۔ نیز یہ آیت صرف انہیں لوگوں کے لئے مختص نہیں بلکہ تا قیامت ایمان والوں کو دعوت دی گئی ہے کہ اپنی دوستی و محبت کو صرف ایمانی بھائیوں تک محدود رکھیں اور غیر مومن سے سلسلہ محبت چھوڑ دیں کیوں کہ وہ ظاہراً محبت کا اظہار کرتے ہیں اور دل میں ان کی ہلاکت کے خواہشمند ہوا کرتے ہیں۔

مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَثَلِ رِیْحٍ
جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اس دنیاوی زندگی میں وہ اسی طرح (برباد ہے) جیسے ایک ہوا جس میں

فِیْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ
سخت خنکی ہو پڑ جائے اس قوم کی کھیتی پر جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ پس وہ ہوا اس کو برباد کر دے

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ
اور نہیں ظلم کیا ان پر خدا نے بلکہ وہ تو خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں اے ایمان

اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ
والو! نہ بناؤ اپنے بھیدی دوست سوائے اپنوں کے (کیونکہ) وہ نہیں کوتاہی کرتے

خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ
تمہاری ضرر رسانی میں وہ چاہتے ہیں کہ تم مشقت میں پڑو ان کا بغض و عناد ان کے مونہوں سے ظاہر ہے

وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ
اور ان کے دلوں میں جو مخفی ہے وہ اس سے زیادہ ہے، ہم نے تمہارے لئے آیات بیان کر دیں۔ اگر

كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَكُمْ
تم عقل رکھتے ہو دیکھئے! تم ان سے محبت رکھتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے

وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا

حالانکہ تم ایمان رکھتے ہو تمام کتابوں پر۔ اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب

خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا

تنہا ہوتے ہیں تو کاٹتے ہیں تمہارے اوپر اپنی انگلیاں غصے سے فرما دیجیے مر جاؤ

بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ 119

اپنے غصہ کی وجہ سے۔ تحقیق اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی باتوں کو

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ

اگر تمہیں چھو جائے کوئی بھلائی تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر پہنچے تمہیں کوئی تکلیف تو

يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ

وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر تم صبر اور تقوےٰ اختیار کرو تو ضرر نہ دے گا تمہیں ان کا فریب

شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ 120

کچھ بھی تحقیق اللہ احاطہ کرنے والا ہے اس کا جو کچھ وہ کرتے ہیں

وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ۔ یہاں لفظ کتاب اگرچہ واحد ہے لیکن مراد جمع ہے یعنی کتاب سے یہاں جنس کتب مراد ہے یا یہ کہ کتاب مصدر ہے اور مراد تمام کتبِ آسمانی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ تم تمام کتب سماویہ پر ایمان رکھتے ہو اور وہ لوگ تمہاری کتاب (قرآنِ مجید) کو نہیں مانتے پھر باہمی دوستی کیسی؟

اِنْ تَمْسَسْكُمْ۔ یعنی ان کی تمہارے ساتھ قلبی دشمنی اس سے واضح ہے کہ جب تم کو معمولی سا فائدہ بھی حاصل ہو جاتا ہے تو انہیں بُرا لگتا ہے اور جب تم کسی بلا و مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ تو وہ خوش ہوتے ہیں پہلے مقام پر مساس اور دوسرے مقام پر اصابہ کا استعمال جس باریکی و دقت کی طرف اشارہ ہے اسے صاحبانِ ذوق خوب سمجھ سکتے ہیں اور یہ معنوی خوبیاں صرف اسی کلام بلاغت نظام کا ہی حصہ ہیں یعنی اگر کوئی بھلائی تمہیں معمولی طرح چھو بھی جائے تو ان کو دلی کوفت ہوتی ہے اور دوسری طرف اگر اچھی خاصی تکلیف پہنچے تو وہ فرحت محسوس کرتے ہیں اور کسی کی کسی کے ساتھ حسد و بغض کی دشمنی کی علامت بھی یہی ہوا کرتی ہے۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا۔ اہلِ ایمان کو خداوندِ عالم نے جگہ بجگہ صبر و تقویٰ کی تلقین فرمائی ہے اور یہ دونوں چیزیں معرفت سے حاصل ہوتی ہیں۔ معرفت جس قدر زیادہ ہوتی ہے برداشت کی ہمت اسی قدر زیادہ ہوا کرتی ہے۔ اور تقوےٰ کی منازل میں بھی اسی نسبت سے ترقی ہوتی ہے۔ احکامِ خداوندی پر صبر و سکون اور اطمینان و رضا کے ساتھ عمل پیرا رہنا اور اس معاملہ میں کسی کی طعن و تشنیع کی پرواہ نہ کرنا صبر ہے اور اللہ کی نافرمانیوں سے دامن بچا کر رہنا اور خواہشاتِ نفس کی اتباع سے گریز کرنا تقوےٰ ہے اور درحقیقت صبر و تقوےٰ ایک دوسرے سے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب انسان معرفت و دانش اور عمل و کردار سے اس

منزل پر فائز ہو جائے تو اس پر کسی کے مکر و فریب کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ کسی کی طعن و تشنیع یا ایذا رسانی اسے اپنی منزل سے ذرہ بھر بھی پیچھے ہٹا سکتی ہے۔

رکوع ۴

جنگِ احد

وَاِذْ غَدَوْتَ :- اس کے نزول میں اختلاف ہے لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہی مروی ہے کہ یہ جنگ احد کے متعلق ہے جیسا کہ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے۔ جنگِ احد ۳ھ ماہِ شوال میں پیش آیا۔ واقعہ اس طرح ہے کہ جب قریش مکہ جنگِ بدر میں بری طرح شکست خوردہ ہو کر واپس مکہ میں پہنچے کیونکہ جنگِ بدر میں ان کے ستر سربرآوردہ آدمی قتل ہوئے تھے اور ستر قید ہوئے تھے۔ ابوسفیان نے قریش سے کہا کہ عورتوں کو اپنے مقتولین پر رونے نہ دیا جائے کیونکہ جہاں ایک طرف ہمارے دشمن (محمد) خوش ہوں گے وہاں دوسری طرف رونے اور آنسو بہانے سے غم غلط ہو جائیگا اور دلوں میں جذبہ انتقام نہ رہے گا پس بنی کنانہ اور دیگر اپنے حلیف قبائل عرب سے کافی فوج اور اسلحہ مہیا کر کے آمادۂ جنگِ احد ہوئے چنانچہ پانچ ہزار کا لشکر لیکر نکلے جن میں تین ہزار سوار اور دو ہزار پیادہ تھے اور عورتوں کو بھی ساتھ لائے تاکہ اپنے مردوں کو جوش دلائیں ابوسفیان اپنے ساتھ ہند بنت عتبہ کو لایا نیز عمرۃ بنت علقمہ حارثیہ بھی ان کے ساتھ تھی جب جناب رسالتمآبؐ کو اطلاع پہنچی تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ مجھے بذریعہ وحی خبر پہنچی ہے کہ قریش ایک لشکرِ عظیم لے کر مدینہ پر چڑھائی کر رہے ہیں پس آپ نے صحابہ کو جہاد پر آمادہ کیا۔ عبداللہ بن اُبی بن سلول اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہمیں مدینہ سے باہر نہ جانا چاہیئے بلکہ یہیں لڑیں گے کیونکہ یہاں رہتے ہوئے ہمارے کمزور آدمی، عورتیں، غلام اور

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ

اور جب صبح کو آپ گھر سے باہر نکل کر معین فرما رہے تھے مومنوں کے لئے ٹھکانے لڑائی کے

لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ۱۲۱ اِذْ هَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ

اور خدا سننے جاننے والا ہے۔ جب ارادہ کیا تم میں سے دو گروہوں نے

مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

کہ بزدلی کریں اور خدا ان کا ناصر تھا اور اللہ پر ہی مومنوں کو توکل کرنی

الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۲۲

چاہیئے

کنیزیں بھی گلیوں کے موڑ میں چھتوں پر اپنا بچاؤ کر کے دشمن سے حسب استطاعت لڑ سکیں گے اور ہمارا تجربہ ہے کہ جب کبھی ہم دشمن سے اس طرح لڑے ہیں تو ہم کامیاب ہوتے ہیں اور جب بھی ہم گھروں کو چھوڑ کر لڑنے کے لئے باہر نکلے ہیں تو ہم شکست خوردہ ہوئے ہیں۔ پس سعد بن معاذؓ اور قبیلہ اوس کے بعض آدمی اٹھے اور عرض گذار ہوئے حضور! جب ہم مشرک تھے اور بت پرست تھے اس وقت بھی عرب کا کوئی قبیلہ ہم سے لڑنے کی جرأت نہ رکھتا تھا اب جبکہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہے کس طرح دشمن ہم پر فتح یابی کی توقع رکھتا ہے۔ ہم بزدلی اور کمزوری کا اظہار کیوں کریں بلکہ ہم ضرور باہر نکل کر کھلے میدان میں جان توڑ کر لڑیں گے ہم میں سے جو قتل ہوگا شہید ہوگا اور جو بچ جائے گا مجاہدین میں اس کا نام باقی رہے گا۔ پس آپؐ کو یہ مشورہ پسند آیا اور اپنے صحابہ کی جماعت کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے اور لڑائی کے مواقع پر صحابہ کو تعینات فرمایا چنانچہ یہ آیت اسی واقعہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

جناب رسالتمآبؐ صحابہ سے مشورہ لینے کے بعد گھر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر آئے اور فرمایا کسی نبی کے لئے درست نہیں کہ زرہ پہن کر لڑائی کئے بغیر اسے اتار دے پس آپ سات سو مجاہدین کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ اور عبداللہ ابن ابی مع اپنی جماعت کے نہ آیا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپ ایک ہزار کی جماعت کے ساتھ نکلے لیکن جب مدینہ اور احد کے درمیان ایک مقام پر پہنچے تو عبداللہ بن ابی واپس پلٹ گیا اور اس کے ساتھ ایک تہائی فوج بھی واپس ہوگئی۔ مسلمانوں کے دو گروہ بنو سلمہ قبیلہ خزرج سے اور بنو حارثہ قبیلہ اوس سے جو انصار میں سے تھے انہوں نے بھی عبداللہ بن اُبی کی جماعت سے مل کر واپس ہونے کا ارادہ کیا لیکن توفیق خداوندی ان کے شامل حال ہوئی پس وہ ثابت قدم رہ گئے چنانچہ قرآن مجید کی آیت میں انہی کی طرف اشارہ ہے۔ پس جناب رسالتمآبؐ اپنی فوج کے ساتھ کوہِ احد کے دامن میں قیام پذیر ہوئے اور فوجی کیمپ کے لئے ایسی جگہ کو منتخب فرمایا جہاں پیچھے سے پہاڑ اور سامنے کی طرف لڑنے کا میدان تھا۔ پہاڑ میں ایک درہ تھا جہاں سے یہ امکان تھا کہ شاید دشمن اس درہ سے آکر پیچھے سے حملہ کر دیں تو وہاں عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ متعین فرمایا اور حکم دیا کہ اگر دشمن (خدانخواستہ) غالب آکر ہم کو مدینہ پہنچا دیں یا ہم غلبہ کی صورت میں دشمن کو مکہ پہنچا دیں۔ ہر دو صورت میں جب تک میرا حکم ثانی نہ پہنچے تم لوگ اس درہ پر ثابت قدم رہنا اور اس کو نہ چھوڑنا۔ اس طرف ابو سفیان نے خالد بن ولید کو دو سو سپاہیوں کے ساتھ کمین گاہ پر مقرر کیا کہ جب دو نوں فوجیں آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں تو تم اس درہ سے گذر کر پیچھے سے حملہ آور ہو جانا۔

حضرت رسالتمآبؐ نے فوج کا علم حضرت امیر المومنینؑ علیہ السلام کے حوالہ کیا اور لڑائی شروع ہوگئی۔ انصار نے ایک ہی حملہ میں کفار قریش کے دانت کھٹے کر دیئے پس ان میں بھاگڑ پڑگئی تو ادھر صحابہ نے کفار کے اموال میں لوٹ شروع کر دی۔ خالد بن ولید نے درہ سے آنا چاہا لیکن عبداللہ بن جبیر اور اس کے ہمراہیوں نے اس کو پسپا کر دیا۔ جب عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے دیکھا کہ کفار بھاگ گئے ہیں اور صحابہ لوٹ گھسوٹ میں شروع ہیں تو انہوں نے عبداللہ بن جبیر سے لوٹ میں شرکت کے لئے اجازت چاہی تو عبداللہ نے جناب رسالتمآبؐ کا فرمان دھرا کر ان کو اس ارادہ سے باز رہنے کی تلقین کی لیکن انہوں نے نہ مانی اور

ایک ایک دو دو ہو کر وہاں سے کھسکنا شروع کر دیا یہاں تک کہ عبداللہ بن جبیر کے پاس صرف بارہ آدمی رہ گئے۔

جنگ کی صورت یہ تھی کہ قریش کا علم قبیلۂ عبدالدار کے ایک شخص طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا (اس کو کبش الکتیبہ کہتے تھے) اس نے میدان میں قدم رکھتے ہی ان الفاظ سے مبارزطلبی شروع کر دی اے محمد! تمہارا عقیدہ ہے کہ ہم میں سے جو تمہارے ہاتھوں قتل ہو وہ دوزخ جاتا ہے اور تمہارا جو بندہ ہم قتل کریں وہ شہید ہوتا اور جنت میں اس کا مقام ہوتا ہے پس تم میں سے جس کو جنت کی شوق ہو وہ میرے مقابلہ میں آئے اور جنت میں جائے۔ پس اس طرف سے حضرت امیر علیہ السلام نکلے اور ان اشعار سے رجز خوانی فرمائی

يَا طَلْحَ إِنْ كُنْتَ كَمَا تَقُوْلُ — لَكُمْ خُيُوْلٌ وَلَنَا نُصُوْلُ
فَاثْبُتْ لِتَنْظُرَ أَيُّنَا الْمَقْتُوْلُ — وَأَيُّنَا أَوْلٰى بِمَا تَقُوْلُ
فَقَدْ أَتَاكَ الْأَسَدُ الصَّؤُوْلُ — بِصَارِمٍ لَيْسَ لَهٗ فُلُوْلُ
يَنْظُرُهُ الْقَاهِرُ وَالرَّسُوْلُ

"اے طلحہ اگر تیری بات سچی ہے کہ تمہارے لئے گھوڑے اور ہمارے لئے تلوار کے پھل ہیں۔ ٹھہر پھر دیکھ ہم میں سے کون مقتول ہو گا اور کون تیرے مقولے کا سزاوار ہو گا۔ اب تیرے سامنے شیر جری ہے جس کی قاطع تلوار کبھی کند نہیں ہوتی جس کی جنگ کا تماشا خدا اور رسول دیکھنے والے ہیں۔"

طلحہ نے سوال کیا۔ آپ کون ہیں؟ فرمایا میں علی بن ابی طالبؑ ہوں تو کہنے لگا اے قضیم۔ مجھے پتہ تھا کہ تیرے سوا میرے مقابلہ کی اور کوئی جرات نہ کرے گا۔ پس اس نابکار نے وار کیا۔ آپ نے اس کو جرات سے رد کیا پھر اس پر ایسا وار کیا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ اس کے فی النار ہو جانے کے بعد فوجِ قریش کا علم طلحہ کے بھائی ابوسعید بن ابی طلحہ نے سنبھالا اور وہ بھی ایک جنبش یداللہی سے لقمۂ اجل ہوا پھر اس کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے علم لیا وہ بھی ایک ضربتِ حیدری سے واصلِ جہنم ہوا پس مسافع بن ابی طلحہ کی باری آئی وہ بھی چشم زدن میں داروغۂ جہنم کے سپرد ہوا پھر حارث بن ابی طلحہ علم لے کر آگے بڑھا تو حضرت علیؑ نے ایک ہی حملہ میں اس کو اپنے باقی بھائیوں کے عقب میں خازنِ نار کے حوالہ کر دیا پھر یکے بعد دیگرے ابوعزیز بن عثمان اور عبداللہ بن جمیلہ بن زہیر علم لے کر آگے بڑھے اور ڈھیر ہو گئے پھر ایک اور شخص نے علم لیا اور آخر میں نویں مرتبہ ارطاۃ بن شرجیل نے علم پکڑا اور صولتِ حیدری کا ذائقہ چکھ کر دوزخ کا راستہ لیا جب بنی عبدالدار کے نو چیدہ اشخاص قتل ہو گئے تو ان کے ایک غلام صواب نامی نے علم اٹھا لیا اور حضرت امیرؑ کے مقابلہ میں کھڑا ہو گیا حضرت امیرؑ نے ایک حملہ سے اس کا دایاں ہاتھ جدا کر دیا۔ اس نے پھرتی سے علم دوسرے ہاتھ میں لیا پس حضرت امیرؑ نے اس کو دوسرے وار سے جدا کر دیا تو اس نے دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں سے سینے کے سہارے علم کو بلند کئے رکھا لیکن اب کی مرتبہ جو حضرت امیرؑ نے اس کے سر پر تلوار رسید کی تو موت نے اس کو آغوش میں لے کر نہایت اطمینان سے اسے بھی دربانِ دوزخ کے حوالہ کر دیا پس کفارِ قریش میں آگے بڑھنے کی ہمت نہ رہی تو انہوں نے میدان سے بھاگنے کی صورت اختیار کی۔ عمرہ بنت علقمہ حارثیہ نے جب علم کو پڑا ہوا پایا اور دیکھا کہ قریش کے قدم اکھڑ گئے ہیں تو اس نے بڑھ کر فوراً علم کو

بلند کیا اور قریشیوں کو لعن و طعن کر کے واپس آنے اور جنگ کرنے کی دعوت دی۔ ادھر جب عبداللہ بن جبیر کو چھوڑ کر اس کے ساتھی لوٹ گھسوٹ میں شامل ہوئے تو خالد بن ولید جو اسی درہ پر کمین لگائے بیٹھا تھا اس نے درہ کو خالی دیکھ کر دو سو ساتھیوں سمیت حملہ کر دیا۔ چنانچہ عبداللہ بن جبیر اپنے بارہ ہمراہیوں سمیت وہیں شہید ہو گیا اور خالد بن ولید نے درہ سے گذر کر پیچھے سے فوج اسلام پر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ تو نہایت اطمینان سے لوٹنے میں مشغول تھے انہیں کیا معلوم تھا کہ ابھی کوئی ہماری تاک میں بھی ہے۔ اس طرف میدان سے جاتے ہوئے جب کفارِ قریش نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو علم بلند تھا۔ انہوں نے سمجھا ابھی ہمارا کوئی نشانچی و علمبردار باقی ہے۔ پس ان کے اکھڑے ہوئے قدم جم گئے اور فوج اسلام ہر دو طرف سے محاصرہ میں آ گئی اب ان کو لوٹ بھول گئی اور میدان سے بھاگنے کی سوجھی چنانچہ پہاڑی جانوروں کی طرح بھاگ کر پہاڑوں پر چڑھتے تھے حضرت رسالتمآبؐ نے اپنے سر مبارک سے خود کو ہٹا کر آوازیں دیں کہ میں رسولِ خدا زندہ ہوں تم کدھر جا رہے ہو؟ لیکن پیچھے مڑ کر بھی کسی میں دیکھنے کی جرأت نہ تھی۔

لشکر قریش میں ہند بنت عتبہ (مادرِ معاویہ) یہ پارٹ ادا کر رہی تھی کہ جب بھی کوئی قریشی بزدلی کا اظہار کرتا تھا تو یہ سرمہ اور سلائی اس کے پیش کر کے کہتی۔ یہ لو تم سرمہ لگا کر گھروں میں پردہ نشین بن بیٹھو۔ لڑنا مردوں کے لئے ہوا کرتا ہے (گویا تم نامرد ہو)

حضرت حمزہ نے اس جنگ میں وہ جوہر شجاعت دکھائے کہ کفار میں ان کے مقابلہ کی ہمت نہ رہی جب یہ جری شیرانہ وار آگے بڑھتا تھا تو کسی کافر کے اس کے سامنے قدم نہ جم سکتے تھے۔ آخر کار ہند نے ایک حبشی کو انعام کا لالچ دیا تاکہ محمدؐ یا علیؑ یا حمزہؓ میں سے کسی ایک کو قتل کر دے وہ وحشی جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ اس نے جواب دیا کہ محمدؐ کو قتل کرنا میرے بس کا روگ نہیں اور علیؑ کا قتل بھی کارے دارد۔ کیونکہ وہ بھی پوری طرح چوکنے ہو کر نہایت ہوشیاری سے میدان کارزار میں مصروفِ حرب و ضرب ہیں البتہ حضرت حمزہؓ کے لئے کوشش کروں گا۔ چنانچہ چھپ کر ایک مقام پر تاک میں بیٹھا۔ ادھر جنگ کرتے ہوئے حضرت حمزہؓ جب اس کے پاس سے گذرے تو اتفاقاً ایک غیر ہموار جگہ سے ان کا قدم پھسلا اور وہ گر پڑے پس اس نابکار نے فوراً نیزہ سنبھالا اور ان کے پہلوئے مبارک پر اس زور سے مارا کہ وہ پار ہو گیا۔ اور آپ نے جام شہادت نوش فرما کر جان جان آفرین کے حوالہ کر دی۔ اس ملعون نے ان کا پیٹ چاک کر کے ان کا جگر نکالا اور ہند کو بطور ہدیہ پیش کیا چنانچہ اس ملعونہ نے اس کو اپنے حسد کی آگ ٹھنڈا کرنے کی خاطر اپنے منہ میں چبایا بقدرت خدا وہ پتھر کی طرح سخت ہو گیا پس اس نے اس کو منہ سے نکال کر پھینک دیا۔ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ ملائکہ نے اسے حضرت حمزہؓ کے جسم میں اپنے اصلی مقام پر رکھ دیا اور بعض روایات میں ہے۔ آپ نے فرمایا یہ کیونکر ممکن تھا کہ حمزہ کا کوئی حصہ نار میں جاتا؟ پس ہند خود آئی اور اس نے حضرت حمزہ کے ناک کان وغیرہ کاٹ ڈالے اور لاش کا اس طرح مثلہ کیا کہ وہ دیکھنے کے قابل نہ رہی۔ حضرت رسولِ خداؐ لاش پر پہنچ کر بہت روئے۔

متفق علیہ روایات کے ماتحت جناب رسالتمآبؐ کے پاس سوائے ابو دجانہ انصاری اور حضرت امیر علیہ السلام کے اور کوئی بھی نہ رہا (میزان)

بروایت قمی ...... نسیبہ بنت کعب مازنیہ بھی جناب رسالتمآبؐ کے پاس ثابت قدم رہی یہ ہمیشہ جنگوں میں آنحضرتؐ

اس کا بیٹا بھی حاضر تھا جب اس نے بھاگنا چاہا تو ماں نے اسے لعن طعن کر کے بھاگنے سے روک لیا چنانچہ وہ ثابت قدم رہا اور بالآخر شہید ہو گیا اس نیک نصیب عورت نے اپنے بیٹے کی تلوار لے کر حملہ کیا اور ایک کافر کو تہ تیغ کر ڈالا جناب رسالتمآبؐ نے اس کے لئے خیر و برکت کی دعا کی پس اس نے پروانہ وار آنحضرتؐ کے جسم کی حفاظت کی اور اس سلسلہ میں اپنے جسم پر کافی زخم برداشت کئے اس نے حضرت کے کہنے پر ایک ڈھال اٹھا کر مردانہ وار جہاد کر کے حضور کی حفاظت کا فریضہ ادا کیا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ فلاں و فلاں بھاگنے والوں سے تو نسیبہ کا درجہ افضل ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام کی یہ حالت تھی کہ جب بھی کوئی گروہ جناب رسالتمآبؐ پر حملہ آور ہوتا تھا تو حضرت علیؑ ان کو اپنی جرأت و شجاعت سے پسپا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تلوار شکستہ ہو گئی پس حضرت رسالتمآبؐ نے ان کو ذوالفقار عنایت فرمائی بعض روایات میں ہے کہ حضرت نے درختِ خرما کی خشک شاخ توڑ کر دی جو تلوار آبدار بن گئی۔ اور بروایت حضرت صادق علیہ السلام جبریلؑ آسمان و زمین کے درمیان سنہری کرسی پر بیٹھ کر یہ کہہ رہے (لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار لَا فَتٰى اِلَّا عَلِي) اور حضرت رسالتمآبؐ سے یہ کہہ رہے تھے کہ حضورؐ! ہمدردی و وفاداری اسی کا نام ہے جو علیؑ سے ظاہر ہے تو آپ نے فرمایا اِنَّهٗ مِنِّي وَاَنَا مِنْهُ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ پس جبریلؑ نے جواب دیا میں تم دونوں میں سے ہوں۔ اس جنگ میں حضرت علیؑ کے جسم مبارک میں باختلافِ روایات ستر یا نوے زخم لگے جو سب کے سب سامنے کی طرف تھے۔

مورخین نے ذکر کیا ہے کہ کفار قریش ۳ھ ماہ شوال بروز بدھ احد میں اترے تھے اور جناب رسالتمآبؐ نے اپنی فوج کیساتھ بروز جمعہ اور بعد از نماز جمعہ نزولِ اجلال فرمایا تھا اور یہ لڑائی بروز سنیچر واقع ہوئی تھی جبکہ چاند کی پندرھویں تھی (میزان) اور بعض روایات میں چاند کی ساتویں منقول ہے (دمعۂ ساکبہ)

عمرو بن قیس جو دل سے اسلام کی صداقت کا قائل تھا ابھی تک اس نے ظاہری طور پر اقرارِ شہادتین نہیں کیا تھا۔ جب اس نے سنا کہ حضرت رسالتمآبؐ خود بنفس نفیس ڈھال تلوار لے کر مصروفِ جہاد ہیں۔ شیرِ غضبناک کی طرح آگے بڑھا اور کلمہ شہادتین زبان پر جاری کر کے بحرِ جنگ میں غوطہ زن ہوا اور جامِ شہادت نوش فرما کر داخلِ جنت ہوا ابھی تک اس میں رمقِ جان باقی تھی کہ ایک انصاری کا پاس سے گذر ہوا۔ اس نے پوچھا کیا تو آبائی دین پر باقی ہے؟ اس نیک بخت نے جواب دیا نہیں بلکہ میں توحید و رسالتؐ کی شہادت کا اقرار کر چکا ہوں پھر وہ جاں بحق ہو گیا۔ جب حضورؐ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ بے شک وہ مسلمان ہو کر شہید ہوا ہے اور یہی وہ ایک شخص ہے جس نے نماز کی ایک رکعت تک نہیں پڑھی اور مر کر جنت میں پہنچا ہے۔ (برہان، مجمع البیان)

حضرت حنظلہ نے اسی رات عبداللہ بن ابی سلول کی لڑکی سے شادی کی تھی اور شب باشی کیلئے حضورؐ سے اجازت طلب کی تھی چنانچہ سورۂ نور کی آیت اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الخ۔ اسی کے متعلق اتری ہے۔ پس آپؐ نے اس کو اجازت دی چنانچہ رات کو وہ اپنی عروس سے ہمبستر ہو کر صبح سویرے حالتِ جنب سے جنگ میں حاضر ہو گیا اور بالآخر شہید ہوا جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا میں نے دیکھا ہے کہ ملائکہ آسمان و زمین کے درمیان اس کو غسل دے رہے ہیں چنانچہ اس کے بعد سے اس کو غسیلِ ملائکہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس جنگ میں عتبہ بن ابی وقاص نے حضورؐ کا دانت مبارک شہید کیا اور چہرۂ انور کو بھی زخمی کیا۔ ابن قمیہ نے آپ پر حملہ کیا اور پھر یہ آواز بلند کی کہ لات وعزی کی قسم میں نے محمدؐ کو قتل کر ڈالا ہے اور ابلیس ملعون نے بھی اعلان کیا کہ محمدؐ مارا گیا چنانچہ جب یہ خبر مدینہ میں پہنچی تو مخدومۂ کائنات حضرت فاطمہ زہرا پریشان حال تشریف لائیں اور اپنے باپ کا خون آلود چہرہ دیکھ کر بہت روئیں اور آنحضرتؐ نے ان کو تسلّی دی۔ بنا بر مشہور حضرت حمزہؓ کی بہن جنابہ صفیہ خاتون بھی حضرت حمزہؓ کی لاش پر پہنچیں اور جناب رسالتمآبؐ نے ان کو تسلّی دی۔

دمعۂ ساکبہ میں بحار الانوار سے مروی ہے کہ اس روز ہاتف سے حضرت رسالتمآبؐ کو یہ ندا پہنچی

نَادِ عَلِيًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ تَجِدْهُ عَوْنًا لَكَ فِي النَّوَائِبِ
كُلُّ هَمٍّ وَغَمٍّ سَيَنْجَلِي بِوَلَايَتِكَ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ

لڑائی ختم ہونے کے بعد حضرت رسالتمآبؐ نے سعد بن ربیع کے متعلق پوچھا اور فرمایا کہ میں نے اس پر بارہ نیزے پڑتے دیکھے چنانچہ ایک شخص اس کی تلاش میں نکلا تو دیکھا کہ مقتولین میں زخمی پڑا ہوا ہے اور اس میں رمق جان باقی ہے۔ اس نے اسکو آواز دی لیکن جواب نہ ملا پھر آواز دی کہ رسول اللہؐ تجھے یاد کر رہے ہیں پس اس نے سر بلند کیا اور خوشی کے مارے اس کے جسم میں تڑپ پیدا ہوئی پھر پوچھا کیا رسولخداؐ زندہ ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں زندہ ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے سعد پر بارہ نیزے پڑتے دیکھے ہیں۔ سعد نے جواب دیا الحمدللہ بے شک رسولؐ کی زبان سچی ہے اور مجھے بارہ ایسے نیزے لگے ہیں کہ ہر ایک ان میں سے میرے لئے پیغام موت تھا۔ میری قوم انصار کو میرا سلام کہنا اور یہ پیغام پہنچا دینا کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے اگر رسولخداؐ کو ایک کانٹا کی بھی تکلیف پہنچی تو تمہارا خدا کے سامنے کوئی عذر بھی مسموع نہ ہوگا پس یہ کہہ کر اس نے سرد آہ کھینچی اور اس کا رکا ہوا خون ایک مرتبہ جوش مار کر نکلا اور اس نے جان جان آفرین کے حوالہ کی جب رسالتمآبؐ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی کہ خدا سعد پر رحم کرے جس نے زندگی میں ہماری نصرت کی اور مرتے ہوئے بھی ہمارے متعلق وصیت کر گیا۔ (دمعہ)

شہدائے احد کی فہرست

اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہوئے جن کے نام ذیل میں درج ہیں بروایت مجمع البیان کفار کی طرف سے صرف ۱۸ آدمی قتل ہوئے (تفسیر آیت لِیَقْطَعَ الخ)

۱. حضرت حمزہ بن عبدالمطلب
۲. عبداللہ بن جحش
۳. مصعب بن عمیر
۴. شماش بن عثمان
۵. عمرو بن معاذ
۶. حارث بن انس
۷. عمارہ بن زیاد
۸. سلمہ بن ثابت
۹. عمرو بن ثابت
۱۰. ثابت بن وقش
۱۱. رفاعہ بن وقش
۱۲. حسیل بن جابر (ابو حذیفہ یمانی)
۱۳. صیفی بن قیظی
۱۴. حباب بن قیظی
۱۵. عباد بن سہل
۱۶. حارث بن اوس
۱۷. ایاس بن اوس
۱۸. عبید بن تیہان
۱۹. حبیب بن یزید
۲۰. یزید بن حاطب

۲۱. ابوسفیان بن حارث
۲۲. حنظلہ بن عامر (غسیل ملائکہ)
۲۳. انیس بن قتادہ
۲۴. ابو حبہ بن عمرو
۲۵. عبداللہ بن جبیر
۲۶. ابو سعد خیثمہ بن خیثمہ
۲۷. عبداللہ بن سلمہ
۲۸. سبیع بن حاطب
۲۹. عمرو بن قیس
۳۰. قیس بن عمرو
۳۱. ثابت بن عمرو
۳۲. عامر بن مخلد
۳۳. ابو ہبیرہ بن حارث
۳۴. عمرو بن مطرف
۳۵. اوس بن ثابت
۳۶. انس بن نضر
۳۷. قیس بن مخلد
۳۸. کیسان
۳۹. سلیم بن حارث
۴۰. نعمان بن عبد عمرو

۴۱. خارجہ بن زید
۴۲. سعد بن ربیع
۴۳. اوس بن ارقم
۴۴. مالک بن سنان
۴۵. سعید بن سوید
۴۶. عتبہ بن ربیع
۴۷. ثعلبہ بن سعد
۴۸. ثقف بن فروہ
۴۹. عبداللہ بن عمرو
۵۰. ضمرہ
۵۱. نوفل بن عبداللہ
۵۲. عباس بن عبادہ
۵۳. نعمان بن مالک
۵۴. مجذر بن زیادہ
۵۵. عبادہ بن حسحاس
۵۶. رفاعہ بن عمرو
۵۷. عبداللہ بن عمرو
۵۸. عمرو بن جموح
۵۹. خلاد بن عمرو بن جموح
۶۰. ابوالمین

۶۱. سلیم بن عمرو
۶۲. عنترہ
۶۳. سہیل بن قیس
۶۴. ذکوان بن عبد قیس
۶۵. عبید بن معلیٰ
۶۶. مالک بن تمیلہ
۶۷. حارث بن عدی
۶۸. مالک بن ایاس
۶۹. ایاس بن عدی
۷۰. عمرو بن ایاس

یہ ستر آدمی ہیں بنا بر روایت ابن ہشام جو سیرت نبی میں اس نے شمار کئے ہیں (میزان)

ان میں پہلے چار مہاجر ہیں اور باقی سب کے سب انصار میں سے ہیں۔

MAAB 1431
maablib.org

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

اور تحقیق تمہاری اللہ نے مدد کی بدر میں جبکہ تم کمزور تھے پس اللہ سے ڈرو تاکہ

تَشْكُرُوْنَ ۝۱۲۳ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ

شکر گزار بنو جب آپ مومنوں کو فرما رہے تھے کیا تمہیں کافی نہیں کہ

يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝۱۲۴

مدد کرے تمہاری تمہارا رب ساتھ تین ہزار فرشتوں کے جو اتارے گئے

بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا

ہاں اگر تم صبر کرو اور تقوٰے اختیار کرو اور آجائیں تم پر (دشمن) اسی جلدی سے

يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

(یا اسی غضب سے) تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب ساتھ پانچ ہزار فرشتوں کے جو اپنے کو

مُسَوِّمِيْنَ ۝۱۲۵ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَ

علامت لگائے ہوئے ہونگے. اور ایسا نہیں کیا تھا اللہ نے مگر تمہیں خوش کرنے کے لئے اور

لِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ

تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس سے اور نصرت نہیں ہوتی مگر اللہ کی طرف سے

اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۱۲۶

جو غالب حکمت والا ہے.

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ۔ جنگِ احد میں مسلمانوں پر اپنے احسان کا ذکر کرکے بطور تذکرہ کے جنگِ بدر کے احسان کو دہرایا تاکہ مسلمانوں کے قلوب مضبوط ہوں. فرماتا ہے کہ جنگِ احد کے موقعہ پر بزدلی کا اظہار کرنے والے دو گروہوں کو جس طرح خدا نے ثابت قدمی کی توفیق مرحمت فرمائی پس مومنوں کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیئے اس نے اس سے پہلے جنگِ بدر کے موقعہ پر بھی تو مسلمانوں کی مدد کی تھی جب کہ یہ تعداد میں بہت کم اور قوتِ حرب میں کفار کی بہ نسبت بہت کمزور تھے جنگِ بدر میں مسلمان ۷۷ مہاجر اور ۲۳۶ انصار تھے جن کی کل تعداد ۳۱۳ تھی اور اس طرف کفار کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی اس دن بھی علم جناب امیر علیہ السلام کے ہاتھ میں تھا اور انصار کے علمبردار جناب سعد بن عبادہ یا بروایت سعد بن معاذ تھے.

مِنْ فَوْرِهِمْ۔ فور کا معنی جوش و غضب بھی ہے. اور اس کا معنی جلدی بھی ہے پہلے معنے کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ جنگِ بدر میں کفار کو بُری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا. لہٰذا ان میں جذبۂ انتقام تھا اور پُوری تیاری کرکے لڑائی پر آمادہ تھے تو خدا فرماتا ہے کہ جس طرح میں نے تین ہزار فرشتوں سے جنگِ بدر میں تمہاری مدد کی تھی۔ اگر تم ثابت قدم رہو اور رسولؐ کی نافرمانی سے بچو تو بیشک وہ جوش و غضب

لے کر آجائیں تو میں پانچ ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کروں گا اور دوسرے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ جب کفار قریش جنگ احد سے واپس ہوئے تو راستہ میں پشیمان ہوئے کہ کاش! مدینہ پر لوٹ و غارت کی ہوتی چنانچہ انہوں نے واپس پلٹنے کا عزم کر لیا۔ ادھر جناب رسالتمآبؐ کو بذریعہ وحی اطلاع پہنچی تو آپؐ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر تم کو زخم پہنچے ہیں تو وہ لوگ بھی تمہاری طرح زخمی ہیں لہٰذا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں اور فرمایا اگر تم ثابت قدم رہو گے تو خدا تمہاری پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ نصرت فرمائے گا پس مسلمان تیار ہو کر نکلے۔ ادھر کسی نے کفار قریش کو مسلمانوں کے خروج کی اطلاع دے دی تو اب کفار گھبرائے کہ ممکن ہے مسلمانوں کے ساتھ دوسرے تازہ دم لوگ بھی شامل ہوں اور ہم پر غلبہ حاصل کر لیں پس مکہ کی طرف انہوں نے تیز رفتاری سے سفر کیا اور مدینہ کی طرف دوبارہ رجوع کی جرأت نہ کی (مجمع البیان)

مُسَوِّمِیْنَ: حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جنگ بدر میں ملائکہ کی علامت یہ تھی کہ ان کے عمامے سفید تھے اور انہوں نے ایک کنارہ عمامے کا پیچھے دونو کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور ان کے عمامے زرد رنگ کے تھے۔ (مجمع) ایک روایت میں ہے کہ نازل ہونے والے فرشتے حضرت علیؑ کی صورت میں خدا نے بھیجے تھے

غزوات نبوی کی فہرست

وہ غزوات جن میں حضرت رسالتمآبؐ بنفسِ نفیس شریک تھے وہ یہ ہیں۔ (۱) غزوہ ابوا (۲) غزوہ بواط (۳) غزوہ عشیرہ (۴) غزوہ بدر صغریٰ (۵) غزوہ بدر کبریٰ (۶) غزوہ بنی سلیم (۷) غزوہ سویق (۸) غزوہ ذی امر (۹) غزوہ احد (۱۰) غزوہ حمراء الاسد (۱۱) غزوہ بنی نضیر (۱۲) غزوہ ذات الرقاع (۱۳) غزوہ بدر آخری (۱۴) غزوہ دومۃ الجندل (۱۵) غزوہ خندق (۱۶) غزوہ بنی قریظہ (۱۷) غزوہ بنی لحیان (۱۸) غزوہ بنی قرد (۱۹) غزوہ بنی مصطلق (۲۰) غزوہ حدیبیہ (۲۱) غزوہ خیبر (۲۲) غزوہ فتح مکہ (۲۳) غزوہ حنین (۲۴) غزوہ طائف (۲۵) غزوہ تبوک۔

ان غزوات میں سے چند غزوات میں آنحضرتؐ خود بنفسِ نفیس لڑائی میں بھی شریک ہوئے اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ غزوہ بدر کبریٰ جو بروز جمعہ ۱۷ رمضان ۲ھ کو پیش آیا تھا۔ ۲۔ غزوہ احد جو شوال ۳ھ کو ہوا، ۳۔ غزوہ خندق۔ ۴۔ غزوہ بنی قریظہ شوال ۴ھ میں ہوئے۔ ۵۔ غزوہ بنی مصطلق ۶۔ غزوہ بنی لحیان (شعبان ۵ھ)، ۷۔ غزوہ خیبر ۶ھ ۸۔ غزوہ فتح (رمضان ۸ھ ۹۔ غزوہ حنین ۱۰۔ غزوہ طائف (شوال ۸ھ) ان کے علاوہ چھوٹی جنگیں جن میں فوجی دستے بھیجے گئے ان کی تعداد ۳۶ بتلائی گئی ہے جو کتب تاریخ میں درج ہیں۔ (از مجمع البیان)

لِیَقْطَعَ طَرَفًا۔ ماقبل کے ساتھ اس کے اتصال کے متعلق چند اقوال ہیں۔ ۱. اس کے پہلے ملائکہ کے ذریعے نصرت کا ذکر تھا تو یہاں نَصَرَ فعل محذوف سے لام متعلق ہوگا یعنی نَصَرَکُمْ لِیَقْطَعَ الخ اللہ نے تمہاری نصرت کا یہ انتظام فرمایا تاکہ کفار کا ایک حصّہ کاٹ لے جیسا کہ جنگِ بدر میں صنادید قریش میں سے ستر آدمی قتل اور ستر آدمی قید کر لئے گئے تھے ۲. فعل محذوف ماننے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ پچھلی آیت میں جو فعل نَصَرَکُمْ آچکا ہے اسی سے اس کا تعلق ہے اور معنی وہی ہوگا جو کیا گیا ہے ۳. بعض مبتداء محذوف مانتے ہیں۔ یعنی ذٰلِكَ التَّدْبِیْرُ لِیَقْطَعَ الخ۔ طرف کا معنی کنارہ ہوتا ہے یہاں طرف اس لئے استعمال کیا گیا ہے اور وسطاً نہیں کہا گیا کیونکہ لڑائی طرف سے شروع ہوکر ہی وسط تک پہنچتی ہے جسطرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِّنَ الْکُفَّارِ لڑو کفار میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو تمہارے قریب ہیں اگرچہ سب کفار کے ساتھ لڑنا ہے لیکن چونکہ لڑائی قریب والوں سے شروع ہوکر دُور والوں تک پہنچتی ہے اس لئے فرمایا کہ قریب والوں سے لڑو۔

لِیَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْ یَکْبِتَهُمْ فَیَنْقَلِبُوْا

تاکہ کاٹ ڈالے ایک حصّہ ان لوگوں سے جو کافر ہیں یا ان کو رسوا کرے　پس پلٹ جائیں　ناکام

خَآئِبِیْنَ ۝۱۲۷ لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ

ہو کر۔　نہیں آپ کو اس معاملہ میں کوئی دخل۔　یا ان کی توبہ قبول کرے

عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۲۸ وَلِلّٰهِ

یا ان کو عذاب دے　کیونکہ وہ ظالم ہیں　اور اللہ

مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ

کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے　وہ بخشے جسے چاہے　اور عذاب

وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۲۹

دے جسے چاہے۔　اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے

maablib.org

لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ الخ۔ اس میں دو احتمال بیان کئے گئے ہیں ۱. یہ نصرت اللہ کی ہی جانب سے تھی اس میں تمہارا یا کسی اور کا کوئی دخل نہیں تھا۔ ۲. اس فقرہ کو جملہ معترضہ قرار دیا جائے اور آیت کا اتصال اس طرح ہو کہ خدا چاہے تو ان کا قتل و قید سے ایک حصّہ مار دے یا ان کو ذلیل و رسوا کر کے ناکام واپس پلٹا دے یا ان کو توبہ کی توفیق دے کر ان کی توبہ مقبول کرے یا ان پر بوجہ ظلم کے عذاب نازل کرے یہ سب کچھ اس کے اختیار میں ہے ان باتوں میں آپ کو دخل دینے کی ضرورت نہیں۔

شانِ نزول اس کے متعلق بھی چند اقوال ہیں ۱. جنگِ احد میں جب آپ کا دانت مبارک شہید ہوا اور منہ سے خون جاری ہوا تو فرمایا وہ قوم کس طرح فلاح کی امید رکھ سکتی ہے جس نے اپنے نبی سے یہ سلوک کیا جبکہ

ان کو نبی اپنے رب کی طرف ہی دعوت دیتا ہے پس ارشاد ہوا کہ آپ کا کام ہے تبلیغ رسالت اور دین خدا کی ترقی کے لئے جہاد کرنا رہا ان کی فلاح یا عذاب کا قصہ تو وہ میرے اختیار میں ہے آپ کا اس میں دخل نہیں۔ عتبہ بن ابی وقاص نے ہی آپ کا دانت شہید کیا تھا اور منہ مبارک کو زخمی کیا تھا چنانچہ وہ اسی دوران سال میں آپ کی بددعا سے کافر رہ کر مر گیا۔ نیز آپ کے رخ انور پر عبداللہ بن قمیہ ھذلی نے زخم لگایا تھا۔ آپ کی بددعا سے اس کا انجام یہ ہوا کہ ایک جنگلی حیوان نے اُسے قتل کر دیا ۲۔ جب مسلمان جنگِ احد میں فراری ہوئے تو بعض کہتے ہیں کہ آپؐ نے ان پر بددعا کا ارادہ کیا تو یہ آیت اتری، ۳۔ کہتے ہیں جب آپ نے جنگِ احد میں مسلمانوں کا بے دردی سے قتل دیکھا اور حضرت حمزہ کی لاش کا مثلہ ملاحظہ فرمایا تو حضرتؐ کو بہت رنج اور دُکھ ہوا فرمایا جب ہماری باری آئے گی تو ہم ان کے ساتھ اس سے بڑھ کر کریں گے پس یہ آیت اتری ۴۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت بیر معونہ پر شہید ہونے والے صحابہ کے بارے میں اتری۔ کہ جنگِ احد کے پورے چار ماہ بعد ماہِ صفر ۴ھ کو حضرت رسالتمآبؐ نے منذر بن عمرو کی سرکردگی میں ستر قاری قرآن بیر معونہ والوں کی تعلیم قرآن کے لئے روانہ فرمائے تو عامر بن طفیل نے موقعہ پا کر ان سب کو شہید کر ڈالا جناب رسالتمآبؐ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ کو بہت رنج ہوا اور ایک ماہ تک ان کا سوگ منایا۔ تب بطور تسلی کے خدا نے یہ آیت بھیجی کہ آپ اس معاملہ میں اس قدر رنجیدہ خاطر نہ ہوں سب کچھ میرے اختیار میں ہے میں جو چاہوں کروں اگر چاہوں تو ان کو عذاب میں مبتلا کر دوں اور اگر چاہوں تو ان کو توفیق توبہ دے کر ان کی توبہ کو قبول کر لوں۔ آپ سلسلۂ تبلیغ کو جاری رکھیں اور پھر فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے۔ وہ سب اللہ کی ملکیت ہے وہ اس میں ہر قسم کے تصرف کا سزاوار ہے خواہ کسی کو بخش دے یا کسی کو عذاب دے شہداء بیر معونہ کا واقعہ رکوع ۸ کی تفسیر میں صفحہ ۱۰۸ پر مکمل آئیگا۔ یہاں تک عام اقوال آیت مجیدہ کے شان نزول کے متعلق بیان کئے گئے ہیں جو صاحب مجمع البیان نے ذکر کئے ہیں۔ لیکن اختصاص مفید سے تفسیر برہان میں بروایت جابر بن یزید امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کے معاملہ میں پریشان تھے۔ نیز تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ جابر نے حضرت باقر علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جس طرف تو جا رہا ہے وہ بات نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ خدا نے آنحضرتؐ کو ولایت علیؑ کے اظہار کا حکم دیا تو آپؐ نے لوگوں کی دشمنی کا فکر کیا اور چونکہ حضرت علیؑ باقی لوگوں سے اپنے خصالِ حمیدہ میں ممتاز تھے۔ مثلاً اسلام میں اول۔ معرفت خدا اور رسولؐ میں ابصر دشمنانِ دین کو قتل کرنے میں اقدم مخالفین خدا اور رسولؐ پر اشد۔ علوم قرآنیہ و شرعیہ میں اعلم۔ اور بے انتہا مناقب و فضائل میں سب سے اشرف تھے لہٰذا ان ہی کمالات کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں بغض و حسد اور عداوت تھی پس رسولؐ خدا کو فکر لاحق ہوئی تب یہ آیت اتری اور ارشاد ہوا کہ آپ کا کام ہے تبلیغ رسالتؐ باقی باتوں کی آپ فکر نہ کریں اور نہ آپ کو اس معاملہ میں دخل دینے کی ضرورت ہے۔ آپ اپنا کام کریں اور بس۔

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۔ اس آیت میں خدا نے فرمایا ہے کہ مغفرت اور عذاب اس کی مشیت کے تابع ہیں یعنی جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے تاکہ کوئی شخص اپنے اعمال کے غرور سے اس کے عذاب سے نڈر بھی نہ ہو جائے اور نہ

کوئی شخص اس کی رحمت کی امید سے گناہوں میں لاپرواہ ہو کر سرکش ہو اور دوسری طرف کوئی اس کی گرفت وعذاب کے ڈر سے اس کی رحمت سے مایوس بھی نہ ہو جائے اور گناہوں کی زیادتی دیکھ کر بخشش سے ناامید بھی نہ ہو بلکہ جہاں ایک طرف اس کی رحمت و مغفرت کی امید ہو وہاں دوسری طرف اس کے عذاب کا ڈر بھی ہو، نہ اعمال پر غرور کھائے اور نہ گناہوں کی بخشش سے مایوس ہو اسی بنار پر حضرت صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ لَوْ وُزِنَ رَجَاءُ الْمُؤْمِنِ وَخَوْفُہٗ لَاعْتَدَلَا۔ اگر مومن کی رجا اور خوف کو وزن کیا جائے تو دونو برابر ہونے چاہئیں (مجمع) حضرت امیرؑ نے ہمام کے سامنے جو متقین کے اوصاف بیان فرمائے ہیں ان کا بھی یہی مطلب ہے۔

سوال: جب خدا نے بخشش اور عذاب کو اپنی مشیت کے تابع کیا ہے تو پھر اعمال صالحہ یا اعمال بد کو تو بخشش وعذاب میں کوئی دخل ہی نہیں لہٰذا نیک عمل کرنے کا فائدہ اور بد اعمال سے بچنے کا معنی کیا رہا؟ نیز اس کی رحمت جب اس کے غضب سے وسیع ہے تو وہ کیونکر کسی کے عذاب کو چاہے گا؟

جواب: بے شک سزاو جزا اس کی مشیت کے تابع ہے لیکن اس کی مشیت حکمت کے عین مطابق ہے اور اس کی رحمت اگرچہ اس کے غضب سے وسیع ہے لیکن اس کی عدل و حکمت کا دائرہ اس کی رحمت سے بھی وسیع تر ہے پس اس کی بخشش و عذاب اس کی مشیت کے تابع ہے اور وہ عدل و حکمت کے موافق ہے لہٰذا بخشش کی مشیت وہاں ہو گی جہاں عدل و حکمت کا تقاضا ہو گا اور عذاب کی مشیت وہاں ہو گی جہاں عدل و حکمت کا مقتضیٰ ہو گا اور اس کی رحمت اس کے عدل و حکمت پر غالب نہیں ہو سکتی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً
اے ایمان والو نہ کھاؤ سود دگنے پر دگنا (سود در سود)
وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۳۰ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ
اور اللہ سے ڈرو تاکہ فلاح پاؤ اور ڈرو آگ سے جو تیار کی گئی ہے
لِلْكٰفِرِيْنَ ۝۱۳۱ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۳۲
کافروں کے لئے اور اطاعت کرو اللہ و رسول کی تاکہ رحم کئے جاؤ

رکوع ۵ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: گذشتہ آیت میں چونکہ فرمایا ہے کہ خدا جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے مشیت جو عدل و حکمت کے عین موافق ہے اس کے مواقع میں سے اہم ترین کا ذکر فرمایا ہے کہ اس کی مشیتِ بخشش اس کے لئے ہو گی جو حلال کھائے اور مشیتِ عذاب اس کے لئے ہو گی جو حرام کھائے اور حلال و حرام کے مسائل میں سے سود کا مسئلہ اہم ترین ہے لہٰذا اس کا ذکر فرمایا جو لوگوں میں عام اس وقت بھی تھا اور اب بھی ہے۔

حرمتِ سود کی مصلحت خود اللہ ہی بہتر جانتا ہے البتہ مفسرین نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ یہ کہ اوّل تو اس سے انسانی معاشرہ میں عدل و انصاف ختم ہوتا ہے۔ اور دوسرے ایک نادار کو قرض دے کر اسے بلا معاوضہ ایک عرصہ تک مہلت دینا حُسنِ خلق کا بہترین مظاہرہ ہے چنانچہ حضرت صادق علیہ السلام سے بھی یہی وجہ مروی ہے (مجمع) سود کا گناہ اور اس کے بعض فروعی مسائل اسی تفسیر کی تیسری جلد میں صـ۱۶۹ تا صـ۱۷۲ بیان کئے جا چکے ہیں۔

سود کا حکم اگرچہ اس سے پہلے بھی گذر چکا ہے لیکن یہاں دوبارہ اس کے ذکر کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں ۱۔ پہلے مقام پر صریح نہی نہیں تھی اور یہاں صریح طور پر نہی کی گئی ہے اور اس سے بچنے پر اخروی فلاح و رستگاری کو معلق کیا گیا ہے ۲۔ وہاں صرف سود کی حرمت کا عمومی بیان تھا اور یہاں سود کی خاص قسم یعنی سود در سود سے تاکیدی طور پر منع کیا گیا ہے

اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ۔ جہنم کا کافروں کے لئے ہونا اس کے منافی نہیں کہ غیر کافر لوگ جو فاسق و فاجر ہیں بھی جہنم میں جائیں گے بلکہ یہاں فردِ جلی کا ذکر کر کے غیر جلی فرد کو اس کے تابع کر دیا گیا ہے جس طرح جنت کے متعلق فرمایا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ حالانکہ یقیناً بعض وہ لوگ جن پر متقی کی لفظ عائد نہیں کی جا سکتی جیسے اطفال مومنین اور دیوانے لوگ بھی جنت میں جائیں گے اسی طرح قیامت کے روز مرتد لوگوں کے چہروں کا سیاہ ہونا ذکر فرمایا ہے حالانکہ کافرین بھی ان کے ساتھ اس میں شریک ہوں گے۔ پس معلوم ہوا کہ ایک وصف کا ایک گروہ کے لئے ذکر کرنا اس کے لئے دلیل حصر نہیں بلکہ بعض اوقات فردِ جلی کو ذکر کیا جاتا ہے اور فردِ غیر جلی کو اس کے تابع قرار دے کر اس کی صراحت کو ترک کیا جاتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ میں نے یہ دسترخوان امیر کے لئے بچھایا ہے حالانکہ اس امیر کے دوست احباب ساتھی نوکر چاکر اور جملہ لواحقین بھی اس کے ساتھ شریک ہوا کرتے ہیں۔

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا

اور جلدی کرو طرف بخشش اپنے پروردگار کے اور جنت کے جس کا عرض آسمانوں

السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝ ۱۳۳

اور زمین کے برابر ہے کہ تیار کی گئی ہے متقین کے لئے

إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ۔ بخشش کی طرف جلدی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بخشش کے اسباب کی طرف تیزی سے قدم بڑھاؤ اور وہ ہے اسلام و ایمان اور ادائے فرائض اور ترکِ محرمات یعنی اصولاً و فروعاً خدا اور رسولؐ کی اطاعت۔

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا الخ۔ کعب بن اشرف یہودی نے ایک مرتبہ خلیفہ ثانی پر یہ اعتراض کیا کہ تمہارے قرآن میں ایک بہشت کی وسعت آسمانوں اور زمینوں کے برابر بیان کی گئی ہے تو پھر سات بہشت کہاں ہوں گے؟ خلیفہ لاجواب ہوا اتنے میں حضرت امیر تشریف لائے تو یہودی نے پھر سوال دہرایا آپ نے فرمایا جب رات ہوتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے اور دن کے وقت رات کہاں جاتی ہے؟ یہودی نے کہا کہ اللہ کے علم میں آپ نے فرمایا اسی طرح ساتوں بہشت اللہ کے

علم میں ہیں (حضرت کا جواب اقناعی تھا مقصد یہ تھا کہ خدا ہر شے پر قادر ہے جو ساتوں زمینوں اور آسمانوں کی وسعتوں کو خلق فرما سکتا ہے۔ وہ اس سے زیادہ پر بھی قادر ہے اور ان ساتوں بہشتوں کا محل وقوع خود اسی کے ہی علم میں ہے) (ملخص از برہان)

متقین کے اوصاف

اسخاوت ۔ اس سے پہلے بتلایا گیا ہے کہ مشیت ایزدی یہ ہے کہ متقین کو جنت میں جگہ دے اب متقین کے بعض اوصاف بیان فرما رہا ہے چنانچہ ان کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ خوشحالی اور تنگدستی کی دونو حالتوں میں فی سبیل اللہ خرچ کیا کرتے ہیں۔ مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ سخاوت جنت میں ایک درخت ہے اور دنیا میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں پس جس کسی نے اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ سے تعلق قائم کیا وہ شاخ اسے جنت میں کھینچ لے جائے گی اور بخل جہنم میں ایک درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں منتشر ہیں جس نے اس کی کسی شاخ سے تمسک پکڑا وہ اسے کھینچ کر جہنم میں لے جائے گی۔

حضرت امیرالمومنینؑ سے

الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ

وہ جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی اور بدحالی میں اور ضبط کرتے ہیں غصے کو اور

وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ ١٣٤ وَالَّذِينَ

درگذر کرتے ہیں لوگوں سے اور اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنیوالوں کو اور وہ لوگ

إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا

کہ جب کریں کوئی برائی یا ظلم کریں اپنے نفسوں پر تو اللہ کو یاد کرتے ہیں پس فوراً ہی بخشش طلب کرتے ہیں

لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ

اپنے گناہوں کی اور کون بخشتا ہے گناہ سوائے اللہ کے اور وہ نہیں اصرار کرتے اوپر

مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ ١٣٥ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ

کیے ہوئے (گناہوں) کے جان بوجھ کر ایسے لوگوں کی جزاء بخشش ہے

مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

اپنے پروردگار سے اور ایسے باغات کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ رہنے والے ہونگے

فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝ ١٣٦

اس میں اور خوب جزا ہے عمل کرنیوالوں کی۔

منقول ہے کہ جنت سخیوں کا گھر ہے، سخی اللہ کے قریب جنت کے قریب اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے اور جہنم سے دور ہوتا ہے اور بخیل اللہ سے دور۔۔۔۔ جنت سے دور اور لوگوں سے دور ہوتا ہے۔ اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ راہ خدا میں خرچ کرنے کے متعلق اسی تفسیر کی تیسری جلد میں بہت کچھ تاکید گذر چکی ہے اور انسان کی تمدنی زندگی کی اصلاح کی بھی واحد صورت یہی ہے اور خداوند کریم

بھی سرمایہ داری کو قطعاً معیوب نہیں رکھتا اور ہم نے سخاوت کے فضائل کی بعض حدیثیں جلد ثالث صہ ۱۶۳ پر درج کی ہیں۔ خداوند کریم مومنین کو توفیق دے

(۲، ۳، ۴) غصّہ کو ضبط کرنا اور درگذر کرنا اور احسان کرنا۔

تفسیر برہان میں ارشاد مفید سے منقول ہے۔ رشتہ داروں میں سے ایک شخص نے حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ گستاخانہ لہجہ میں کلام کیا اور آپ چپکے سب کچھ سنتے رہے وہ کہہ سنا کر چلا گیا تو آپؑ اپنے ہمنشینوں سے مخاطب ہوئے کہ جو کچھ یہ شخص مجھے کہتا اور کوستا رہا تم نے سن تو لیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ہمراہ اس کے پاس چلو اور میرا جواب بھی سنو۔ انہوں نے عرض کی کہ حضور! ہم تو چاہتے یہی ہیں کہ آپ اس کو جواب دیں اور ہم بھی اس کو کچھ کہیں پس آپ نے نعلین سنبھالی اور روانہ ہوئے اور اسی آیت مجیدہ کی تلاوت زبان پر جاری فرمائی۔ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم سمجھ گئے کہ آپ اس کے ساتھ سخت کلامی نہ کریں گے۔ جب وہاں پہنچے تو اس کو آواز دی اور فرمایا کہ اس کو کہو کہ علیؑ بن حسینؑ تجھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔ پس وہ شخص سر جھکائے باہر آیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ آپ مجھے اپنی باتوں کا بدلہ دینے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا بھائی جان! ابھی ابھی جو کچھ تو نے مجھے کہا اگر مجھ میں وہ باتیں ہیں جو تو کہتا تھا۔ تو میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں اور اگر تو نے ناحق الزام عائد کئے تھے تو خدا تجھے معاف کر دے۔ یہ سنتے ہی اس شخص نے حضورؑ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور عرض کرنے لگا حضورؑ میں نے جو کچھ آپ کے حق میں کہا ہے۔ آپ اس سے پاک ہیں اور میں خود ہی ان کلمات کا سزاوار ہوں۔

نیز اسی کتاب میں اور مجمع البیان و تفسیر میزان میں دُرِّ منثور سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نماز کی تیاری فرما رہے تھے اور کنیز آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہی تھی۔ اتفاق سے اس کے ہاتھوں سے لوٹا گرا اور آپ کے سر مبارک پر چوٹ آگئی آپ نے اس کی طرف سر بلند کیا فوراً اس کنیز نے زبان پر جاری کیا وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے غصّہ کو ضبط کر لیا ہے پھر عورت نے پڑھا۔ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تیری خطا بھی معاف کر دی پس اس عورت نے تلاوت کیا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ تو آپ نے فرمایا۔ جا میں نے تجھے خوشنودئ خدا کے لئے آزاد کیا ہے۔

تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے اللہ کا جو بندہ اپنے غصّہ کو ضبط کرے خدا اس کو دنیا و آخرت میں زیادتی عزت عطا فرماتا ہے۔ مجمع البیان میں جناب رسالتمآب سے منقول ہے کہ جو شخص طاقت ہوتے ہوئے اپنے غصّہ کو پی جائے اور اس کو استعمال نہ کرے تو خدا روز محشر اسکو اپنی رضا کی دولت سے مالا مال کرے گا۔ اور فرمایا کہ غصّے کو ضبط کرنے والا اللہ کی راہ میں دشمن خدا سے جہاد کرنے والے کے برابر ہے۔ اور آپ نے فرمایا طاقتور وہ نہیں جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور و بہادر وہ ہے جو غصّہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں کرے اور عمدۃ البیان میں ہے آپ نے فرمایا کوئی گھونٹ اللہ کے نزدیک غصّہ کے گھونٹ

سے محبوب تر نہیں ہے اور جو شخص غصہ کو پی جائے خدا قیامت کے دن ...... اس کے بدلہ میں اس کو حور العین عطا فرمائے گا۔

مجمع البیان میں حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص کسی کے جرم کو معاف کرے خدا اس کی عزت کو بڑھاتا ہے۔

عمدۃ البیان میں بعض تفاسیر اہلسنت سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن المجتبیٰ علیہ السلام اشراف عرب کی ایک جماعت کے ہمراہ دسترخوان پر کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ان کا غلام طعام گرم کا ایک پیالہ لایا جب امام کے قریب آیا تو اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ پیالہ طعام سمیت حضرت امام حسنؑ کے سر اور منہ پر گر پڑا! حضرت نے جب اس کی طرف نگاہ کی تو اس نے اَلْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ پڑھا آپ نے فرمایا میں نے غصہ کو ضبط کیا اس نے وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ کو زبان پر جاری کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے معاف کر دیا۔ پھر اس نے وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ پڑھا تو آپ نے فرمایا میں نے تجھے آزاد کیا اور تیری کفالت بھی اپنے ذمہ لے لی۔ اسی قسم کی ایک روایت ابھی امام زین العابدین علیہ السلام کے متعلق بھی نقل ہو چکی ہے نیز امام حسین علیہ السلام کے متعلق بھی ایک واقعہ اسی قسم کا بیان کرتے ہیں اور یہ کوئی اوپری بات نہیں بلکہ خانوادہ عصمت کے جس فرد پر نظر کریں گے خُلق رسالت کا نمونہ نظر آئے گا کیونکہ یہ سب کے سب ...

(۵، ۶) گناہ سے توبہ کرنا اور اصرار نہ کرنا

متقیوں کے اوصاف میں سے ہے کہ جب گناہ کر بیٹھتے ہیں تو یاد آنے پر فوراً توبہ کرتے ہیں۔ اور اس پر اصرار نہیں کرتے۔

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ اس کے معنی میں کئی احتمالات ہیں ا۔ گناہ سے توبہ کرتے ہیں جب کہ وہ اپنے گناہ کو جانتے ہیں یعنی گناہ ان کو یاد ہے اگر ایک انسان کو کیا ہوا گناہ یاد نہیں رہا تو اس سے توبہ کرنے کا معنی ہی کوئی نہیں (۲) گناہ کو گناہ جان کر کیا تھا اور اب پشیمان ہو کر توبہ کرتے ہیں اور اس پر اصرار نہیں کرتے ورنہ اگر ایک شخص نے ایک کام کیا تھا اور اس کو اس کے فعل حرام ہونے کا علم ہی نہیں بلکہ اس کے خیال میں وہ حلال تھا تو اب اس سے توبہ کرنے کی کیا ضرورت ہے، مثلاً ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کر لیا اور وہ عورت درحقیقت اس پر حرام تھی پس علم ہونے پر اس کو اپنے گھر سے نکال دے اس سے قبل جو کچھ ہو چکا ہے وہ اس کے لئے گناہ نہیں تھا پس اس سے توبہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ (۳) توبہ کرتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (ملخص از مجمع البیان)

مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ اصرار کرنے کے بعد کوئی گناہ صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا اور توبہ کے بعد کوئی گناہ کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا۔ نیز آپ سے مروی ہے کہ خوشحال وہ بندہ کہ جس وقت اپنے نامۂ اعمال کو کھولے تو نیچے ہر گناہ کے استغفار دیکھے۔

تفسیر برہان میں بروایت کافی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر انسان گناہ کرے اور اس کے بعد استغفار نہ کرے یا اپنے دل میں توبہ کا قصد نہ کرے تو یہ بھی اصرار میں داخل ہے۔ تفسیر میزان میں بروایت درِ منثور ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ ابلیس نے قسم کھا کر کہا تھا اے پروردگار! جب تک بنی آدم کے جسموں میں روح ہوگی میں ان کو گمراہ کرتا رہوں گا تو خداوند کریم نے فرمایا تھا۔ مجھے اپنی عزت کی قسم جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے میں ان کے گناہ معاف کرتا

رہوں گا۔

تفسیر برہان و میزان و صافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب یہ آیت یعنی وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً نازل ہوئی تو ابلیس لعین نے مکہ کے پہاڑ پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے چیخ لگائی کہ تمام اس کے چیلے چانٹے اس کے گرد جمع ہو گئے اور دریافت کیا کہ تو نے ہمیں کیوں بلایا ہے؟ تو ابلیس نے کہا قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی ہے اس کا علاج کیا ہو گا ایک عفریت بولا میں فلاں فلاں طریقہ سے اس پر عمل کرنے سے روکوں گا۔ ابلیس نے کہا کہ تیرا کام نہیں ہے۔ ایک اور بولا میں کروں گا۔ ابلیس نے کہا تیرا کام بھی نہیں۔ پھر وسواس خناس نے آواز بلند کی مجھے یہ عہدہ دیا جائے۔ ابلیس نے پوچھا تو کیا کرے گا تو اس نے کہا میں ان کو وعدے دے کر اور خواہشات کو بھڑکا کر گناہ کراؤں گا جب گناہ کر لیں گے تو ان کو استغفار سے غافل کر دوں گا۔ ابلیس نے کہا بس تو ہی اس کام کے لئے موزوں تر ہے۔ پس اس نے قیامت تک کے لئے اس کو اس عہدہ پر مامور کر دیا۔

بہلول تائب کا واقعہ

انہی تفاسیر میں آیت مذکورہ کے شان نزول کے متعلق عبدالرحمٰن بن غنم دوسی سے روایت کی گئی ہے کہ ایک دفعہ معاذ بن جبل روتا ہوا خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ سلام کیا۔ آپ نے جواب کہا۔ رونے کی وجہ پوچھی۔ عرض کی یا رسول اللہ میں نے دروازہ پر ایک خوبصورت نوجوان کو اپنی جوانی پر زن پسر مردہ کی طرح روتے ہوئے دیکھا ہے اور وہ آپ سے اذن دخول چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو لائیے۔ پس معاذ اس کو اندر لے آیا اس نے حضرت کو سلام کیا اور آپ نے رد سلام کیا اور گریہ کی وجہ دریافت فرمائی۔ اس نے عرض کی حضور! میں نے ایسے گناہ کئے ہیں کہ اگر ان میں سے بعض کی بھی مجھ سے خدا گرفت کرے تو میرے لئے دوزخ واجب ہو جائے اور میں جانتا ہوں کہ مجھے معاف نہ کیا جائے گا اور ضرور مجھے سزا ملے گی پھر میں کیوں نہ روؤں۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے شرک کیا ہے؟ اس نے کہا معاذ اللہ! آپ نے فرمایا کوئی قتل کیا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا پھر تیرے گناہ اگر ساتوں زمینوں، تمام سمندروں۔ ریگ کے ٹیلوں اور دنیا کے تمام درختوں اور ان میں بسنے والی تمام مخلوق کے برابر بھی ہوں تو خدا معاف کر دے گا۔ اس نے جواب دیا کہ میرے گناہ اس سے بڑے ہیں فرمایا۔ اگر آسمانوں اور ان کے ستاروں اور عرش و کرسی کے برابر ہوں تو بھی بخشے جا سکتے ہیں۔ اس نے کہا اس سے بڑے ہیں میرے گناہ۔ آپ نے غصے سے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا اے جوان کیا تیرے گناہ بڑے ہیں یا تیرا پروردگار!۔ اس نے فوراً خالق کا سجدہ کیا اور سر اٹھا کر عرض کی حضور میرا رب ہر عظیم سے عظیم ہے۔ پس آپ نے فرمایا کہ گناہ عظیم کو وہ رب عظیم ہی بخش سکتا ہے۔ جوان نے عرض کی حضور! مجھے تو امید نہیں اور پھر چپ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا مجھے بتاتا کیوں نہیں۔ اس نے عرض کی حضور میں گورکن ہوں اور سات برس یہ پیشہ کیا ہے۔ مردوں کو قبروں سے نکال کر ان کے کفن اتار لیتا ہوں اور بیچ کر گزر اوقات کرتا ہوں۔ انصار میں سے ایک نوجوان لڑکی فوت ہوئی جب اس کو دفن کر کے واپس آ گئے تو میں رات کے پردہ میں پہنچا اسے قبر سے باہر نکال کر اس کا کفن اتارا اور واپس روانہ ہوا راستہ میں مجھے شیطان نے پھندے ڈالنے شروع کئے کہ وہ کس طرح خوبصورت لڑکی تھی؟ یہاں تک کہ میں دوبارہ واپس آ گیا اس سے زنا کا ارتکاب کر بیٹھا اور اسے پھر برہنہ چھوڑ کر واپس چلا پس پیچھے سے مجھے آواز آئی اے جوان! مجھے تو نے

مرداروں کی فوج میں برہنہ چھوڑا ہے۔ اب میں حالت جنب میں بروزِ محشر کھڑی ہوں گی یقین جان میرا اور تیرا مقدمہ اللہ کے پیش ہوگا تیری جوانی کو جہنم کی بشارت ہو۔ پس حضور! میں سمجھتا ہوں کہ میرے اوپر جہنم واجب اور جنت حرام ہے۔ پس آپ نے سنتے ہی فرمایا ہٹ جا اے فاسق قریب ہے کہ تیرا عذاب ہمیں گھیرے حضورؐ یہی فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کو نکال دیا گیا۔ پس وہ شخص گھر سے زادلے کر ایک پہاڑ کے دامن میں کھردرا لباس پہنے اپنے دونوں ہاتھوں کو گردن سے باندھے عبادت میں مشغول ہوا اور مناجات میں یہی کہتا تھا۔ اے میرے پروردگار! تیرا بندہ بہلول تیرا قیدی ہے اور اس سے وہ لغزش ہوئی ہے جسے تو جانتا ہے اب میں پشیمان ہوں۔ تیرے نبی نے بھی مجھے اپنی بارگاہ سے نکال دیا ہے۔ میں تجھ سے تیرے عظمت و جلال کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میری دعا کو رد نہ فرما اور مجھے اپنی رحمت سے مایوس نہ کر اور چالیس دن رات یہ مناجات کرتا رہا حتیٰ کہ جنگلی جانور بھی اس کے لئے گریہ کرتے تھے۔ آخر اس نے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور عرض کی میرے اللہ میری دعا اگر قبول اور میرا گناہ معاف ہے تو اپنے نبی کو بذریعہ وحی خبر بھیج ورنہ آگ بھیج کر مجھے جلا دے اور دنیا کا عذاب مجھے دے دے تاکہ قیامت کی رسوائی سے بچ جاؤں۔ پس خدا نے یہی آیت نازل فرمائی۔ گویا فاحشہ سے مراد ہے زنا اور ظلم نفس سے مراد تھی اس کی گورکنی اور کفن چوری۔ پس ارشاد ہوا۔ اے میرے حبیب! وہ تیری بارگاہ سے راندہ گیا تھا۔ اب وہ کہاں جاتا وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اللّٰهُ اور میرے سوا گناہ کون بخش سکتا ہے؟ ایسے لوگ اگر اصرار نہ کریں تو ان کی جزا بخشش ہے اور جنت ہے پس حضور! مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے اور صحابہ کو ہمراہ لیکر وہاں پہاڑ پر پہنچے دیکھا تو وہ دو پتھروں کے درمیان اپنے ہاتھ گردن سے باندھے کھڑا ہے اور روتے روتے اس کی پلکیں جھڑ گئی ہیں وہ مناجات میں کہہ رہا تھا میرے مالک! تو نے مجھے اچھا جسم اور اچھی صحت عطا فرمائی۔ اب مجھے آگ میں جلائے گا یا جوارِ رحمت میں جگہ دے گا۔ تیرے بہت کچھ احسانات ہیں لیکن کاش میں سمجھ جاؤں آخر جنت میں مجھے بھیجا جائے گا یا جہنم میں۔ میرا گناہ زمین آسمان عرش و کرسی سے بڑا ہے لیکن کاش! مجھے علم ہو جائے کہ تو نے میرا گناہ معاف کیا ہے یا قیامت میں میرے لئے ذلت کا سامان ہے؟ یہ کہتا اور روتا تھا۔ اور جنگلی جانور اس کے گرد جمع تھے اور پرندے اس کے سر پر موجود اور سب اس کی حالت سے متاثر ہو کر مشغول گریہ تھے پس حضورؐ نے پاس جا کر اس کے ہاتھ کھولے اور اس کے سر سے خاک کو جھاڑا اور فرمایا اے بہلول تجھے مبارک ہو کہ تو جہنم سے خدا کا آزاد کردہ ہے اور یہ آیت اس کو سنائی اور صحابہ سے فرمایا گناہوں کو اس طرح مٹاؤ جس طرح بہلول نے مٹایا۔

قَدْ خَلَتْ: جنگِ احد میں فرار کرنے والوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ گذشتہ امتوں کے واقعات سے عبرت حاصل کرو اور نبیوں اور رسولوں کی نصرت سے کوتاہی کرنے والوں کے انجام دیکھو۔ اور سبق حاصل کرو۔

سُنَنٌ: سنت کی جمع ہے اور اس کا اصطلاحی معنی ہے۔ ایک وضع شدہ طریقہ جس پر لوگ چلیں۔ پھر جس کا وضع کردہ ہوگا اسی کی طرف اس کی نسبت ہوگی۔ جیسے سنتِ رسولؐ اور سنتِ ابلیسِ لعین وغیرہ اس مقام پر سُنن کے کئی معانی کیئے گئے ہیں ۱۔ یادگارِ عبرت، ۲۔ امثال، ۳۔ امتیں، ۴۔ مضاف محذوف ہے دراصل تھا اہلِ سنن، ۵۔ منہاج دستور۔ اس مقام پر ہر احتمال کے اعتبار سے معنی درست ہے

ربط و اتصال

جنگِ احد کا کچھ ذکر فرمانے کے بعد اخلاق کی چند آیات آگئیں جن میں صفات بد سے بچنے اور صفاتِ حسنہ سے آراستہ ہونے کی امتِ اسلامیہ کو دعوت دی گئی ہے۔ کیونکہ یہی اخلاقی کمزوریاں ہی احد کے روز صحابہ کے فرار کی باعث ہوئیں حرص وطمع۔ اور فرمانِ خدا و رسول سے لاپرواہی نے ان کو ثابت قدمی سے روک دیا تھا۔ ورنہ شکست خوردہ فوج قریش کو واپس پلٹنے کی جرأت نہ ہوتی اور نہ خالد بن ولید پیچھے سے حملہ آور ہو سکتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ صحابہ کو اس جنگ میں شکستِ فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ پس خدا نے اولاً سود اور سود در سود سے بچنے اور تقویٰ کے اختیار کرنے کا حکم دیا۔ ایک طرف نافرمانی

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا
تحقیق گذر چکی ہیں تم سے پہلے مثالیں پس سیر کرو زمین میں (تاریخی حقائق کی) پھر دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝ ۱۳۷ هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ
کیا انجام ہوا (احکام خدا اور رسول کو) جھٹلانے والوں کا یہ (قرآن) بیان ہے لوگوں کے

وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ۝ ۱۳۸
لئے اور ہدایت و نصیحت ہے متقین کے لئے

کرنے والوں کو جہنم کا خوف دلایا اور دوسری طرف اطاعت کرنے والوں کو بہشت کا وعدہ دیا اور انہیں متقین کے مقدس لقب سے یاد فرمایا اور پھر ان کی علامتیں بیان فرمائیں اور ان کے فضائل کا تذکرہ کیا اور غلطی ہو چکنے کے بعد ان کو توبہ کی طرف متوجہ فرما کر اپنی بخشش کا وعدہ فرمایا تاکہ ان کو مایوسی نہ ہو جائے۔ پھر گذشتہ امتوں کے واقعات سے عبرت حاصل کرنے کا درس دیا۔

انسان کی تمدنی زندگی کی اصلاح اور اتفاق و اتحاد کی بحالی کے لئے ذخیرہ اندوزی اور حرص و لالچ انتہائی طور پر مضر ہیں اس لئے پہلے پہلے اس کے لئے اصلاحی حکم کا بیان فرمایا اور ہر حالت میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے والوں کی مدح فرمائی جس کا مقصد دلوں سے حب دنیا کا قلع قمع ہے۔ پس جنگِ احد کے دن لوٹ میں گھسنے اور مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑنے والے حضرات کو اشارۃً سرزنش فرما دی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو پہاڑوں کی چوٹیاں دیکھنی پڑیں۔ دوسری طرف اتحاد و یکجہتی اور کامیابی و کامرانی کیلئے نہایت اہم اور سب سے ضروری بات ہے اپنے قائد و پیش رو کی پوری اطاعت۔ اور چونکہ مسلمانوں نے اس جنگ میں خدا و رسول

کے وعدۂ نصرت کو پس پشت ڈال کر اپنی کمزوریوں کا مظاہرہ کیا تھا اس لئے ان آیات میں ان کو مخالفت پر جہنم اور اطاعت پر جنت کی بشارت سے تنبیہ کی گئی اور ان کی تقویت قلب کے لئے سابقہ لغزش سے توبہ کے بعد مغفرت کا وعدہ فرمایا۔ اور آئندہ کے لئے ایسی غلطی کے ارتکاب سے باز رکھنے کے لئے بطور تسلی یا بطور عبرت و نصیحت گذشتہ امتوں کے واقعات سے سبق حاصل کرنے کی تلقین فرمائی اور کسی کی نصیحت کے لئے اور راہ راست پر لانے کے لئے اس طرز بیان سے زیادہ مؤثر کوئی اور طریقہ افہام و تفہیم ہو سکتا ہی نہیں۔ اور نہ انسان کی ہدایت کے لئے ظہور نقص کے بعد تکمیل نفس کے لئے اور رذائل نفسانیہ سے کنارہ کشی اور فضائل نفسیہ کے حصول کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی علاج کارگر ہو سکتا ہے اور یہی قرآن کریم کا طرۂ امتیاز ہے۔ پس یہ آیات کریمہ جنگ احد کے واقعہ کے

۱۳۹ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

نہ کمزور رہو اور نہ غم کھاؤ حالانکہ تم ہی غالب ہو (انجام کار) اگر تم ایمان رکھتے ہو (وعدۂ خدا پر)

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ

(کوئی بات نہیں) اگر تمہیں زخم لگے ہیں تو اس قوم کو زخم لگے ہیں (بدر میں) اسی جیسے اور یہ

الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا

دن ان کو ہم بدلاتے ہیں لوگوں میں (بلحاظ مصلحت) اور اس لئے بھی تاکہ پرکھے اللہ ایمان والوں کو اور

وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ ۱۴۰

بنائے تم میں سے بعض کو شہید۔ اور اللہ نہیں چاہتا ظلم کرنے والوں کو۔

تسلسل میں مخل نہیں کہی جا سکتی چنانچہ بعد میں پھر اسی جنگ کے متعلق تذکرہ ہو رہا ہے

وَلَا تَهِنُوا۔ جنگ احد سے چلے جانے کے بعد جب کفار نے رستہ ہی میں واپس پلٹ کر مدینہ میں غارت گری کا پروگرام مرتب کیا اور رسول ؐ کو بذریعہ وحی اطلاع ملی اور ان کے تعاقب کا حکم صادر ہوا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ جنگ احد میں گئے تھے اب تعاقب کے لئے بھی انہی کو روانہ ہونا چاہیے تو چونکہ مسلمان بہت کچھ زخمی تھے لہذا پریشان خاطر ہوئے پس ان کی تسلی کے لئے یہ ارشاد فرمایا۔ اور چونکہ ان کو اپنی شکست کی وجہ سے بھی انتہائی پژمردگی لاحق تھی تو ساتھ بشارت بھی دے دی کہ بالآخر تم کامیاب ہو گے اور اسلام کا بول بالا ہو گا۔ بشرطیکہ تمہیں خدا اور رسولؐ کے عہد اور وعدۂ نصرت پر اعتماد ہو اور ثبات قدم کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دو۔ أَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ کا معنی مرتبہ و شرف کے لحاظ سے بلند ہونا بھی کیا گیا ہے۔ (مجمع البیان)

إِنْ يَمْسَسْكُمْ:۔ حضرت امیر علیہ السلام کو تیر تلوار۔ اور نیزہ سے جنگ احد میں ساٹھ سے زیادہ زخم لگے تھے حتی کہ بعض روایات میں نوّے تک بھی تعداد لکھی ہے۔ انس بن مالک سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ حضرت علیؑ کو لاتے پس آپ دست شفا پھیرتے جاتے تھے اور زخم مندمل ہوتے جاتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کوئی زخم تھا ہی نہیں کہتے ہیں بعد

maablib.org

اختتام جنگ ابوسفیان پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور ایک گھنٹہ وہاں کھڑا رہا جناب رسالتمآبؐ نے دعا مانگی۔ اے میرے اللہ! ان لوگوں کو ہم سے بلند ہونے کا حق نہیں۔ پس ارشاد ہوا۔ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۔ مرتبہ کے اعتبار سے تم ہی بلند ہو۔ یا انجام کار تم ہی غالب و منصور ہو گے۔ پس ابوسفیان نے بلند ہو کر آواز دی کہ یہ دن بدر کے دن کا بدلہ ہے وہاں ہمیں شکست اور یہاں تمہیں تو ادھر سے جواب دیا گیا، تو غلط کہتا ہے۔ ہمارے مقتولین جنت میں اور تمہارے جہنم میں ہوں گے۔ اس نے باآواز بلند اور کفریہ کلمات بھی کہے اور ادھر سے ان کا دندان شکن جواب دیا گیا۔

مداولت ایام کے مصالح

تِلْكَ الْاَيَّامُ ۔ دنوں کا ایر پھیر کبھی ایک قوم کو فتح اور کبھی دوسری قوم کو۔ یہ ایک دستور ہے۔ اگر خدا چاہتا تو مسلمانوں کو ہر جنگ میں فتح و نصرت دے سکتا تھا لیکن ایسا کرنے میں اس کی مصالح کارفرما ہیں۔ جن کو قرآن بیان فرما رہا ہے۔ پہلی مصلحت تو یہ تھی کہ خدا چاہتا ہے کہ دین اسلام دلیل و برہان اور حق و صداقت کی بدولت ہمہ گیر ہو۔ اگر فوج اسلام کو ہر جنگ میں فتح و کامرانی ہی نصیب ہوتی تو بہت سے لوگ صرف فتح و نصرت اور غلبہ و برتری کی خاطر ہی اسلام کے حلقہ بگوش ہو جاتے گو دل سے اسلام کو نہ بھی چاہتے۔ ویسے تو ہر مقام پر جناب رسالتمآبؐ کو فتح و نصرت نصیب ہوئی لیکن یہ ایر پھیر ساتھ رہا تاکہ کہیں اسلام میں دخول کا سبب صرف غلبہ ہی نہ ہو جائے۔

وَلِيَعْلَمَ ۔ دوسری مصلحت کا ذکر ہے۔ اور اس کا عطف پہلی مصلحت پر ہے جو بوجہ واضح و آشکار ہونے کے ذکر نہیں کی گئی۔ پس معنی یہ ہوا کہ ہم ان دنوں کو بدلاتے رہتے ہیں تاکہ دین اسلام کی ہمہ گیری دلیل و حجت کی بناء پر ہو نہ کہ زور و زر کی بناء پر اور تاکہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں میں سے کھرے اور کھوٹے کی پرکھ ہو جائے اور مومن اور منافق میں امتیاز ہو جائے۔

وَيَتَّخِذَ ۔ یہ تیسری مصلحت ہے کہ خداوند کریم بعض مومنین کو مرتبہ شہادت کرامت فرمانا چاہتا ہے۔ یا یہ کہ وہ چاہتا ہے کہ ثبات قدمی سے ان کا مرتبہ بلند ہو تاکہ یہ لوگ اور لوگوں کے اعمال پر شاہد قرار دیئے جائیں اور صاحب تفسیر میزان نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ شہید کا پہلا معنی جدید اصطلاح ہے۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ ۔ یہ چوتھی مصلحت کا ذکر ہے۔ اس آیت مجیدہ میں معنی کے لحاظ سے دو احتمال ہو سکتے ہیں ۱۔ تاکہ ایمان والوں کو آزمائے اور کافروں کو نابود کر دے یعنی ایام کا دور جب مومنوں کے خلاف ہوتا ہے تو ان کی آزمائش مطلوب ہوتی ہے اور جب کفار کے خلاف ہوتا ہے تو ان کا صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنا مطلوب ہوا کرتا ہے ۲۔ تاکہ مومنوں کو گناہوں سے پاک کرے یعنی ایام کا دور مومنوں کے خلاف ان کے گناہوں کا کفارہ ہوا کرتا ہے اور کفار کے لئے زیادتی عذاب کا موجب بہر کیف یہ مداولت ایام اہل ایمان کے لئے گناہوں سے بچاؤ کا طریقہ ہیں۔ یا تو اس لئے کہ یہ تکالیف ان کی سابقہ خطاؤں کے لئے کفارہ بن جاتی ہیں اور ان کا مصائب عالم میں صبر کرنا ان کی زیادتی درجات اور کثرت اجر کا موجب بن جاتا ہے اور ممکن ہے مقصد یہ ہو کہ جب مومن ایسے دشوار گذار مقامات پر صبر کا مظاہرہ کریں تو پھر خدا اپنے لطف و کرم سے ان کو

آیندہ گناہوں سے بچنے کی خصوصی توفیق مرحمت فرما دیتا ہے۔

دخولِ جنّت کا معیار

اَمْ حَسِبْتُمْ :- اس سے قبل مومنوں کے لئے جنّت کی پیش کش کی گئی تھی اب فرماتا ہے کہ یہ مت سمجھنے کہ کچھ کئے بغیر ہم جنت میں جائیں گے۔ بلکہ جنّت میں جانے کے لئے آزمائشات سے نپٹنا اور مصائب و آلام پر صبر کرنا ضروری ہے۔

اقول :- یہ یا اس قسم کی آیات جہادِ ظاہری کے زمانہ تک محدود نہیں بلکہ ہر دور میں انسان کے ہر سانس کے ساتھ مقامِ جہاد والبتہ ہے اور عقل و نقل سے یہ بات واضح ہے کہ جہادِ ظاہری سے جہادِ باطنی کہیں زیادہ سخت ہوا کرتا ہے۔ بلکہ باطنی جہاد میں فتحیاب ہونے کے بعد ہی انسان ظاہری جہاد میں بھرتی ہونے کے قابل ہوا کرتا ہے۔ احکامِ خدا پر چستی سے عمل پیرا ہونا اور اطاعتِ خدا اور رسولؐ کے ماتحت نفسِ امارہ کی خواہشات کو کچلنا جہادِ عظیم ہے نیز واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے بچنا اور اس بارہ میں ہر قسم کی تکالیف کا سہنا اور صبر کرنا انسان کی فتح عظیم ہے

وَلَقَدْ كُنْتُمْ :- کہتے ہیں جنگ بدر کے بعد بعض لوگوں نے خواہش ظاہر کی تھی کہ کاش! ہم بھی شریک جہاد ہوتے اور ثباتِ قدم سے دشمن کا مقابلہ کرتے یہاں تک کہ درجہ شہادت پر فائز ہوتے لیکن جب جنگِ اُحد پیش آئی تو انہوں نے بزدلی کا وہ شرمناک مظاہرہ کیا جو قیامت تک صفحاتِ تاریخ سے مٹ نہیں سکتا اور یہ آیت اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝١٤١ اَمْ

اور تاکہ پاکیزہ کرے اللہ ایمانداروں کو (رگنا ہوں کی کثافت سے) اور ہلاک کرے کافروں کو کیا

حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

تم سمجھتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے جب کہ نہ پرکھ لیے خدا ان کو جنہوں نے

جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝١٤٢ وَلَقَدْ كُنْتُمْ

تم میں سے جہاد کیا اور نہ پرکھ لے صبر کرنے والوں کو اور تحقیق تم لوگ

تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ

تو موت کی خواہش کرتے تھے اس سے پہلے کہ اس سے ملاقات کرو پس اب تو اپنی آنکھوں

تَنْظُرُوْنَ ۝١٤٣

دیکھ چکے ہو۔

رکوع ۶

جنگ اُحد میں مسلمانوں کا کردار

کفارِ قریش جب اُحد میں آئے تو ان کے لشکر کی ترتیب اس طرح تھی کہ میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل تھا اور عورتیں دف بجاتی اور گاتی ہوئی ان کے ہمراہ تھیں۔ چنانچہ ہندہ کے اشعار نَحْنُ بَنَاتُ الطَّارِقِ الخ آج تک صفحات تاریخ میں موجود ہیں۔ جب حضرت امیرؑ کے ہاتھوں ان کے دس نشانچی مارے گئے اور مسلمانوں نے میدان جیت لیا تو زبیر کہتا ہے کہ میں نے اسی ہندہ کو دیکھا کہ اپنی سہیلیوں سمیت ساز و نغمہ کو بھول کر کودتی ہوئی پہاڑیوں پر چڑھ رہی تھی لیکن ادھر مسلمانوں نے فرمانِ نبویؐ کو بھلا کر جب لوٹ کی طرف ہاتھ بڑھائے اور درہ کو خالی چھوڑا تو خالد نے پیچھے سے حملہ کر دیا اور کفار نے جب علم اپنا بلند دیکھا تو وہ بھی واپس آگئے چنانچہ اب مسلمانوں کو بھاگنے کی سوجھی عبداللہ بن قمئہ نے جناب رسالتمآبؐ کے دانت مبارک اور چہرہ انور کو زخمی کیا مصعب بن عمیر آپ کی حفاظت کے لئے آگے بڑھا اور ابن قمئہ کے ہاتھوں شہید ہوا تو ابن قمئہ نے حضورؐ کی موت کی خبر اڑا دی۔ اسی جنگ میں قتادہ بن نعمان کی آنکھ نکل پڑی حتیٰ کہ رخسارہ پر لٹک آئی تو آپؐ نے اسے اپنے مقام پر اپنے دستِ مبارک سے جوڑ دیا اور وہ ٹھیک ہوگئی۔ اُبی بن خلف جمحی جناب رسالتمآبؐ کی طرف بڑھا بعض صحابہ نے اس کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اسے آنے دیجئے اور اس سے پہلے باہمی گفتگو میں آپؐ نے اس کو فرمایا تھا کہ میں ہی تجھے قتل کروں گا۔ پس وہ جونہی قریب آیا آپؐ نے حارث بن صمہ سے نیزہ لے کر اس پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ اپنے گھوڑے سے زمین پر گرا اور ہلاک ہوگیا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

نہیں ہیں حضرت محمدؐ مگر رسول بے شک (بذریعہ موت یا قتل) گزر چکے ہیں اس سے پہلے بہت رسول

اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَ

کیا پس اگر یہ بھی مر جائیں یا قتل کئے جائیں تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں؟ جو بھی پھر جائے الٹے

مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَ

پاؤں پس ہرگز نہ ضرر دے گا اللہ کو کچھ بھی اور عنقریب بدلہ دے گا اللہ

سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ ۱۴۴

شکر گزاروں کو

بالجملہ جب آپ کی موت کی خبر مشہور ہوئی اور مروی ہے کہ ابلیس لعین نے یہ خبر مشہور کی تھی تو اب مسلمانوں کے چار

گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ کہنے لگا کہ ہماری طرف سے کوئی آدمی عبداللہ بن اُبی کے پاس جائے تاکہ وہ ابو سفیان سے ہمیں امان نامہ لے کر دلوائے۔ دوسرا گروہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر حیران و ششدر سا رہ گیا اور انہوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ اور تیسرا گروہ کہنے لگا کوئی بات نہیں۔ اگر حضرت محمدؐ قتل کئے گئے ہیں تو ہمیں اپنے آبائی مذہب پر پلٹ جانا چاہیئے اور چوتھا گروہ اپنے دین پر ثابت قدم رہا اور انہوں نے کہا اگر بالفرض حضرت محمدؐ قتل بھی ہو گئے تو محمدؐ کا پروردگار تو زندہ موجود ہے ہم کسی قیمت پر کسی سے امان نامہ لیتے ہیں اور نہ اپنے دین کو چھوڑتے ہیں۔

سیرت ابن ہشام سے بروایت حضرت انس بن نضر جو انس بن مالک کے چچا تھے۔ تفسیر میزان میں منقول ہے کہ وہ حضرت عمر اور حضرت طلحہ کے پاس سے گذرے۔ جب کہ وہ مہاجرین اور انصار کی جماعت میں ایک جگہ بیٹھے تھے۔ انس نے کہا کہ تم لوگ کیوں بیٹھ گئے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ اب رسول اللہ تو مارے گئے ہیں پس اس نے کہا کہ حضورؐ کی موت کے بعد ہمارا زندہ رہنا پھر تو فضول ہے پس اٹھو اور اسی راستہ پر جان کی بازی لگاؤ جس پر آپؐ مارے گئے ہیں یہ کہتے ہی واپس آیا اور میدانِ کارزار میں داخل ہو کر جام شہادت پی لیا۔

خداوند کریم ان لوگوں کی سرزنش فرما رہا ہے۔ کہ تمہارے قدم دین میں مضبوط نہیں ہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ دوسرے گذشتہ رسولوں کی طرح رسول ہیں جس طرح وہ بعض اپنی موت سے اور بعض قتل و شہادت کی موت سے گذر چکے ہیں۔ انہوں نے بھی ایک دن ضرور گذر جانا ہے۔ تو کیا تمہارا ایمان اس قدر کمزور ہے کہ اگر آپؐ دنیا سے رحلت فرما جائیں تو تم اپنا دین چھوڑ کر الٹے پاؤں اپنے پہلے طریقۂ کفر کو اختیار کر لو گے؟ ہاں اللہ پر احسان کا بار مت رکھو تمہارا اسلام سے دست بردار ہو جانا مجھے نقصان دہ نہیں البتہ خود تمہارے اپنے لئے ہی دنیا و عقبیٰ کے خسارہ کا موجب ہو گا۔ اور خدا شکر گذاروں کو ان کے شکر کی جزا مرحمت فرمائے گا اس آیتِ مجیدہ سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ میں سے بعض لوگوں کا ایمان حضورؐ کی زندگی تک کے لئے ہی تھا ورنہ اس خدشہ کے اظہار اور اپنی بے نیازی کے اعلان کا کوئی مطلب ہی باقی نہیں رہتا اور ایسا ہوا بھی ضرور ہے چنانچہ ہم نے کتاب ہذا کی جلد اوّل یعنی مقدمہ تفسیر صد ۱۵۲ میں حضورؐ کے بعد بعض صحابہ کے مرتد ہونے کی بعض احادیث بخاری وغیرہ سے نقل کی ہیں۔ اور قرآن مجید ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے حاشیہ پر مترجم نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔ تفسیر برہان میں کافی و عیاشی سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمابؐ کی وفات کے بعد لوگ دین سے مرتد ہو گئے سوائے تین آدمیوں کے راوی نے پوچھا وہ تین کون ہیں تو آپ نے فرمایا مقداد۔ ابوذر۔ سلمان اس کے کچھ عرصہ بعد باقی کچھ لوگ بھی معرفت حاصل کر کے دین میں آ گئے۔ ایک اور روایت میں آپ سے عمار کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں کسی وقت بھی شک نے جگہ نہیں لی وہ صرف یہی تین آدمی تھے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب لوگ جنگ احد میں بھاگے تو جناب رسالتمابؐ نے آوازیں دیں کہ میں محمد موجود ہوں اور میں اللہ کا رسولؐ موجود ہوں نہ مجھے قتل کیا گیا ہے اور نہ میں مرا ہوں تو فلاں و فلاں نے

مڑ کر دیکھا اور کہنے لگے اب ہم سے تمسخر کر رہا ہے۔ حالانکہ ہمیں شکست ہو چکی ہے۔ صرف حضرت علیؑ اور ابو دجانہ سماک بن خرشہ باقی رہ گئے۔ آپ نے ابو دجانہ سے فرمایا کہ جاؤ میں نے تم سے بھی اپنی بیعت اٹھا لی ہے البتہ علی فَهُوَ اَنَا وَ اَنَا هُوَ یعنی وہ اور میں ایک چیز ہیں تو ابو دجانہ نے عرض کی حضور! کیا میری زوجہ یا فرزند مر رہا ہے یا میرا گھر اور مال تباہ ہو رہا ہے؟ میں کیوں جاؤں اور آپ کو چھوڑ کر کہاں جاؤں۔ بخدا میں تو اپنی بیعت کو خیر باد ہرگز نہ کہوں گا۔ پس آپ نے اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ چنانچہ ایک طرف وہ لڑتا تھا اور دوسری طرف حضرت علیؑ جہاد کرتے تھے۔ جب ابو دجانہ زخموں سے چور ہو کر گرا تو حضرت علیؑ اس کو اٹھا لائے تو اس نے بارگاہ رسالتؐ میں عرض کی قبلہ! کیا میں نے اپنی بیعت کی وفا کی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں تو نے وفا کی ہے۔ پس تنہا حضرت علیؑ مصروف جہاد ہوئے یہاں تک کہ آپ کی تلوار تین مقامات سے ٹوٹ گئی تو حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر تلوار کے ٹوٹنے کا ذکر کیا تو آپ نے اب ذوالفقار عطا فرمائی۔ حضرت رسالتؐ پناہ نے دیکھا کہ حضرت علیؑ کے قدموں سے خون بہہ رہا ہے۔ آپ نے رو کر ان کے حق میں دعا فرمائی۔ پس حضرت علیؑ حاضر خدمت ہوئے تو عرض کی حضور! مجھے جہاد کرتے ہوئے ایک آواز سنائی دیتی ہے اور جب میں کسی پر حملہ کرتا ہوں تو میری تلوار لگنے سے قبل وہ گر جاتا ہے اور وہیں ختم ہو جاتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جبرئیل میکائیل اور اسرافیل ملائکہ کی صفوں کے ساتھ آئے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد جبرئیل کے وہ کلمات جو پہلے گذر چکے ہیں نقل کئے۔ اور جب کفار واپس مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو جبرئیل نے بحکم خدا ان کا تعاقب کیا (اور یہی رعب تھا جس کا تذکرہ ہو چکا ہے) کفار کے کانوں میں جب گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز پہنچتی تو وہ سمجھتے تھے کہ پیچھے سے اسلام کا لشکر آ رہا ہے پس وہ تیز رفتاری اختیار کر لیتے تھے۔ اور اسی خوف و ہراس کے عالم میں وہ داخل مکہ ہوئے۔

ادھر جنگ ختم ہوئی تو جناب رسالتمآبؐ نے مدینہ کا رخ کیا اور علم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا اور وہ آگے آگے چل رہے تھے۔ جب ایک ٹیلے سے اترے تو لوگوں نے دیکھ لیا۔ حضرت علیؑ نے آواز دی اے لوگو! یہ محمد مصطفیٰ زندہ موجود ہیں نہ قتل ہوئے اور نہ مرے ہیں۔ انصار کی عورتیں اپنے صحن خانہ اور گھروں کے دروازوں پر دیکھ رہی تھیں پس مرد بھی جمع ہو گئے خوشیاں کرتے اور توبہ کا اظہار کرتے تھے۔ انصار کی عورتوں نے حضور کی موت کی خبر سن کر بال پریشان کئے رخسار اور پیشانیوں پر پیٹ لیا تھا اور گریبان چاک کر ڈالے تھے جب حضور پر ان کی نگاہ پڑی تو خاموش ہو گئیں آپ نے ان کو گھروں میں واپس جانے اور پردہ سنبھالنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ خدا نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے دین کو تمام دینوں پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ اور یہ آیت اتری۔ بالخصاً

دلیل ماتم معارج النبوۃ رکن چہارم میں ہے کہ جب آنحضرتؐ کی موت کی خبر مدینہ میں مشہور کر دی گئی تو جناب خاتون جنت سر پیٹتی ہوئی اور روتی ہوئی باہر آئیں اور یتیمی کے آثار ان کی حالت سے ظاہر تھے اور تمام زنان ہاشمیہ گریہ و زاری کرتی ہوئیں اور سر پیٹتی نوحہ کرتی ہوئی باہر آئیں کہ ان کے رونے پیٹنے کی آواز فلک تک پہنچی تھی جناب بتول معظمہ کا ماتمی جلوس کے ساتھ سر پیٹتے ہوئے اور نوحہ کرتے ہوئے جانا آئندہ کے لئے کھلا ہوا ثبوت ہے

کہ دین کے تاجدار کے غم میں اس طرح کے ماتمی جلوس بدعت نہیں ہوا کرتے بلکہ اولادِ پیغمبرؐ کی سنت ہے۔ نیز جناب رسالتمآبؐ کو اگر ناگوار ہوتا تو آپ منع ہی فرما دیتے۔ پس آپ کا منع نہ فرمانا جوازِ عزاداری کی تائید مزید ہے۔

نکتہ علمیہ صیغۂ فعل اور صیغۂ صفت کے استعمال میں یہ فرق ہے کہ فعل کی دلالت صرف حدوث پر ہوا کرتی ہے جس میں دوام و استمرار کا معنی نہیں پایا جاتا اور صیغۂ صفت کی دلالت دوام و استمرار پر ہوا کرتی ہے مثلاً جہاں یَصْبِرُ کا استعمال ہو تو اس کی دلالت صرف صبر کے ساتھ تلبس پر ہے اور اگر صابِرٌ کہا جائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس میں صبر کی صفت پختگی اور استمرار کے رنگ میں پائی جاتی ہے یُؤْمِنُ کا معنی یہ ہے کہ اس کا صفت ایمان کے ساتھ تلبس ہے اور مؤمن کا معنی یہ ہے کہ اس میں صفت ایمان پختگی کے ساتھ ہے یَتَّقِیْ اور متقی نیز یَشْکُرُ شاکرٌ کے معانی میں بھی یہی فرق ہے۔ خداوند علیم و حکیم نے جزائے خیر کا وعدہ شاکرین سے کیا ہے یعنی وہ لوگ جن میں یہ صفت دیمومیت اور استمرار کی صورت میں ہو اور گویا ان میں شکر کا ملکہ پیدا ہو گیا ہو جو تادمِ مرگ قابلِ زوال نہ ہو اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب انسان کا ظرفِ ایمان دولتِ خلوص سے پُر ہو۔ پس شاکر وہی ہو سکتا ہے جو مخلص ہو اسی لئے ابلیس نے جہاں بندوں کو گمراہ کرنے کا دعویٰ کیا تو صاف کہہ دیا کہ تیرے مخلص بندے میرے پھندے میں نہ آسکیں گے (سورۂ حجر) اور دوسرے مقام پر کہا کہ تیرے اکثر بندوں کو میں شاکر نہ رہنے دوں گا (سورۂ اعراف) یہاں خدا فرماتا ہے کہ سَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ۔ اور اسی نکتہ کی بنا پر اَلَّذِیْنَ یَشْکُرُوْنَ نہیں فرمایا اور اس کے برعکس یَکْفُرُ اور کافِرٌ یا یُشْرِکُ اور مُشْرِکٌ میں بھی یہی معنوی فرق موجود ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ
نہیں ہو سکتا کسی نفس کے لئے کہ مر جائے بغیر اذن اللہ کے یہ حتمی مقرر شدہ بات ہے
وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ
اور جو شخص چاہے بدلہ دنیا کا تو ہم اس کو اسی سے دیتے رہیں اور جو چاہے
ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِی الشّٰكِرِيْنَ ۝ ۱۴۵
بدلہ آخرت کا تو ہم اس کو اسی سے دیں گے اور ہم شکر گزاروں کو جزا دیں گے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ۔ کہتے ہیں یہ آیت مجیدہ جہاد کی طرف ترغیب دینے کے لئے ہے کہ جب اللہ کے اذن کے بغیر کسی انسان پر موت آسکتی ہی نہیں تو پھر قتل کے خوف سے جہاد ترک کرنے کا مطلب ہی کیا ہے؟ کیونکہ بزدلی آئی ہوئی موت کو ٹال نہیں سکتی اور جہاد مقررشدہ میعاد سے قبل موت کو لا نہیں سکتا (مجمع)

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا۔ جو شخص اپنا عمل صرف دنیاوی منافع کے لئے کرے یا جو شخص جہاد میں صرف مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے جائے تو ایسے شخص کے لئے بدلہ صرف دنیاوی ہے اور وہ آخرت کے ثواب سے

محروم ہوگا چنانچہ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ مَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا بِعَمَلِ الْآخِرَۃِ فَمَالَہٗ فِی الْآخِرَۃِ مِنْ نَصِیْبٍ۔ یعنی جو شخص عملِ آخرت کے ذریعہ سے دنیا کا طالب ہوگا۔ اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ (مجمع)

وَسَنَجْزِی الشّٰکِرِیْنَ ۔ مجمع البیان میں بروایت ابان بن

جنگِ احد میں حضرت علیؑ کا کردار

عثمان حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کو احد کے دن ساٹھ زخم لگے حضرت رسالتمآبؐ نے ام سلیم اور اُم عطیہ کو زخموں کی مرہم پٹی پر متعین فرمایا تو انہوں نے آخر خدمت نبویؐ میں عرض کی حضورؐ ہم جب ایک جگہ کا علاج کرتی ہیں تو دوسرا زخم پھٹ جاتا ہے لہٰذا ہمیں اس سے خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ پس آپ بنفس نفیس خود تشریف لائے اور دوسرے مسلمان بھی عیادت کی غرض سے حاضر ہوئے زخم اس قدر کشادہ اور قریب قریب تھے کہ سب مل کر ایک ہی زخم بنا ہوا تھا پس حضورؐ اپنے دستِ شفا کو اوپر پھیرنے لگے اور فرماتے جاتے تھے کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں یہ تکالیف و آلام برداشت کیے اس نے اپنا حق ادا کر دیا پس آپ جس زخم پر ہاتھ پھیرتے تھے وہ زخم بالکل مندمل ہو جاتا تھا۔ اور حضرت علی علیہ السلام کی زبان پر جاری تھا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اِذْ لَمْ اَفِرَّ وَلَمْ اُوَلِّ الدُّبُرَ شکر ہے خدا کا کہ میں نے فرار نہیں کیا اور میدان کارزار سے کنارہ نہیں کیا۔ پس خداوند کریم نے قرآن مجید میں دو جگہ حضرت علیؑ کی شکر گذاری کو سراہا ایک اس سے پہلی آیت چنانچہ فرمایا۔ وَسَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ اور دوسری یہ آیت کہ فرماتا ہے وَسَنَجْزِی الشّٰکِرِیْنَ اور تفسیر برہان میں ہے کہ صیغہ صفت کیساتھ پورے قرآن مجید میں شاکر کا اطلاق کسی شخص پر نہیں ہوا جسکی خدا نے مدح کی ہو سوائے ان بزرگوار ہستیوں کے جو جنگ احد میں ثابت قدم رہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں آیتیں بالاتفاق مفسرین جنگ احد کے واقعہ سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ بھی ارباب تاریخ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت علیؑ جنگ احد میں ثابت قدم رہے پس حضرت علیؑ ہی وہ ذات ہے جس میں شکر کی صفت پختگی دوام اور ملکہ کی حیثیت سے ہے جس کو بالفاظ دیگر اخلاص کہا جا سکتا ہے۔ جیسے کہ بیان ہو چکا ہے

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا
اور بہت پیغمبر (گذر رہے ہیں) کہ لڑیں ان کے ہمراہ ہو کر جماعتیں کثیر پس وہ نہ سست ہوئے
وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَ
بوجہ ان مصائب کے جو ان کو راہ خدا میں پہنچے اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دبے اور
مَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۴۶
اللہ صابرین کو دوست رکھتا ہے۔

مَعَہٗ :- ترکیب نحوی کے لحاظ سے نَبِیٍّ کی صفت ہے یا قٰتَلَ کے فاعل سے حال ہے۔

رِبِّیُّوْنَ :- اس میں چند اقوال ہیں یہ جمع ہے رِبِّیٌّ کی اور یہ مثل رَبَّانِیٌّ کے ہے اس کا معنی ہے وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ

مختص ہوں اور ان کا شغل کسی دوسری طرف نہ ہو یعنی اللہ کی عبادت سے ہی تمسک رکھتے ہوں (۲) ربی کی جمع ہے جس کا معنی ہے ایک ہزار اور جمع کی صورت میں اس کا معنی کئی ہزار ہو گا (مہیزان) (۳) اس کا معنی ہے علماء و فقہاء (۴) اس کا معنی ہے بہت سی جماعتیں (۵) امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس کا معنی ہے دس ہزار (۶) ربی تابع کو کہتے ہیں اور ربانی والی کو کہتے ہیں۔ (مجمع)

قراءت کے اعتبار سے ابن عباس نے قُتِلَ پڑھا ہے اور ابن مسعود نے قَاتَلَ پڑھا ہے تو ابن عباس کی قراءت کے مطابق قُتِلَ کا نائب فاعل یا تو رِبِّیُّوْن ہو گا اور یا ضمیر ہو گی جو نبی کی طرف راجع ہے۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہو گا کہ نبیوں کے ہمراہ ہو کر لڑنے والوں میں سے قتل ہو جانے والوں کے بعد جو لوگ بچ گئے تھے ان میں بزدلی یا سستی پیدا نہ ہوئی اور وہ پہلے کی طرح مصروفِ جہاد رہے۔ اور دوسری صورت میں معنی یہ ہو گا کہ بہت سے نبی گذرے ہیں کہ بوقتِ جہاد ان کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں ان کے صحابی موجود تھے لیکن جب وہ نبی قتل ہو گیا تو ان کے بعد بھی ان کے ہمراہی مصائب سے گھبرا کر نہ شکست ہوئے اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دشمن کے سامنے دب کر رہے بلکہ وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہتے ہوئے باقاعدہ مصروفِ جہاد رہے۔ پس نبی یا اس کے ہمراہیوں کی یہ شان ہے کہ وہ کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ نہ کریں۔ یہاں خدا احد والوں کو تنبیہ فرما رہا ہے کہ بالفرض اگر نبی قتل ہو بھی جاتا جیسا کہ میدانِ احد میں جھوٹی افواہ پھیلا دی گئی تھی تب بھی مسلمانوں کو بزدل نہیں ہونا چاہیئے تھا جیسا کہ انبیاء کے ساتھ رہنے والوں کی شان ہے کہ وہ نبیوں کے قتل ہو جانے کے بعد کمزوری کا احساس نہیں کرتے چنانچہ دورِ سابق میں بہت سے نبیوں کے ساتھ ایسا ہوا اور ان کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے یہی معنی مروی ہے

حضرت علیؑ کا امتیاز

تفسیر برہان میں اختصاصِ مفید سے ستر منقبت والی حدیث میں سے یہ حصہ منقول ہے کہ من جملہ مناقب علیؑ کے جن میں آپ کو اختصاص حاصل ہے ایک یہ ہے کہ آپ میں دھن واستکانت نہیں تھی۔ چنانچہ جنگِ احد میں آپ کو اتنی ایسے زخم لگے تھے کہ دوائی ایک زخم میں ڈالی جاتی تھی تو وہ دوسرے زخم سے نکل آتی تھی جب جناب رسالتمآبؐ عیادت کے لئے تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت علیؑ چمڑے کے بستر پر پڑے تھے اور آپ کا جسم خون سے بالکل رنگین تھا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ کی راہ میں اس قدر تکلیف پہنچے تو سزاوار ہے کہ اللہ بھی اس کے ساتھ وہ کرے جو اس کی ذات کے شایان ہے۔ تو حضرت علیؑ نے چشم گریاں سے عرض کی میرا ماں باپ آپ پر فدا ہو۔ میں اس بات پر اللہ کی حمد بجالاتا ہوں کہ میں نے آپ سے پشت نہیں پھیری اور فرار نہیں کیا۔ میرا ماں باپ آپ پر نثار ہو مجھے بتلائیے کہ میں درجہ شہادت سے محروم کیوں ہوا ہوں۔ حضور نے فرمایا کہ اس درجہ پر بھی آپ انشاء اللہ فائز ہوں گے۔ پس فرمایا کہ ابوسفیان کو پھر حمراء الاسد پر ہماری انتظار ہے تو حضرت امیر علیہ السلام نے نہایت اطمینان و سکون سے عرض کی حضور! میرا ماں باپ

آپ پر نثار۔ خدا کی قسم اگر میں چلنے کے قابل نہ ہوں گا اور دوسرے لوگ مجھے اٹھا کر لے جائیں گے تو یہ منظور ہے اور آپ کو تنہا بھیج کر گھر میں رہنا ہرگز پسند نہیں کروں گا پس خداوند کریم نے قرآن مجید کی یہی آیت بھیجی وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ الخ اور اس سے پہلے وہ آیت بھیجی جو گذر چکی ہے وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ الخ باایں ہمہ آپ نے اپنے زخموں کی تکلیف کی شکایت تک نہ کی یہاں تک کہ وہ دو عورتیں جو علاج اور تیمارداری پر مامور تھیں ان سے رہا نہ گیا اور بول اٹھیں کہ حضور! ہمیں علیؑ کے زخم تشویشناک معلوم ہوتے ہیں اور ہمیں ڈر لگتا ہے کیوں کہ ایک زخم میں جب ہم کپاس داخل کرتی ہیں تو وہ دوسرے زخم سے نکل آتی ہے اور باوجود اس کے حضرت علیؑ درد کی شکایت منہ پر نہیں لاتے۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا

اور انہوں نے کوئی بات نہ کہی مگر یہ کہا اے پروردگار ہمارا ہمارے گناہ بخش دے اور

ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا

ہماری کوتاہی اپنے معاملہ میں اور ہمیں ثابت قدم رکھ

وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ

اور ہماری نصرت فرما کافر لوگوں پر پس دیا ان کو اللہ

ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ

نے ثواب دنیا کا اور بہترین ثواب آخرت کا اور اللہ احسان کرنیوالوں

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

کو دوست رکھتا ہے۔

وَمَا كَانَ الخ۔ خداوند کریم گذشتہ انبیاء کے ہمراہیوں کی ثبات قدمی اور دعاؤں کو نقل فرما کر اصحاب جناب رسالتمآب کو سبق دے رہا ہے کہ تمہیں بھی یہی کردار ادا کرنا چاہیے۔

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ۔ دنیا کے ثواب سے مراد فتح و نصرت اور حصول غنیمت اور آخرت کے ثواب سے مراد جنت و مغفرت ہے

اقول:۔ اس جنگ میں ثابت قدم رہنے والوں اور استحقاق جزا رکھنے والوں کو خدا نے شاکرین، صابرین اور محسنین کے مقدس خطابات سے نوازا ہے اور چونکہ حضرت علیؑ ہی ثابت قدم رہے تو یہ خطابات قرآنی انہی کی ذات والاصفات کے لئے شایان بلکہ انہی کے ساتھ اختصاص رکھتے ہیں۔ روایات میں حضرت علیؑ کے زخموں کی تعداد ساٹھ سے لے کر نوے تک ہے اور ان روایات میں جمع ممکن ہے لہذا یہ منافات نہ سمجھنی چاہیے۔

رکوع ۷

یَا اَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا۔ مجمع البیان میں حضرت علی علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب مسلمان ہزیمت خوردہ جنگ احد سے واپس آئے تو منافقین نے ان کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ دیکھئے تم اپنی سابق برادری سے جا ملئے اور انہی کا دین اختیار کر لیجئے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ نے ہزیمت خوردہ مسلمانوں سے یہ باتیں کہی تھیں تاکہ ان کے ساتھ ظاہراً اظہار ہمدردی کر کے آئندہ کے لئے ان کو جہاد کرنے سے باز رکھیں پس خدا نے ان کی شرارت باطنی اور خبث قلبی کا پردہ چاک فرماتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی تاکہ مسلمان ان کے اس دھوکا میں نہ آ سکیں۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِیۡعُوا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا

اے ایمان والو اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرو گے جو کافر ہیں

یَرُدُّوۡکُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِیۡنَ ۝۱۴۹ بَلِ اللّٰهُ

تو وہ تمہیں پھیر دیں گے الٹے پاؤں پس تمہارا انجام خسارہ ہوگا بلکہ اللہ

مَوۡلٰٮكُمۡ ۚ وَهُوَ خَیۡرُ النّٰصِرِیۡنَ ۝۱۵۰ سَنُلۡقِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ

تمہارا مولا ہے اور وہی بہتر مددگار ہے۔ عنقریب ڈالیں گے ہم ان لوگوں

الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الرُّعۡبَ بِمَاۤ اَشۡرَکُوۡا بِاللّٰهِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ

کے دلوں میں جو کافر ہیں رعب اس لئے کہ انہوں نے شریک کیا اللہ کا اس کو کہ نہیں

بِهٖ سُلۡطٰنًا ۚ وَمَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئۡسَ مَثۡوَی الظّٰلِمِیۡنَ ۝۱۵۱

نازل کی اس نے اس پر کوئی دلیل اور انکی بازگشت دوزخ ہے اور بُرا ٹھکانا ہے ظلم کرنے والوں کا۔

سَنُلۡقِیۡ۔ مجمع البیان میں اس کے شان نزول کے متعلق ہے کہ جب کفار قریش جنگ سے واپس ہوئے تو ابوسفیان نے جاتے ہوئے کہا کہ ہم نے مسلمانوں کو قتل کیا اور ان کو خوب مار بھگایا لہٰذا ہمیں واپس پلٹ کر مدینہ میں غارت کرنی چاہیئے۔ پس خدا نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور انہیں واپس پلٹنے کی جرأت نہ ہو سکی چنانچہ ابھی اس کی قدرے تفصیل گذر چکی ہے۔ روایت میں ہے کہ کفار مکہ میں اس طرح داخل ہوئے جس طرح کوئی شکست خوردہ انسان ہوتا ہے انہیں یہ ڈر تھا کہ کہیں جناب رسالتمآبؐ اور ان کے صحابی ہمارا تعاقب کر کے ہمیں قتل نہ کر ڈالیں اور حضورؐ نے فرمایا کہ میری ایک ماہ کی مسافت کے برابر رعب سے نصرت کی گئی ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ خدا نے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر تم صبر کرو گے اور نافرمانی سے بچو گے اور کافر فوراً یا اپنے جوش کے ساتھ ابھی آ جائیں تو خدا تمہاری ملائکہ بھیج کر امداد فرمائے گا۔ یا اس وعدہ سے وہ وعدہ مراد ہے جو جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا کہ عبداللہ بن جبیر کے ساتھ درے پر ثابت رہنا اور اگر تم نے درہ کو نہ چھوڑا تو ہم غالب ہو کر رہیں گے۔ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ۔ اظہار بزدلی اور باہمی جھگڑا اور نافرمانی سے مراد وہی ہے کہ جب کفار بھاگ گئے اور مسلمان لوٹ میں پڑ گئے تو عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے جھگڑا شروع کر دیا بعض ثابت قدمی کی طرف تھے اور بعض لوٹ کو پسند کر رہے تھے۔ پس آخرکار ان سے نافرمانی سرزد ہوئی اور ان سے درہ چھوٹا جس کی بدولت شکست کا سامنا کرنا پڑا یہاں

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى

اور تحقیق پورا کیا تمہارے ساتھ اللہ نے وعدہ اپنا جب کہ تم ان کو قتل کر رہے تھے اس کے اذن سے

اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ

یہاں تک کہ جب تم بزدل ہوئے اور جھگڑ پڑے معاملہ میں اور بے فرمان ہوئے بعد اس کے کہ اس

اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ

نے دکھائی تمہیں وہ چیز جسے تم چاہتے تھے۔ تم میں سے بعض چاہتے تھے دنیا کو اور تم بعض چاہتے

الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا

تھے آخرت کو پس تم کو پھیر دیا ان سے تاکہ تمہیں آزمائے اور تحقیق اس نے

عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۵۲

معاف کر دیا تمہیں اور اللہ صاحب فضل ہے ایمان والوں پر

اِذَا شرطیہ کی جزا محذوف ہے کہ جب تم نے بزدلی کی تو تمہیں مصائب میں گرفتار ہونا پڑا۔

ثُمَّ صَرَفَكُمْ۔ یعنی تمہاری نافرمانی اور بزدلی کے بعد بطور آزمائش کے خدا نے تمہاری فتح و غلبہ کا رُخ ان سے پھیر دیا پس وہ غالب آ گئے یا یہ کہ مقام حمراء الاسد سے جب کفار نے واپسی کا قصد کیا تھا تو خدا نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور مسلمانوں کو ان کے تعاقب کے حکم سے روک دیا۔ مجمع البیان میں بروایت واحدی سہل بن سعد انصاری سے منقول ہے کہ جب رسالتمآبؐ احد سے پلٹے اور ان کا دانت مبارک شہید ہو چکا تھا اور سر پاک پر بھی زخم تھا تو جناب بتول معظمہ آپؐ سے خون کو دھوتی تھیں اور حضرت امیر علیہ السلام پانی ڈال لیتے تھے لیکن خون نہیں رُکتا تھا پس بی بی پاک اٹھیں اور انہوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور اس کو جلا کر اس کی راکھ کو زخم پر رکھا پس خون رُک گیا۔

maablib.org

فرارِ صحابہ بروزِ احد

إِذْ تُصْعِدُونَ ۔ (۱) اصعاد اور صعود میں یہ فرق ہے کہ اصعاد ہموار زمین میں جانے کو کہتے ہیں اور صعود بلندی پر چڑھنے کو کہا جاتا ہے جس طرح حماسی کے شعر میں ہے۔ هَوَيَ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِيْنَ مُصْعِدُ۔ بعضوں نے یہاں تُصْعِدُونَ کی بجائے تَصْعَدُونَ پڑھا ہے تاکہ اس کا مصدر صعود ہو جائے کیوں کہ بھاگنے والے اس روز پہاڑوں پر چڑھ رہے تھے اور فراء کا قول ہے کہ اصعاد ہر سفر کی ابتداء کو کہا جاتا ہے جیسے کہ انحدار اس کے مقابلہ میں واپسی پر بولا جاتا ہے۔ (مجمع)

وَلَا تَلْوُونَ ۔ لَوٰی يَلْوِي لَيًّا کے باب سے ہے۔ اس کا معنی ہے گردن مروڑ کر پیچھے کی طرف التفات کرنا اور اس معنی میں اس کا استعمال ہمیشہ نفی کے صیغہ سے ہی ہوا کرتا ہے (مجمع)

فِي أُخْرَاكُمْ ۔ اُخریٰ اُولیٰ کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ گویا لوگ کئی جماعتوں میں ہو گئے تھے اور سب سے آخری گروہ میں حضورؐ تھے۔ باقی سب لوگ آگے آگے دوڑے جا رہے تھے پس آپ پیچھے سے سب کو بلا رہے تھے اور ان سے کوئی مڑ کر بھی نہیں دیکھتا تھا

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ

جب تم بھاگے جاتے تھے اور نہ پرواہ کرتے تھے کسی کی حالانکہ رسولؐ بلا رہا تھا تم کو

فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا

پیچھے سے پس دیا (خدا نے) تمہیں ایک غم بدلے ایک غم کے تاکہ تم غمگین نہ ہو اوپر اس چیز

فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ ۱۵۳

کے جو تم سے فوت ہوئی اور نہ اس پر جو تمہیں پہنچی اور اللہ آگاہ ہے جو تم عمل کرتے ہو

میزان۔ بیضاوی میں ہے کہ حضرت یہ بھی فرماتے تھے کہ جو واپس آئے گا میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں لیکن کوئی نہیں سنتا تھا۔

فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ ۔ پس اس نے تم کو ایک غم دے دیا بجائے اس غم کے جو تم کو پہنچنے والا تھا اور جو غم پہنچنے والا تھا وہ مذموم تھا یعنی لوٹ و غنیمت کے ہاتھ سے چلے جانے کا غم اور فتح کا شکست سے بدل جانے کا غم۔ پس اس کے بدلہ میں تم کو خدا نے حسرت اور ندامت کا غم دے دیا تاکہ اس غم سے تمہاری خلاصی ہو جائے لہٰذا دوسرے غم کے ساتھ باء جارہ عوض کے لئے ہو گی۔ گویا یہ غم اللہ نے اس غمِ مذموم کے بدلہ میں ان کو دے دیا اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ باء جارہ سببیت کے لئے ہو اور معنی یہ ہو کہ خدا نے تمہیں بھاگنے کا غم دے دیا بسبب اس غم کے جو تمہارے باہمی جھگڑے اور نافرمانی سے درہ کو چھوڑنے کے بعد تمہیں لاحق ہوا تھا کہ کفار تم پر ہر طرف سے حملہ آور ہو گئے تھے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ :- اس کا سبب یہ تھا کہ جب کفار نے واپس آنے اور مدینہ کے لوٹنے کی دھمکی دی اور خدا نے ان کے تعاقب کا حکم دیا تو مومنین لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ پس خدا نے ان پر امن و سکون کو طاری کیا کہ ان کو نیند آگئی اور منافقین

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى

امن (یعنی نیند) جو چھا گئی

پھر نازل فرمایا تم پر غم کے بعد

طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ

ایک گروہ پر تم میں سے اور ایک گروہ کو تو فکر دامن گیر ہو رہا تھا اپنی جانوں کا گمان کرتے تھے

بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ

اللہ پر ناحق گمان جاہلیت کا کہتے تھے کیا ہمارے لیے

الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

اس بارہ میں کچھ ہے (فتح و نصرت) فرمایئے معاملہ سب اللہ کے بس میں ہے۔ وہ چھپاتے ہیں اپنے

مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ

دلوں میں جو نہیں ظاہر کرتے آپ پر۔ کہتے ہیں اگر ہوتا ہمارے لئے اس بارہ میں

شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ

کچھ (فتح و غلبہ) تو ہم قتل نہ کئے جاتے یہاں فرمایئے اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں تب بھی

الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ

ضرور نکلتے وہ جن پر لکھا جا چکا ہے قتل ہونا طرف اپنی خوابگاہوں کے اور تاکہ

اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

آزمائے خدا تمہارے سینوں کی باتوں کو اور تاکہ خالص کرے تمہارے دلی ارادوں کو اور خدا

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٥٤﴾

جاننے والا ہے سینوں کی باتوں کو

تعاقب کا حکم دیا تو مومنین لڑائی کے قتل اور لوٹ مار کے ڈر سے بے چین رہے اور ان کی آنکھوں سے نیند اڑ گئی تھی مروی ہے کہ صف بستہ حالت میں ان پر نیند کا غلبہ ہوا تھا کہ تلواریں ہاتھ سے گر پڑتی تھیں اور پھر اٹھا لیتے تھے (صافی)

صاحب تفسیر میزان نے کہا ہے کہ اس مقام پر مومنوں کے دو گروہ ہو گئے تھے ایک خالص اور پختہ عقیدہ والے جنہوں نے فرار کرنے کے بعد جونہی ان کو حضورؐ کے زندہ ہونے کی اطلاع پہنچی تو فوراً واپس حاضر خدمت ہوئے اور توبہ اور پشیمانی کا اظہار کیا چنانچہ خدا نے ان کو معاف فرما دیا پس یہ امن و سکون انہی کے لئے تھا اور دوسرا گروہ وہ تھا جن کا ایمان متزلزل تھا جن کے متعلق خدا نے فرمایا ہے کہ اگر نبی

قتل ہو جائے یا مر جائے تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ وہ دین اسلام کے حلقہ بگوش تو دل سے تھے لیکن ان کا خیال یہ تھا کہ خدا کا دین غالب و منصور ہی رہے گا اور کبھی خدا اپنے دین اور اپنے نبی کو غلبہ سے محروم نہیں رکھے گا اور نیز نبی قتل نہیں ہوا کرتا یا اس پر موت طاری نہیں ہو سکتی۔ پس ان لوگوں کا خلوص نبی علیہ السلام کی حین حیات تک ہی تھا بشرطیکہ اسلام والوں کو کسی مصیبت و تکلیف سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ اور ہمیشہ فتح و غلبہ اور غنیمتوں سے ہاتھ رنگے جاتے رہیں کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جب ہم حق پر ہیں تو ہمیشہ غلبہ ہی غلبہ ہمارے ساتھ ہوگا جبھی تو انہوں نے شکست کھانے کے بعد کہہ دیا ھَل لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْئٌ کیا ہمارے ہاتھ میں بھی کچھ (غلبہ و فتح) ہے؟ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ خداوند کریم نے اپنی حکمت کاملہ سے موجوداتِ عالم میں اسباب کا نظام چلایا ہوا ہے یا شکست کے لیے مخصوص اسباب ہوا کرتے ہیں اور ان کا خیال یہ تھا کہ خدا دینِ حق کی بلا قید و شرط ہی نصرت فرماتا ہے اور یہی ان کا ظن جاہلیت کا ظن کہا گیا ہے کیونکہ وثنی گروہ کا یہ خیال تھا کہ حوادث میں سے ہر نوع مثلاً رزق حیات۔ موت اور لڑائی وغیرہ اور اسی طرح انواع موجودات میں سے انسان۔ زمین پہاڑ اور سمندر دریا وغیرہ ہر شے کے لئے جدا جدا ایک رب موجود ہے جو ان کے نظام کو قائم رکھتا ہے اور وہ اپنے ارادہ میں ہمیشہ غالب ہی غالب ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ ان ارباب کی عبادت کرتے تھے تاکہ ان کے لئے موجب رزق و جالب سعادت ہو۔ پس جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ کوئی نبی اپنی دعوت میں مغلوب نہیں ہوتا یا وہ قتل نہیں ہو سکتا یا اس پر موت نہیں آ سکتی تو اس نے اللہ پر ناحق گمان کیا اور گویا اس نے اللہ کا شریک قرار دیا کیونکہ گویا اس نے نبی کو بھی ایک وثنی رب مقرر کیا حالانکہ خدا واحد و لاشریک ہے اور سب معاملہ اسی کے ہاتھ میں ہے چنانچہ اس سے پہلے بھی ایک مقام پر ارشاد ہوا ہے لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْئٌ اے میرے حبیب! اس بارے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں۔ بلکہ سب کچھ میرے اختیار میں ہے جو چاہوں کروں۔ پس جو لوگ اس موقعہ پر نیند اور سکون سے محروم رہے وہ اسی قسم کا عقیدہ رکھتے تھے (ملخص از میزان)

قُلْ لَّوْ کُنْتُمْ:- وہ چونکہ یہ سمجھتے تھے کہ دینِ حق ہمیشہ غالب ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا جب جنگ میں معاملہ کو برعکس دیکھا تو کہنے لگے اگر غلبہ و فتح ہمارے ہاتھ ہوتی تو ہم قتل نہ کئے جاتے۔ اب چونکہ غلبہ ہمارے ہاتھ میں نہیں تو گویا ہم دینِ حق پر نہیں کیونکہ دینِ حق اور غلبہ تو لازم و ملزوم ہیں اور اس کو خدا فرما رہا ہے کہ یہ بات انہوں نے دل میں چھپائی ہوئی ہے جسے ظاہر نہیں کرتے کیونکہ یہ ان کا اعتقاد یقیناً کفریہ ہے پس ان کی تہدید میں فرماتا ہے کہ لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہر شخص کی موت کی اجل یعنی اس کی تاریخ موت اور محل موت مقرر شدہ ہے اس کے آگے کوئی بڑھ نہیں سکتا پس اگر تم اپنے گھروں میں بیٹھے بھی رہتے تب بھی جن جن کی موت حتمی تھی انہوں نے ضرور اپنی اپنی قتلگاہوں کی طرف آنا ہی تھا اور ہم نے تمہارے غلبہ کو ان سے اس لئے پھیر دیا تھا تاکہ تمہارے سینوں کی باتیں ظاہر ہوں اور کھرے اور کھوٹے کی صاف پہچان ہو جائے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ بھاگنے والوں کے متعلق ہے کہ دنیاوی حرص اور غنیمت کے طمع اور رسولؐ کی نافرمانی کی بدولت ہی ان پر شیطان نے قبضہ پالیا اور آخر کار میدانِ جہاد کو چھوڑ بھاگے۔ تلک النجات ہیں تاریخ خمیس ص۴۳۱ مطبوعہ مصر سے منقول ہے

قال ابوبکر لما صرف الناس یوم احد عن رسول اللہ فکنت اول من جاء۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوبکر فرماتے ہیں جب احد کے دن لوگ جناب رسالتمآبؐ کو چھوڑ بھاگے تو میں سب سے پہلا واپس آنے والا تھا اور ازالۃ الخفاء ج۱ ص۱۶۸ سے منقول ہے کہ **عن کُلیب قال خطبنا عمر فکان یقرء علی المنبر آل عمران ثم قال تفرقنا عن رسول اللہؐ یوم احد فصعدت الجبل۔**

ترجمہ:۔ کلیب راوی کہتا ہے کہ حضرت عمر ایک مرتبہ خطبہ میں سورۂ آلِ عمران پڑھ رہے تھے تو فرمایا کہ احد کے دن ہم رسولؐ اللہ کو چھوڑ گئے تھے اور میں پہاڑ پر چڑھ گیا تھا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا

تحقیق وہ لوگ جو بھاگ گئے تم میں سے جس دن فریقین میں لڑائی ہوئی صرف

اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ

ان کو شیطان ہی نے پھسلایا تھا بوجہ ان کے بعض کرتوتوں کے اور تحقیق۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝۱۵۵

معاف کر دیا اللہ نے ان سے کیونکہ اللہ بخشنے والا صاحب حلم ہے

اور مدارج النبوۃ ص۱۶۷ سے منقول ہے کہ جب مسلمان رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تو حضورؐ کو غصہ آیا حتیٰ کہ پیشانی نورانی سے عرق کے قطرات مروارید کے دانوں کی طرح گر رہے تھے آپ نے دیکھا کہ علیؑ پہلو میں کھڑے ہیں۔ فرمایا یا علیؑ تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بھاگا؟ تو عرض کی **لَا اَکْفُرُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ** میں ایمان لانے کے بعد کفر نہیں کر سکتا۔ گویا اس روایت کی رُو سے حضرت علیؑ کے نزدیک فرار کرنے والے کافر ہو گئے تھے

اور نیز تفسیر در منثور سیوطی سے بروایت ابن جریر کلیب سے منقول ہے کہ حضرت عمر نے جمعہ کے خطبہ میں یہی آیت **یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ** الخ تلاوت فرمائی تو کہنے لگے احد کے دن جب ہم بھاگے تھے تو میں پہاڑ پر چڑھ گیا تھا اور میں پہاڑی بکرے کی طرح پہاڑ پر کود رہا تھا لفظ یہ ہیں۔ **وقد رأیتنی انزو کانی اروبہ** ۔۔ اس وقت لوگ کہہ رہے تھے کہ محمدؐ قتل ہو گیا ہے تو میں نے کہا خبردار میرے سامنے کوئی محمدؐ کے قتل کا نام نہ لے ورنہ میں اسے قتل کر دوں گا

اور تفسیر کبیر جلد ۳ ص۴۱۷ مطبوعہ مصر میں ہے کہ جب لوگ احد کے دن بھاگے تو کچھ واپس مدینہ میں پہنچ گئے سب سے پہلے سعد بن عثمان نے مدینہ میں پہنچ کر خبر دی کہ جناب رسالتمآبؐ قتل ہو گئے ہیں اس کے بعد باقی لوگوں نے

پہنچانا شروع کر دیا جب وہ اپنی عورتوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا۔ کیا تم رسول اللہ کو چھوڑ کر بھاگ آئے ہو حتیٰ کہ وہ ان کے منہ پر خاک ڈالتی تھیں اور کہتی تھیں کہ تم چرخہ لے کر گھر بیٹھ رہو۔ قتال کہتا ہے جہاں تک اخبار سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کچھ لوگ بھاگے جن میں سے بعض مدینہ میں آگئے اور بعض ادھر ادھر چلے گئے۔ اور اکثر لوگ پہاڑ کی طرف چلے گئے اور وہاں جمع ہو گئے اور بھاگنے والوں میں سے حضرت عمر بھی تھے۔ لیکن وہ پہلے بھاگنے والے نہیں اور اتنے دور بھی نہیں گئے تھے بلکہ وہیں پہاڑ پر چڑھ گئے تھے اور حضرت عثمان بھی بعض انصار کے ہمراہ بھاگے تھے لیکن یہ بہت دور نکل گئے تھے اور تین روز کے بعد واپس ہوئے تھے۔ جناب رسالتمآب نے فرمایا تھا۔ آپ تو بہت دور نکل گئے تھے۔ اختصار کے پیش نظر اصل عبارت عربی کو ترک کر دیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۔ اس فقرہ میں اعتذار و ندامت کے بعد ان کی معافی کا تذکرہ ہے اور خطاب عام ہے لہٰذا معافی کا معنی تمام ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے فرار کیا تھا اور اس میں دونوں گروہ شامل ہیں۔ وہ بھی جن پر امن و سکون کی نیند طاری کر دی گئی اور وہ بھی جو اس سکون سے محروم رہ گئے تھے۔ البتہ پہلے گروہ کو جس مدحیہ رنگ میں خطاب فرمایا ہے جس طرح آیت گذشتہ کے لب و لہجہ سے ظاہر ہے اس گروہ کے متعلق اس خصوصیت کا اظہار نہیں کیا گیا صرف یہ ہے کہ خدا نے ان کی اس لغزش کو دامن عفو میں جگہ دے دی ہے پس ان کو اس پر سزا نہ دے گا۔ کیونکہ وہ صاحب حلم ہے۔ پہلے گروہ کے متعلق اس سے پہلے یہ ارشاد تھا کہ یہ تمہاری شکست تمہاری آزمائش کے لئے تھی اور خدا نے تمہیں پھر معاف کر دیا اور خدا مومنین پر صاحبِ فضل ہے آیت ع ۱۵۲ پھر فرمایا تمہارا یہ غم اللہ کے اسی فضل و کرم کے پیش نظر اس غم مذموم کے بدلہ میں تمہیں دیا گیا جو عنقریب تمہیں لاحق ہونے والا تھا آیت ع ۱۵۳ اور پھر غم کے بعد تمہیں امن و سکون دیا گیا اور نیند غالب کر دی گئی الخ یہ معافی کے الفاظ اور اس کے ساتھ ساتھ مدحیہ جملے اسی پہلے گروہ کے لئے مخصوص ہیں جن کا ایمان دلوں میں پختہ تھا لیکن ان سے لغزش ہو گئی تھی اور بعد میں فوراً سمجھ گئے اور تائب ہو گئے تھے۔ لیکن دوسرا گروہ جو رسول کے متعلق وثنیہ عقیدہ رکھنے والا تھا اور رسول کے قتل یا موت کے منکر تھے اور دین کے ہمدرد اس لئے تھے کہ دین غالب ہے۔ پس شکست کا منہ دیکھتے ہی اپنے دلی اور مخفی رازوں کو آشکار کرنے لگ گئے تھے ان کو بھی معافی دے دی گئی۔ لیکن یہ معافی فضل پر مشتمل نہیں۔ اس لئے بعد میں ذو فضل کا استعمال نہیں فرمایا بلکہ یہ معافی اس کے حلم کے پیش نظر ہے جیسا کہ آیت کا اختتام بتا رہا ہے۔ گویا اس لغزش پر ان کو سزا نہ دی جائے گی جو کہ اس کے حلم کا تقاضا ہے۔ ورنہ یہ لوگ مدح کے قابل نہیں تھے۔ اور اسی قسم والوں پر سابقہ آیت میں ارتداد کا خطرہ بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ اگر رسول پر موت آجائے یا قتل کئے جائیں تو یہ لوگ دین سے پھر جائیں گے اور کتب صحاح میں مروی ہے کہ بہت سے صحابہ جناب رسالتمآب کی وفات کے بعد مرتد ہو بھی گئے تھے جیسا کہ ہم نے مقدمہ تفسیر میں بعض روایات کو مع حوالہ جات نقل کیا ہے اور صرف وہی ثابت قدم رہے جن کے دلوں میں ایمان راسخ تھا

رکوع ۸

لَا تَكُوْنُوْا۔ کہتے ہیں یہ آیت عبد اللہ ابن ابی سلول اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اتری جو منافقین تھے۔ ان کا یہ دستور تھا کہ ان کے بعض ساتھی جب سفر تجارت یا کسی دوسرے دنیاوی کاروبار کی خاطر یا جنگ کی خاطر باہر جاتے اور مر جاتے یا مارے جاتے تھے تو ان کے بارے میں یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ دیکھو ہم گھر بیٹھے ہیں لہٰذا ہمیں کچھ بھی نہیں ہوا اگر وہ بھی ہماری طرح گھر بیٹھے رہتے تو وہ بھی موت اور قتل سے بچ جاتے۔ پس خدا مومنین کو اس مقولہ کی اتباع سے منع فرما رہا ہے کہ جب تم اُن کے اس مقولہ کو در خور اعتنا نہ سمجھو گے تو اپنے جی میں خود پچھتائیں گے کیوں کہ جب وہ تمہارا عمل اپنی توقع کے خلاف پائیں گے تو انہیں حسرت و ندامت ہوگی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ
اے ایمان والو نہ ہو موافق ان کے جو کافر ہوئے اور

قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا
کہا اپنے بھائیوں کے حق میں جبکہ وہ چلے (کاروبار کے لئے) زمین میں یا تھے وہ

غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ
غازی (پس مر گئے یا مارے گئے) اگر ہوتے ہمارے پاس (اور سفر کو نہ جاتے) تو نہ مرتے اور نہ مارے

اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَ
جاتے تاکہ کرے اللہ یہ بات باعث حسرت ان کے دلوں میں اور اللہ جلاتا اور

يُمِيْتُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ۱۵۶
مارتا ہے اور اللہ ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو بصیر ہے۔

لِاِخْوَانِهِمْ کی لام جارہ عَنْ کے معنی میں ہے اور لِيَجْعَلَ کی لام لَا تَكُوْنُوْا کے متعلق ہے اور بعضوں نے اس لام کو عاقبت کے لئے قرار دے کر اس کو قَالُوْا کے متعلق کہا ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ کافر لوگ اپنے سفر کرنے اور مارے جانے والے بھائیوں کے حق میں یہ بات کہتے ہیں کہ مومنوں کو جہاد سے روک دیں اور چونکہ مومنوں نے ان کی اس بات سے اثر نہ لیا اور جنگ کے لئے نکل پڑے اور فتح و کامرانی بھی ان کو نصیب ہوئی اور مال غنیمت بھی ہاتھ آگیا تو ان کے دلوں میں وہ بات الٹا باعث حسرت بن گئی کیوں کہ انہوں نے تو مومنوں کو روکنے کے لئے کہی تھی لیکن عاقبت و انجام کے لحاظ سے وہ ان کے لئے باعث حسرت بن گئی اور آیت کی طرز بتلاتی ہے کہ مومنین کے دلوں میں اس قسم کے وسلوس

پیدا ہوئے بھی تھے کیونکہ جنگ احد میں بڑے بڑے اکابر شہید ہو گئے تھے۔ پس خدا نے ان کو اس خیال اور بدظنی سے روک دیا کہ ایسا ہرگز خیال نہ کرو۔ اس جنگ میں ستر شہدا میں سے صرف چار مہاجر اور باقی ۶۶ انصار قتل ہوئے تھے جن کی فہرست صفحہ ۴۲ پر پہلے گذر چکی ہے۔ اس سے اندازہ خوب ہوتا ہے کہ اس دن لڑائی میں زیادہ حصہ لینے والے انصار تھے اور مہاجرین نے ہی بھاگنے میں سبقت کی تھی۔ واللہ اعلم۔

فِي سَبِيلِ اللهِ :۔ تفسیر برہان میں کتب معتبرہ سے بطرق متعددہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جابر نے آپ سے اسی آیت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کیا تم سبیل اللہ کو جانتے ہو؟ اس نے عرض کی حضور! جب تک آپ کی زبان دُر فشاں سے نہ سُن لوں مجھے بذاتِ خود کوئی علم نہیں پس آپ نے فرمایا علیؑ اور اس کی ذریت سبیل اللہ ہیں اور جو شخص علیؑ کی ولائیت میں قتل کیا جائے اس کی موت فی سبیل اللہ واقع ہوتی ہے

وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللهِ
اور اگر تم قتل ہو جاؤ راہ خدا میں یا مر جاؤ تو البتہ بخشش اللہ کی

وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ
اور رحمت بہتر ہے اس (مال) سے جو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر جاؤ یا

قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللهِ تُحْشَرُونَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ
قتل کئے جاؤ البتہ اللہ کی طرف ہی تمہارا حشر ہوگا پس ساتھ مہربانی خدا کے آپ

لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ
نرم ہیں ان کے لئے ورنہ اگر آپ بدخلق سخت دل ہوتے تو یہ لوگ بھاگ جاتے

حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي
آپ کے پاس سے پس ان سے درگذر کیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اور ان کو شریک مشورہ

الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ
بنائیے کام میں پس جب عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کریں تحقیق اللہ بھروسہ کرنے والوں کو

الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿۱۵۹﴾
دوست رکھتا ہے

حکم مشورہ

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ :۔ کلام سابق میں چونکہ قدرے توبیخ و سرزنش بھی فرار کرنے والوں کے لئے۔ لہٰذا اب کلام کا رخ تبدیل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ بفضل خدا آپ رحم دل اور نرم خو واقع ہوئے ہیں ورنہ اگر آپ میں سختی اور بدخلقی کا مظاہرہ

ہوتا تو یہ لوگ کب کے آپ سے بھاگ گئے ہوتے - پس ان سے درگذر کیجئے اور اُن کیلئے استغفار کیجئے اور جو کام کرنا ہو ان سے مشورہ لیجئے آپ اگرچہ وحی سے مؤید و مسدّد تھے لیکن مشورہ لینے کے چند فوائد ہیں (۱) ان کی دلجوئی مطلوب تھی تاکہ وہ سمجھیں کہ ہماری باتوں کو بھی سرے سے ٹھکرایا نہیں جاتا (۲) امت کے لئے سنّت قائم کرنا مطلوب تھا کہ وہ اپنے کاموں کو باہمی مشورہ سے سرانجام دیا کریں اور اس میں اپنی توہین نہ سمجھیں۔ (۳) صحابہ کی عزت مطلوب تھی۔ (۴) امتحان مطلوب تھا تاکہ خیر خواہ و بدخواہ کا باتوں باتوں میں پتہ چل جائے۔

مکارمِ اخلاق پیغمبرؐ

باوجودیکہ آپ میں بلندی و برتری کے تمام اسباب موجود تھے (۱) قوم میں بلند (۲) حسب میں برتر (۳) سخاوت میں اپنی مثال خود (۴) شجاعت میں بے نظیر (۵) ذہن و ذکا میں اکمل (۶) تمام فصحاء عرب سے فصیح تر اور بایں ہمہ آپ میں فروتنی اور انکساری اس درجہ تک تھی کہ (۱) اپنے پھٹے ہوئے کپڑے کو اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے تھے۔ (۲) اپنی نعلین کی اصلاح خود بنفس نفیس فرماتے تھے۔ (۳) گدھے کی سواری کیا کرتے تھے۔ (۴) اونٹ کو گھاس خود ڈالتے تھے۔ (۵) غلاموں کی دعوت کو بھی شرف قبولیت بخشتے تھے (۶) زمین پر بیٹھتے تھے۔ (۷) زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے (۸) اور دینِ خدا کی دعوت میں قطعاً سختی یا کج روی سے پیش نہ آتے اور تھکان بھی نہ محسوس فرماتے تھے۔ تعریضاً و کنایتہً تمام مومنین کو اس آیت مجیدہ میں درگذر مجرم کے حق میں دعائے مغفرت، باہمی مشورہ اور سخت کلامی اور بدخوئی سے اجتناب کی دعوت بالعموم دی گئی ہے اور آخر میں توکل اور اللہ کی ذات کی طرف معاملات کی تفویض کا حکم بھی دے دیا گیا ہے۔ خداوند کریم مجھے اور تمام مسلمانوں اور بالخصوص دعوئی ایمان رکھنے والوں کو سیرت پیغمبر پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

تفسیر برہان میں کتب معتبرہ سے امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک بدوی بنی عامر کے قبیلہ کا آیا اور اس نے جناب رسالتمآبؐ کے متعلق پوچھا۔ آپ موجود نہ تھے لوگوں نے کہا وہ تفریح کے لئے باہر گئے ہیں۔ وہ ڈھونڈتا رہا۔ آپ نہ ملے کسی نے کہا منیٰ میں ہیں کسی نے کہا عرفات میں ہیں لیکن اس کو کہیں بھی نہ مل سکے پھر بتلایا گیا کہ وہ مشعر الحرام میں ہوں گے۔ اس نے دریافت کیا کہ حضور کا حلیہ مجھے بتایا جائے تاکہ ہر ایک سے سوال نہ کرتا پھروں تو بتایا گیا کہ آپ نہ طویل قامت ہیں نہ پست قد۔ اور نورانی چہرہ۔ بال گھنے۔ پیشانی کشادہ۔ اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان کی جگہ سفید، ناک بلند جبین مبین وسیع۔ داڑھی گھنی۔ دانت کھلے نچلے ہونٹ پر خال۔ گردن پاک چاندی کی طرح چمکدار۔ کندھے چوڑے پیٹ سینے کے برابر۔ انگلیاں لمبی اور ان کے پورے موٹے۔ سرنگوں ہو کر چلتے ہیں جب مڑ کر دیکھیں تو پورے جسم کو موڑتے ہیں۔ ہاتھ آپ کے بہت نرم ہیں۔ جب کھڑے ہوں تو جب تک پاس والا نہ پیچھے ہٹے آپ پیچھے نہیں ہٹتے اور بیٹھیں تو اس وقت تک اپنی جگہ نہیں چھوڑتے جب تک کہ ساتھی پہلے اپنی جگہ نہ چھوڑیں پس یہ علامتیں اس بدوی نے یاد کر لیں اور تلاش کے لئے روانہ ہوا اور آخر کار اس نے دیکھ کر آپ کو پہچان لیا۔ اس نے

اپنی ناقہ کو حضور کی ناقہ سے آگے کر لیا۔ لوگوں نے منع کرنا چاہا کہ یہ سُوءِ ادب ہے تو آپ نے فرمایا تم کچھ نہ کہو یہ شخص باادب ہے
فرمایا۔ اعرابی تیرا کیا مطلب ہے؟ اس نے کہا حضورؐ آپ کے فرستادہ ہمارے پاس پہنچے ہیں اور وہ ہمیں نماز، زکوٰۃ
حج اور غسل جنابت وغیرہ کے بجالانے کا حکم دیتے ہیں۔ مجھے اپنی قوم نے تسلی کے لئے بھیجا ہے اور میں آپ سے قسم اٹھوا کر
پوچھوں گا لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ ناراض نہ ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا میں غصہ نہیں کرتا۔ میرے تورات و انجیل میں یہ
اوصاف درج ہیں کہ محمد اللہ کا رسول و مجتبیٰ و مصطفیٰ ہے نہ بدگو نہ سخت گیر ہے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں بلکہ احسان سے
دیتا ہے اور مجھے ہی قرآن میں فرمایا کہ اگر آپ سخت گیر اور بدکلام ہوتے تو لوگ آپ کے ارد گرد سے ہٹ جاتے۔ پس جو
کچھ پوچھنا ہو پوچھ لے۔ اس نے کہا جس خدا نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا ہے کیا آپ اسی کے رسولؐ ہیں؟ آپ نے
فرمایا ہاں مجھے اسی نے بھیجا ہے۔ پھر اس نے کہا جس ذات کے حکم سے آسمان قائم ہیں اس کی قسم دے کر پوچھتا ہوں
کیا اس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی اور اس نے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دے کر آپ کو بھیجا ہے؟ آپ نے جواب دیا
ہاں۔ اس نے پوچھا غسل جنابت اور باقی حدود کا حکم بھی اسی کی جانب سے ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ پس اس نے کہا
ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے رسولوں، کتابوں، یوم آخر۔ بعث۔ میزان۔ موقف اور جملہ حلال و حرام پر بھی ایمان
لائے ہیں۔ پس آپؐ نے اس کے حق میں دعائے مغفرت کی۔

اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ
اگر تمہاری مدد کرے اللہ تو کوئی بھی غالب نہیں ہوگا تم پر اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے
ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ
تو کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد اور چاہیے کہ اللہ پر ہی بھروسہ رکھیں
الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۶۰
ایمان والے

مسئلہ: توکل کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے بلکہ آیت مجیدہ صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ جب کوئی اہم کام باہمی مشورہ سے طے
ہو جائے تو پھر اللہ پر توکل کر کے اسے کر گزرو یعنی مطلوب تک رسائی کے لئے اس کے اسباب ظاہریہ کی چھان بین مل جل
کر کرو اور جب اس میں ایک نتیجہ تک پہنچ جاؤ تو پھر تمہارا کلی اعتماد صرف انہی ظاہری اسباب پر نہ ہونا چاہیئے بلکہ اللہ
پر توکل کر کے آگے بڑھو کیونکہ بہر حال مطلوب تک رسائی اسی کی ہی توفیق سے ہوا کرتی ہے۔ پس انسان پر کوشش
واجب ہے اور کامیابی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اِنْ یَّنْصُرْكُمْ: اللہ کی نصرت دو طرح پر ہے۔ ایک ظاہری غلبہ کے لئے اور دوسری اظہارِ حق کے لئے دلیل و

برہان کے طور پر۔ نصرت کی دوسری قسم تو ہمیشہ مومنین کے لئے ہوتی ہے اور اس میں خدا کبھی مومنوں کو اپنی نصرت سے محروم نہیں فرماتا لیکن نصرت کی پہلی قسم سے مومنین بعض اوقات محروم کر دیئے جاتے ہیں تاکہ امتحان و آزمائش کے وقت ثبات قدم اور صبر سے ان کے درجات میں ترقی ہو اور نیز تاکہ مومنین توکل کا غلط معنی ذہن نشین نہ کرلیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور یہ سمجھ لیں کہ بہر حال ہم غالب ہی ہوں گے بلکہ ان کو اسباب ظاہریہ سے کسی وقت غفلت نہ کرنی چاہیئے اور غلبہ و نصرت کے لئے اپنی پوری قوت کو عمل میں لانا چاہیئے اور ہر وقت خدا و رسولؐ کے احکام کی اطاعت کو اپنا شعار بنانا چاہیئے اور پھر اللہ پر بھروسہ بھی ہو۔ چنانچہ جنگ اُحد میں ناکامی انہی فروگذاشتوں کا نتیجہ تھی اور مومنین کے صبر و ثبات قدم کا امتحان بھی تھا۔

وما کان :- آیت مجیدہ کے شان نزول کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے یہ کہہ کر درہ چھوڑ دیا تھا کہ شاید مال غنیمت صرف لوٹنے والوں کے لئے ہوگا اور ممکن ہے کہ جناب رسالتمآبؐ غنیمت کے جمع کردہ مال کو تمام مجاہدین پر تقسیم نہ کریں۔ پس یہ آیت نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ مشرکین نے آپؐ سے خواہش کی تھی کہ قرآن مجید میں جہاں ہمارے دین کی مذمت اور ہمارے خداؤں کی تذلیل کا بیان ہو آپؐ اس کو ظاہر نہ کیا کریں تو یہ آیت ان کی تردید میں اُتری ان کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں جن کا ذکر کرنا غیر ضروری ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ
اور نہیں نبی کا کام خیانت کرنا اور جو بھی خیانت کرے گا لائے گا خیانت کردہ چیز کو بروز

الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۶۱﴾
قیامت پھر پورا دیا جائے گا ہر نفس کو اپنا کمایا اور ان پر نہ ظلم کیا جائے گا۔

آیت مجیدہ میں نبیؐ کی شان کو خیانت سے اجل ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ ہر مومن کی شان اس سے اجل ہونی چاہیئے۔ اور ضمنی طور پر تمام مومنین کو اس سے باز رہنے کی دعوت دی گئی ہے چنانچہ دوسرے فقرے میں اس کو عام بھی کر دیا گیا ہے۔ اور حکم کی اہمیت کے پیش نظر نسبت نبی کی طرف دی گئی ہے کہ جب ایک ناشائستہ فعل کا وبال کسی نبی سے ٹل نہیں سکتا تو کوئی دوسرا اس سے کس طرح بچ سکے گا۔ مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اونٹ کی خیانت کریگا وہ بروز محشر اونٹ کو اپنی گردن پر اٹھا کر لائیگا وہ رنگیتا ہوگا اور جو گھوڑے کی خیانت کریگا وہ گھوڑے کو گردن پر اٹھا لائیگا کہ وہ ہنہناتا ہوگا۔ شاید اس مثال سے مراد یہ ہو کہ اس کو بروز محشر مجمع عام میں رسوائی نصیب ہوگی اور اس پر ایک علامت لگا دی جائے گی جس سے اس کے جرم کی نوعیت تمام اہل محشر پر ظاہر ہوگی اور یہ بات صرف خیانت کے جرم کے ساتھ مختص نہیں بلکہ بروز محشر ہر گناہ کے لئے ایک علامت مقرر ہوگی جس سے وہ پہچانا جائے گا بشرطیکہ بغیر توبہ کے اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ پس تمام اہل

maablib.org

محشر اس کی علامت دیکھ کر اس کے گناہ سے مطلع ہوں گے اور اس کی علت عذاب بھی ہر ایک پر ظاہر ہو گی جس طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔ یَوْمَئِذٍ لَا یُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ (اس دن کسی جن و انسان سے اس کا گناہ پوچھا نہ جائے گا یعنی علامتوں سے ہی معلوم ہو جائے گا) اور ظلم نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اپنی نیکیوں سے بدلہ کم نہ ملے گا اور کسی کو اپنی برائیوں سے سزا زیادہ نہ ملے گی پس بعض نیکیوں کی جزا کو دگنا یا دس گنا کرنا یا بعض برائیوں کی سزا کا معاف کرنا منافی عدل نہ ہو گا بلکہ اس کا عین فضل و کرم ہو گا۔ حدیث نبوی میں ہے کہ جو شخص تادم مرگ تین چیزوں سے پاک رہے وہ جنت میں داخل ہو گا وہ تین یہ ہیں (۱) تکبر (۲) خیانت (۳) قرضہ (تفسیر رازی)

اَفَمَنِ اتَّبَعَ:۔ تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عمار سے فرمایا کہ اس سے مراد آئمہ ہیں اور مومنین کے لئے درجات ہیں یعنی ہماری ولایت کی بدولت ان کے اعمال میں زیادتی اور درجات میں بلندی ہوتی ہے اور کَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے علی بن ابی طالب اور باقی آئمہ طاہرین علیہم السلام کے حق کا انکار کیا جس کی وجہ سے وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے۔

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ

کیا جو شخص پیچھے چلے رضائے خدا کے مثل اس کے ہے جو پلٹا ہو ساتھ ناراضگی خدا کے

وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۶۲ هُمْ دَرَجٰتٌ

اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہو؟ اور وہ بری بازگشت ہے یہ (لوگ مختلف) درجے رکھتے ہیں

عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۶۳

اللہ کے نزدیک۔ اور اللہ آگاہ ہے اس چیز سے جو وہ کرتے ہیں۔

اَقُوْلُ۔ آیت مجیدہ کے الفاظ میں عموم ہے اور معصوم نے تاویل کے طور پر اس کے بعض افراد کی ایک واضح نشانی بیان فرمادی ہے۔

هُمْ دَرَجٰتٌ:۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی تفسیر کے ماتحت هُمْ کا مرجع مَنِ اتَّبَعَ ہے اور عمومی معنی کے اعتبار سے ضمیر کے مرجع میں بھی تعمیم ہو گی اور درجات سے مراد صاحبانِ درجات ہیں یعنی اس کا مضاف ذُو محذوف ہے۔ پس اس کے معنی میں دو قول ہیں (۱) اللہ کے برگزیدہ لوگ اور اللہ کے مبغوض لوگ مختلف درجات رکھتے ہیں۔ یعنی قسم اوّل کے لئے جنت اور اس کی نعمتیں ہوں گی اور قسم ثانی کے لئے عذاب جہنم اور ذلت ہو گی (۲) جنتیوں اور دوزخیوں میں سے ہر ایک کے مراتب الگ الگ ہوں گے۔ کیونکہ جنت کے طبقات جدا جدا ہیں چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اہل جنت اعلیٰ علیین کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح زمین والے آسمانی ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ (مجمع)

اسی طرح جہنم کے درکات ہیں جو ایک دوسرے سے پست ہیں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ کم از کم عذاب قیامت کے روز اس شخص کا ہوگا جس کو جہنم کا جوتا پہنایا جائے گا جس کی حرارت سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا (تفسیر رازی)

تنبیہہ :۔ اصطلاح میں اہل جنت کے لئے درجات اور اہل جہنم کے لئے درکات کا استعمال ہوا کرتا ہے۔ امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک درجہ آسمان و زمین کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہوگا (برہان)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ :۔ جناب رسالتمآبؐ اگرچہ عالمین کے رسولؐ تھے لیکن صرف مومنین کے لئے ان کی بعثت کو اس لئے مخصوص فرمایا کہ ان سے استفادہ صرف مومن ہی کرتے ہیں اور چونکہ بعض لوگوں نے آپؐ کی نسبت خیانت کی طرف دی تھی جیسا کہ بیان ہو چکا ہے تو اس آیت مجیدہ میں مزید وضاحت کے طور فرماتا ہے کہ یہ رسولؐ تمہارے اپنے میں سے ہے اور اپنی پوری زندگی میں اعلانِ رسالت سے پہلے ہی اپنی قوم پر صداقت۔ دیانت و امانت کے لحاظ سے ان کا ڈنکا بج چکا ہے تو پھر ایسے شخص سے خیانت کیسے صادر ہو سکتی ہے بلکہ یہ تو اللہ کا احسان عظیم و فضل جسیم ہے کہ اس نے ایسا رسولؐ بھیجا۔ جو تمہاری دینی و دنیاوی فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا
تحقیق احسان فرمایا اللہ نے مومنوں پر کہ بھیجا ان میں ایک رسولؐ
مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ
انہی میں سے جو پڑھتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور ان کو پاک کرتا ہے
يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ
اور ان کو تعلیم دیتا ہے کتاب و حکمت کی اگرچہ وہ تھے اس سے پہلے
لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾
کھلی گمراہی میں۔

مِنْ اَنْفُسِهِمْ :۔ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ وہ تمہاری قوم میں سے ہے جو تمہارے لئے مزید شرف کا موجب ہے یا یہ کہ اس سے مراد ہے کہ تمہاری جنس سے ہے یعنی جن و ملک کی جنس سے نہیں تاکہ ان کی تعلیم و تربیت کو تم آسانی سے سمجھ سکو اور قبول کر سکو۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ :۔ تفسیر رازی میں ہے کہ نفس انسانی کے لئے دو قوتیں ہیں (۱) نظریہ (۲) عملیہ اور خداوند کریم نے اپنے حبیب پر قرآن نازل فرمایا تاکہ انسان ان ہر دو قوتوں میں کمال حاصل کر سکے۔ پس تلاوت آیات سے مراد ہے قوتِ عملیہ کی تکمیل کے لئے اعمال کی تبلیغ اور تزکیہ سے مراد ہے قوتِ نظریہ کی تکمیل کے لئے معارف، حقائق کی تعلیم اسی طرح کتاب کی

تعلیم سے مراد ہے احکامِ ظاہریہ شرعیہ کا درس اور حکمت سے مراد ہے احکام شرعیہ کے محاسن واسرار کی تعلیم۔ اور اس میں شک نہیں کہ حضورؐ انسان کے اعمال وعقائد ہر دو کی اصلاح کے لئے تشریف لائے تھے پس عقائد وہ تعلیم فرمائے جو ہر عقل سلیم کے لئے قابل قبول ہیں اور اعمال کا وہ درس دیا جو انسانی زندگی کے ہر پہلو میں انسانیت کے وقار کی بلندی کے باعث ہیں۔ کردارِ نفسی اور معاملاتِ خانگی کے علاوہ اقتصادیات معاشیات اور تمدنی اصلاحات کے لئے وہ ناقابلِ تنسیخ وترمیم قوانین وضوابط نافذ فرمائے جو ادیانِ عالم میں دینِ اسلام کی سربلندی وبرتری کا امتیازی نشان ہیں

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ۔ جنگِ بدر میں کفار کے ستر آدمی قتل کئے گئے تھے اور ستر آدمی قید ہوئے تھے جن کا فدیہ لیا گیا تھا اور جنگِ احد میں مسلمانوں کے ستر آدمی قتل ہو گئے تو مسلمانوں کو بہت دکھ ہوا جس کی خدا حکایت فرما رہا ہے اور ان کو تسلی دے رہا ہے۔ مسلمان کہتے تھے کہ ہم پر مصیبت کیوں آگئی حالانکہ ہم حق پر بھی ہیں اور ہم میں اللہ کا رسولؐ بھی موجود ہے۔ تو خدا فرماتا ہے کہ یہ مصیبت تمہاری اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے ہے اور اس کی کئی ایک وجہ بیان کی گئی ہیں۔

(۱) مدینہ سے ... نکلنے سے پہلے رسولؐ نے فرمایا تھا کہ یہاں شہر میں رہ کر لڑیں تو انہوں نے آپؐ کی مخالفت کرتے ہوئے باہر جاکر لڑائی کی جس کا نتیجہ وہ ہوا جو ہوا۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ
کیا جب تمہیں پہنچے مصیبت کہ تم پہنچا چکے ہو اس سے دگنی تو کہتے ہو

اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي
یہ کہاں سے آگئی فرما دیجئے یہ تمہاری اپنی طرف سے آئی ہے تحقیق اللہ اوپر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۶۵ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ
ہر شئی کے قدرت رکھنے والا ہے اور جو تکلیف پہنچی تمہیں جس دن لڑے دو گروہ

فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۶۶
پس وہ اللہ کے علم میں ہے اور تاکہ پرکھے ایمان والوں کو

(۲) حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ بدر کے دن جو کافر قید ہوئے تھے ان کے قتل کا حکم تھا لیکن انہوں نے فدیہ لینا منظور کیا تھا تو حکم ہوا تھا کہ اگر فدیہ لو گے تو آئندہ سال تمہارے بھی اسی قدر آدمی قتل کئے جائیں گے تو انہوں نے کہا تھا چلو اب فدیہ لے کر فائدہ اٹھالیں اگر آئندہ سال ہم قتل ہوئے بھی تو درجہ شہادت ہوگا۔ لہٰذا ہمیں یہ بات منظور ہے۔

(۳) جنگِ احد میں عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے درہ چھوڑ دیا تھا جس کا نتیجہ مسلمانوں کا قتل ہوا پس یہی کوتاہیاں ہیں جن کا اشارہ آیتِ مجیدہ کر رہی ہے۔ کہ تمہیں جس قدر مصیبت پہنچی ہے وہ سب تمہاری اپنی طرف سے ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ۔ یعنی تمہیں جو تکلیف پہنچی ہے اللہ کے نزدیک اس کی کئی مصلحتیں ہیں (۱) **فَبِاِذْنِ اللّٰهِ** یعنی اس

کا اللہ کو علم ہے اور درحقیقت اللہ کے نزدیک اسی میں ہی بہتری ہے۔ (۲) وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ۔ یعنی یہ تکلیف بطور آزمائش کے تھی تاکہ کھرے کھوٹے پرکھے جا سکیں اور مومنوں کے ایمان کا پتہ چل جائے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے و بیگانے میں فرق معلوم ہو جائے ورنہ اللہ کو تو پہلے سے ہی معلوم ہے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ۔ یعنی وہ لوگ جو ظاہری اسلام کا لباس اوڑھ کر اندرونی طور پر کافروں سے ملے ہوئے ہیں ایسے منافقوں کا بھی عام پتہ چل جائے۔

قِيلَ لَهُمْ۔ کہتے ہیں جب جنگ احد کے لئے فوج اسلام تیار ہوئی تو عبداللہ ابن ابی اور اس کے ساتھی جن کی تعداد تقریباً تین سو تھی وہ الگ ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم خواہ مخواہ کیوں اپنے آپ کو قتل کریں۔ پس عبداللہ بن عمرو انصاری نے ان کو دعوت جہاد دی اور کہا کہ اگر تم لڑنا پسند نہیں کرتے تو کم از کم ہمارے ساتھ رہ کر اپنی ناموس کی تو حفاظت کرو۔ تو جواب میں کہنے لگے کہ ہمیں لڑنا نہیں آتا ورنہ ہم ضرور شریک جہاد ہوتے اور ان کا یہ قول بھی صرف بہانہ تھا جس کو خدا بیان فرما رہا ہے کہ وہ منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتی پس وہ اس فعل سے اپنا پردہ چاک کر بیٹھے کیونکہ مومنوں کو بھی اب وہ کفر کے قریب نظر آنے لگے۔ چنانچہ اس سے پہلے ان کے دلی حال کی مومنوں کو خبر نہ تھی

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي
اور تاکہ پرکھے ان کو جو منافق ہیں اور ان کو کہا گیا کہ آؤ لڑو راہ

سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ
خدا میں یا دفع کرو (دشمنوں کو) تو کہنے لگے اگر ہم لڑنا جانتے تو ضرور تمہارے پیچھے چلتے

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ
وہ اس دن کفر کے زیادہ قریب ہیں ایمان سے وہ اپنے منہ سے وہ بات کہتے

مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ۝ ١٦٧ الَّذِينَ
ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ پوشیدہ کرتے ہیں جنہوں نے

قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ
اپنے بھائیوں کے متعلق کہا اور خود بیٹھے رہے کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ ہوتے فرما دیجئے

فَادْرَءُوا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ ١٦٨
کہ ہٹا دو اپنے نفسوں سے موت کو اگر تم سچے ہو تو

الَّذِينَ قَالُوا عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے احد کے مقتولین کے متعلق یہ کہا تھا کہ اگر وہ ہماری مانتے تو قتل نہ ہوتے خدا ان کے اس قول کی بھی مذمت فرما رہا ہے اور مقصد یہ ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جس سے وہ آگے

یا پیچھے نہیں ہو سکتی۔ پس موت کے ڈر سے جہاد کو چھوڑنا سراسر غلطی ہے۔

شہداء بئر معونہ

وَلَا تَحْسَبَنَّ:۔ اس آیت مجیدہ کے شان نزول کے متعلق مفسرین کے چند اقوال ہیں ۱۔ شہداء بدر کے متعلق نازل ہوئی جو کل چودہ آدمی تھے جن میں سے چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔ ۲۔ شہداء احد کے بارے میں اتری جن کی کل تعداد ستر تھی جن میں صرف چار مہاجر تھے۔ ۱۔ حضرت حمزہؑ ۲۔ مصعب بن عمیرؓ ۳۔ عثمان بن شماس ۴۔ عبداللہ بن جحش اور باقی ۶۶ انصار تھے جن کی پوری فہرست رکوع ۱۴ کی تفسیر میں پر بیان ہو چکی ہے۔ ۳۔ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ شہداء احد و بدر سب کو یہ آیت شامل ہے چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی مروی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ شہداء بئر معونہ کے حق میں اتری جن کا واقعہ تفسیر مجمع البیان میں اس طرح منقول ہے کہ ابو براء عامر بن مالک جو بنی عامر کا سردار تھا۔ مدینہ میں جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں کوئی چیز بطور ہدیہ کے لایا۔ آپؐ نے اس کو قبول نہ کیا۔ اور فرمایا کہ میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ہاں اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا ہدیہ قبول ہو تو مسلمان ہو جا پھر آپؐ نے چند آیات قرآنیہ کی تلاوت بھی فرمائی۔ یہ سن کر ابو براء نہ تو اسلام لایا اور نہ اسلام سے نفرت کا اظہار کیا اور عرض کی حضورؐ آپ جو کچھ فرما رہے ہیں بجا ہے اگر آپ اپنی جناب سے کچھ آدمی اہل نجد کی طرف تبلیغ اسلام کے لئے روانہ فرمائیں تو امید ہے کہ وہ قبول کر لیں گے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ ان کو مار نہ ڈالیں۔ اس نے عرض کی کہ وہ ایسا نہ کریں گے کیونکہ میں ان کا ہمسایہ ہوں (یعنی وہ میری رعایت کرتے ہوئے ان کی ایذا رسانی نہ کریں گے) پس آپ نے بنی ساعدہ کے ایک شخص منذر بن عمیر نامی کو ستر چیدہ چیدہ مسلمانوں کے ہمراہ روانہ فرمایا۔ جن میں حارث بن صمہ، حرام بن ملحان، عروہ بن اسماء، نافع بن بدیل اور عامر بن فہیرہ شامل تھے اور یہ واقعہ جنگ احد کے چار ماہ بعد ماہ صفر سنہ ۴ھ کا ہے۔ یہ لوگ چل کر بئر معونہ

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ

اور نہ خیال کرو کہ جو لوگ قتل کئے گئے راہ خدا میں مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ ۱۶۹ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ

اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔ خوش ہیں ساتھ دیئے ہوئے اللہ کے فضل کے

وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ

اور بشارت حاصل کرتے ہیں ان لوگوں کے متعلق جو نہیں لاحق ہوئے ان سے ان کے پیچھے کہ نہ خوف

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ ۱۷۰ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ

ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہیں۔ بشارت حاصل کرتے ہیں ساتھ نعمت کے جو اللہ

وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ ۱۷۱

کی جانب سے ہے اور فضل کے اور تحقیق اللہ نہیں ضائع کرتا اجر نیک کام کرنے والوں کا۔

پر پہنچے تو آپس میں مشورہ کیا کہ پیغامِ رسالتؐ کون پہنچائے گا؟ چنانچہ حرام بن ملحان نے کہا کہ یہ کام میرے ذمہ ہے اور میں کروں گا۔ پس اس نے حضرت رسالتمابؐ کا مکتوب عامر بن طفیل کو دیا لیکن اس نے آپؐ کے خط کو نظر انداز کر دیا۔ پھر حرام بن ملحان نے کلمۂ شہادتین زبان پر جاری کرتے ہوئے بیر معونہ والوں کو دعوتِ اسلام دی اتنے میں ایک شخص نے اس پر نیزہ کا وار کیا جو اس کے پہلو کو چیرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا اور اس نے اپنی کامیابی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے جاں جانِ آفریں کے حوالہ کر دی۔ پس عامر بن طفیل نے بنی عامر کو باقی مسلمانوں پر حملہ کی دعوت دی لیکن انہوں نے ابو براء کے عہد کا لحاظ رکھتے ہوئے انکار کر دیا پس عامر بن طفیل نے بنی سلیم کے دوسرے قبائل کو پکارا تو انہوں نے فوراً مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا۔ ادھر انہوں نے بھی تلواریں علم کر لیں اور لڑتے ہوئے سب کے سب شہید ہو گئے صرف کعب بن زید بچ گیا تھا جو بعد میں جنگِ خندق میں شہید ہوا۔ عمرو بن امیہ ضمری اور ایک دوسرا انصاری شخص جن کا قیام اپنے ساتھیوں سے علیحدہ تھا۔ انہوں نے پرندوں کی آمد سے حادثہ کی نوعیت کو معلوم کیا اور جب پہنچے تو وہ اپنے خون میں لت پت تھے انصاری نے کہا کہ منذر بن عمرو کو قتل ہوئے دیکھ کر میں تو واپس نہ جاؤں گا۔ چنانچہ وہ اکیلا لڑ کر وہیں شہید ہو گیا اور عمرو بن امیہ ضمری گرفتار ہو گیا۔ جب اس نے اپنا قبیلہ مضر بتایا تو عامر بن طفیل نے اس کی پیشانی کے بال نوچ کر (غلام بنا کر) اپنے باپ کی طرف سے آزاد کر دیا اور اس نے مدینہ میں پلٹ کر سارا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا کہ یہ مصیبت ابو براء کی طرف سے آئی ہے اور مجھے پہلے سے ہی اس کا ڈر تھا چنانچہ ابو براء کی عہد شکنی پر احسان بن ثابت اور کعب بن مالک نے اشعار کہے۔ یہ بات ابو براء پر بھی شاق گذری اور جب حسان اور کعب کے اشعار ابو براء کے لڑکے ربیعہ نے سُنے تو اس نے عامر بن طفیل کو قتل کر دیا۔ پس خداوند کریم نے شہداء بیر معونہ کے حق میں یہ آیت بھیجی بہر کیف آیت مجیدہ کا شانِ نزول خواہ کسی ایک واقعہ سے تعلق رکھتا ہو لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں اور قیامت تک کیلئے زندہ ہیں اور اس کے افراد قیامت تک ہوں گے۔ البتہ مدارج و مراتب کا فرق ضرور ہو گا۔

یَسْتَبْشِرُوْنَ:۔ یعنی شہداء خود تو جنت میں ہوتے ہیں لیکن جب ان کو پیچھے زندہ رہنے والے مومن بھائیوں کے متعلق خبر پہنچتی ہے کہ وہ ایمان و عمل صالح کی دولت سے مالا مال مصروفِ جہاد ہیں اور خوف و حزن سے آزاد ہیں تو وہ اور زیادہ خوشی محسوس کرتے ہیں خوف طبیعت کی اس پریشانی کا نام ہے جو آنے والے مصائب کے تصور سے لاحق ہو اور حزن طبیعت کی اس پریشانی کا نام ہے جو کسی محبوب چیز کی مفارقت کی وجہ سے لاحق ہو پس ایمان والوں کو آنے والے عذاب کا خوف اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ اپنے گناہوں سے پاک ہو کر جاتے ہیں اور موت کی وجہ سے دنیا کی مفارقت کا حزن نہیں ہوتا کیونکہ نعماتِ جنت دنیاوی نعمات سے بدرجہا اتم اور اعلیٰ و ارفع ہیں۔

ثوابِ شہداء تفسیر مجمع البیان میں امام رضا علیہ السّلام سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت امیر المومنین علیہ السّلام اپنے خطبہ میں لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے رہے تھے کہ ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر جہاد کا ثواب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا غزوہ ذات سلاسل سے واپسی پر میں جناب رسالتمابؐ کے پیچھے ناقۂ عضباء پر سوار تھا اور میں نے آپ سے یہی سوال کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا جب مجاہد تیاری کرتا ہے تو خدا جہنم سے اس کی آزادی فرض کر دیتا ہے اور ملائکہ پر مباہات فرماتا

ہے جب وہ اپنے عیال سے وداع کرتا ہے تو گھر اور اس کی دیواریں اس کے لئے گریہ کرتی ہیں اور وہ اپنے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے خدا چالیس فرشتوں کو موکل کرتا ہے۔ اس کی ہر نیکی دگنی شمار ہوتی ہے۔ اس کی ہر دن کی عبادت ایسے ایک ہزار عابد کی عبادت کے برابر ہوتی ہے جنہوں نے ہزار ہزار سال عبادت میں گذارے ہوں جن کا ایک دن پوری دنیا کی زندگی کے برابر ہو۔ جب وہ دشمنوں کے مقابل ہوتے ہیں تو ان کے ثواب کو کوئی جان ہی نہیں سکتا اور مصروف جہاد ہوں تو ملائکہ ان کے لئے سوست بدعا رہتے ہیں اور ایک منادی ندا کرتا ہے کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے۔ پس نیزہ و تلوار کا زخم ان کو موسم گرما کے ٹھنڈے پانی سے بھی محبوب تر ہوتا ہے۔ اور جب پشت زین سے زمین پر آئیں تو ان کا سر حور عین کے دامن میں ہوتا ہے جو ان کو جنت کے انعامات کی بشارت سناتی ہیں زمین ان کو مرحبا کہتی ہے اور نعماتِ خداوندی کا مژدہ سناتی ہے۔ اور آوازِ قدرت آتی ہے کہ اس کے پس ماندوں کا میں کفیل ہوں جو ان کو راضی کرے گا اس نے مجھے راضی کیا جو ان کو ناراض کرے گا اس نے مجھے ناراض کیا ان کے ارواح سیرِ جنت کرتے ہیں اور میوہ ہائے جنت کھاتے ہیں۔ ہر شہید کو فردوس بریں میں سے ستر محل عطا ہوتے ہیں جن کی وسعت یمن و شام کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہوتی ہے اور ان کا نور مشرق و مغرب پر حاوی ہوتا ہے۔ ہر محل کے ستر دروازے کہ ہر ایک میں ستر تختے سنہری ہوتے ہیں۔ اور ہر دروازے پر ساٹھ ساٹھ پردے ہوتے ہیں۔ نیز ہر محل میں ستر خیمے اور ہر خیمہ میں ستر تخت سونے کے جن کے پائے موتی و زبرجد کے ہوتے ہیں اور ہر تخت پر چالیس فرش کہ ہر ایک کی موٹائی چالیس ہاتھ ہوتی ہے اور ہر فرش پر ایک حور عین جلوہ گر ہوتی ہے جس کے ستر ہزار خادم اور ستر ہزار کنیزیں ہوتی ہیں جن کے چہرے نورانی اور زیور طلائی ہوتے ہیں اور سر پر موتیوں کے تاج ہوتے ہیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ابریق و جام ہوتا ہے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر ان کے راستہ میں بروزِ محشر نبی آئیں گے تو ان کی شان و عظمت دیکھ کر وہ بھی پیادہ ہو جائیں گے۔ پس جب اپنے مسکن پر پہنچیں گے تو ان میں سے ہر ایک اپنے رشتہ داروں اور ہمسایوں میں سے ستر ستر ہزار کی شفاعت کر سکیں گے پس وہ دستر خوانِ کرامت پر میرے اور ابراہیمؑ کے ساتھی ہوں گے۔ اسی طرح شہداء کے ثواب کے متعلق بہت کچھ احادیث وارد ہیں اور اس قسم کی احادیث کی تہ تک پہنچنا ہمارے ناقص عقول کے لئے مشکل ہے۔ ہاں خلاصہ کے طور پر اتنا کہنا کافی ہے کہ جن لوگوں نے دینِ حق کی نصرت میں اپنی جان تک قربان کر دی وہ اللہ کے نزدیک ایسے انعامات و کرامات کے سزاوار ہیں جن کا تصور تک نہیں ہو سکتا۔ جب عام شہیدوں کی یہ شان ہے تو جو تمام شہیدوں کا سردار ہوگا۔ اس کے مرتبہ کی عظمت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ بے شک ان کے لئے جوانانِ جنت کی سرداری زیبا ہے۔ الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ۔

رکوع ۹

جب ابوسفیان اور اس کے ساتھی واپسی پر مقام روحاء تک پہنچے تو انہوں نے ایک دوسرے کو ملامت کی کہ ہم نے مسلمانوں کا قتلِ عام کر کے نہ ان کو لوٹا نہ حضرت محمدؐ کو قتل کیا پس وہیں سے واپسی کا ارادہ کیا جب یہ خبر حضورؐ کو پہنچی تو آپ نے صحابہ کو جمع فرمایا اور حکم دیا کہ کفار کا تعاقب کیا جائے اور جو لوگ شریک جنگِ احد تھے۔ انہیں کو درپۂ تیار ہونا چاہیئے۔ پس آپؐ ستّر صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے جو کہ اکثر زخمی تھے جب حمراء الاسد پر پہنچے تو ادھر سے معبد خزاعی کا گذر ہوا اور قبیلہ خزاعہ پورے کا پورا آپ کا ہمدرد تھا اور مکہ میں بھی ان کا آپ سے میل جول رہتا تھا۔ اگرچہ یہ شخص مشرک تھا لیکن اس نے حضورؐ سے سابقہ ہمدردی کی روایت کو دہرایا پس وہاں سے گذر کر ابوسفیان کے پاس پہنچا اس نے احوال پرسی کی تو اس نے بیان کیا کہ حضرت محمد مصطفٰےؐ ایک لشکرِ گراں کے ساتھ تیرے تعاقب میں ہے اور وہ ابھی پہنچنے والے ہیں پس کفارِ قریش پر رعب طاری ہو گیا اور وہیں سے مکہ کا رُخ کیا۔ ادھر جنابِ رسالتمآب نے حمراء الاسد پر پہنچ کر صحابہ سے فرمایا کہ کون ہے جو اب کفار کی خبر لائے؟ سب خاموش رہے لیکن حضرت علی علیہ السلام

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ

جن لوگوں نے قبول کیا اللہ اور اس کے رسول (کی دعوت) کو بعد اس کے کہ لگے ہوئے تھے ان کو

الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ۱۷۲

زخم ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور تقوٰی اختیار کیا ان کے لئے اجرِ عظیم ہے

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ

وہ جن کو کہا لوگوں نے تحقیق لوگ جمع ہو چکے ہیں تمہارے لئے

فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ

پس ڈرو ان سے تو ان کا ایمان زیادہ ہوا اور کہنے لگے ہمیں کافی ہے اللہ

نِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ ۱۷۳ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ

اور وہ خوب جائے اعتماد ہے پس پلٹے ساتھ نعمت کے اللہ سے اور فضل کے کہ

يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ

نہ چھوا ان کو تکلیف نے اور تابع ہوئے رضائے خدا کے اور اللہ بڑے

فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ ۱۷۴

فضل والا ہے

نے باوجود کافی زخموں کے لبیک کہی۔ آپؐ نے فرمایا دیکھنا اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوں تو سمجھنا کہ ان کا رخ مدینہ کی طرف ہے اور اگر اونٹوں پر سوار ہوں تو وہ مکہ کی طرف جا رہے ہوں گے حضرت علیؑ گئے اور واپس آکر بتایا کہ وہ اونٹوں پر سوار ہو کر جا رہے تھے۔ پس آپؐ نے صحابہ کو واپسی کا حکم دیا اور خدا کی نعمت کا شکر ادا فرمایا۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ۔ آیت مجیدہ کا ایک معنی وہ ہے جو نیچے آیت کے مذکور ہے اور دوسرا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ شیطن اپنے دوستوں کو جو منافق ہیں جہاد سے ڈراتا ہے اور ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے جس کی وجہ سے وہ رسولؐ کی اتباع چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ جاتے ہیں پس مومنوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ تم ہرگز کفار سے خوف نہ کیا کرو۔ تحت اللفظی ترجمہ کے ماتحت يُخَوِّفُ کا مفعول اوّل مومنین محذوف ہے اور اس معنی کے لحاظ سے اس کا مفعول ثانی اعداء محذوف ماننا ہوگا۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ

بجز اس کے نہیں کہ یہ شیطان ڈراتا ہے (مومنوں کو) اپنے دوستوں سے پس ان سے مت ڈرو

وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۷۵ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ

اور مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو اور تمہیں غم نہ کھانا چاہیئے ان کا جو

يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا يُرِيْدُ اللّٰهُ

تیزی کرتے ہیں کفر میں تحقیق وہ ہرگز ضرر نہیں دے سکتے اللہ کو کچھ بھی چاہتا

اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۷۶

ہے اللہ کہ نہ کرے ان کا حصہ آخرت میں اور ان کے لئے عذاب بڑا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ

تحقیق جن لوگوں نے خریدا کیا کفر کو ایمان کے بدلے ہرگز ضرر نہیں دے سکتے

شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۷۷

اللہ کو کچھ بھی اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ بعض کہتے ہیں کہ ایک قوم مرتد ہو گئی جس کا جناب رسالتمآبؐ کو غم تھا اور بعض کہتے ہیں کہ عامۃ الکفار کے کفر سے آپؐ ملول خاطر ہوتے تھے۔ پس بطور تسلّی کے یہ ارشاد فرمایا۔

لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ۔ اس کو دوبارہ تکرار سے بیان فرمایا ہے کیونکہ پہلی آیت میں صرف جناب رسالتمآبؐ کی تسلّی مقصود تھی کہ مسارعت فی الکفر کرنے والوں پر غم نہ کیجئے۔ کیوں کہ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بلکہ وہ اپنی عاقبت بگاڑ رہے ہیں اور دوسری آیت میں زیادہ تعمیم فرما دی کہ جو لوگ بھی کفر کو اختیار کرتے ہیں وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے خواہ وہ کفر میں مسارعت کرنے والے ہوں یا ایسے نہ ہوں اور یہ آیت پہلی آیت کے معنی کی تعلیل ہے یعنی جب مطلق کافر بالعموم اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو یہ

مسارعت کرنے والے اس کا کچھ نہ بگاڑیں گے۔ تفسیر مجمع البیان میں مضرت اور اسائت کے درمیان یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ اسائت ہمیشہ قبیح ہوا کرتی ہے۔ اور مضرت کبھی قبیح اور کبھی حسن ہوتی ہے۔ جب استحقاق یا امتحان یا نفع عظیم کے لئے ہو۔

لیزدادوا اثماً۔ اہلسنت کے امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس لام کو لام غرض قرار دیا ہے یعنی خدا کا کفار کو مہلت دینا اور ان کی عمروں کو لمبا کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ گناہوں میں ترقی کریں تاکہ عذاب کے حقدار اور زیادہ بنیں گویا ان کے گناہ خدا کے ارادہ سے ہوا کرتے ہیں لیکن مذہب امامیہ کے اصول کے ماتحت فعل قبیح کے لئے کسی کو مہلت دینا بھی برا ہے اور خدا جملہ برائیوں سے پاک ہے بلکہ خدا مہلت دیتا ہے کہ ان کو توبہ اور اعمال صالحہ کے مواقع زیادہ سے زیادہ میسر ہوں لیکن وہ لوگ خود اپنے اختیار سے راہ حق کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ان پر گناہوں کا بوجھ زیادہ ہوتا جاتا ہے اور وہ مستحق عذاب مہین کے ہو جاتے ہیں۔ پس اس صورت میں یہ لام غرض کے لئے نہیں بلکہ لام عاقبت ہے

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ
اور یہ خیال نہ کریں وہ لوگ جو کافر ہیں کہ ہمارا مہلت دینا ان کی بہتری کے لئے ہے
إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ ۱۷۸ مَا
تحقیق ہمارا ان کو مہلت دینا اس کا انجام یہ ہے کہ وہ گناہوں میں زیادتی کرتے ہیں اور ان کیلئے ذلت آمیز
كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ
عذاب ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ چھوڑ دے مومنوں کو اس حالت پر جس پر تم ہو یہاں تک
يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى
کہ وہ تمیز دے پلید کو پاک سے اور یہ بھی نہیں کہ اللہ تمہیں مطلع کرے غیب
الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ ۖ
پر البتہ اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے۔
فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ
پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور تقویٰ
أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ ۱۷۹
اختیار کرو گے تو تمہارے لئے بڑا اجر ہے

علیٰ ما انتم علیہ یا تو یہ خطاب کفار و منافقین کے لئے ہے کہ خدا مومنوں کو مبہم حالت میں نہیں چھوڑے گا بلکہ اے گروہ کفار و منافقین وہ ایسے مواقع امتحان و آزمائش کے لئے لائے گا جس سے کھرا کھرا اور کھوٹا کھوٹا ہو جائے گا اور مومن و منافق ایک دوسرے سے صاف طور پر ممتاز ہو جائیں گے یا یہ کہ خطاب مومنین کو ہے اور غیب سے خطاب کی طرف التفات کیا گیا ہے جس طرح کلام فصحاء میں بلکہ خود قرآن مجید میں اسی

طرح ہوا کرتا ہے پس مقصد یہ ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو خدا ان کے زبانی دعوے پر نہیں چھوڑے گا بلکہ حسبِ موقعہ ان میں سے طیب و خبیث کو الگ الگ کر دیتا ہے جس طرح جنگِ احد میں ہوا۔

مسئلہ علمِ غیب

وَمَا كَانَ اللّٰهُ۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مومن و منافق کی تمیز کے لئے خدا مومنوں کو لوگوں کے دلی حالات کا علم کیوں نہیں دے دیتا تاکہ وہ اس علم کے ذریعے کھوٹے کی پہچان کر لیتے اور جنگ و جدال کی جان لیوا مصیبتوں سے ان کی گلو خلاصی ہو جاتی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امتحان و آزمائش سے جس طرح مومن و منافق کی تمیز ہوتی ہے۔ اسی طرح صبر و ثبات سے مومنوں کے درجات میں اضافہ ہوتا ہے اور ثانیاً مصلحت خداوندی یہ ہے کہ انجام کا علم اس نے لوگوں سے پوشیدہ کر رکھا ہے اور نظم عالم کی بہتری اسی میں ہے چنانچہ اس آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہے کہ خدا ایسا نہیں کرتا کہ تمہیں علمِ غیب عطا کر دے۔ وہ صرف اسی کی اپنی ذات کے شایانِ شان ہے۔ البتہ وہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے اس کو غیب کی باتوں سے مطلع فرماتا ہے اور اس کے بعد یہ ضروری نہیں کہ وہ رسول اپنی امت کو علومِ غیبیہ کی اطلاع دیتے رہیں بلکہ امت پر فرض ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہر بات پر ایمان لائیں اور ان کے ہر فرمان کو دل میں جگہ دے کر اطاعت شعاری کی کوشش کریں۔ پس امت کو خدا اور رسولؐ کے کسی فیصلہ پر بھی کیوں کہنے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ ہر حکم کی مصلحت بتانا ان کے عہدہ میں نہیں ہے۔

مطلب کی مزید وضاحت کے لئے یوں سمجھئے کہ طبقاتِ موجودات میں سے حیوان کو نبات و جماد پر فوقیت ہے کیوں کہ اس میں ایک حس موجود ہے جس سے وہ تہی دامن ہیں اور انسان کو عام حیوان سے برتری حاصل ہے کہ اس میں ایک ایسا جوہر موجود ہے جس سے وہ خالی ہے، پس روحِ نباتی سے وہ شعور غائب ہے جس کو روحِ حیوان اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اگر روحِ نبات کے مقابلہ میں شعورِ حیوانی کو پھیلایا جائے تو ایسا معلوم ہوگا کہ نبات کے مقابلہ میں حیوان کے پاس علمِ غیب کا ایک بے پناہ ذخیرہ موجود ہے جسے روحِ نباتی اپنے تصور میں بھی نہیں لا سکتا۔ اسی طرح روحِ حیوانی سے ایک شعور غائب ہے جس کو روحِ انسانی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ اب اگر روحِ حیوانی کے سامنے شعورِ انسانی کو بسط دیا جائے اور علوم و فنون میں اس کی دسترس و مہارت اور عقلی دنیا میں اس کی عظیم الشان فتوحات اور تسخیرِ موجودات کے لئے اس کے مناسب موزوں اور برمحل اقدامات اور بظاہر مافوق امور پر اس کا ہمہ گیر تسلط وغیرہ کو سامنے لایا جائے تو ظاہر ہے کہ روحِ حیوانی کے مقابلہ میں انسان کلی طور پر علمِ غیب کا مالک نظر آتا ہے اور اس کی ان غیبی فتوحات کا روحِ حیوانی تصور تک نہیں کر سکتا۔

اب آگے بڑھیئے انبیاء میں روح القدس اور شعور قدسی کا جو جوہر موجود ہے اس سے یقیناً عام انسان کوتاہ دست ہے منازلِ ارتقاء کی ترتیب سے روحِ نبات روحِ حیوان اور روحِ انسان میں ان کے مختص شعور کے لحاظ سے فرق کی جو پوزیشن ہے۔ اسی لحاظ سے شعورِ انسانی اور شعورِ قدسیٔ نبوتی میں فرق کا اندازہ لگائیے۔ پس ماننا پڑے گا کہ ان کا شعور اپنے مقام پر اگر پھیلے تو شعورِ انسان کے مقابلہ میں ان کی علمی وسعتوں کا کیا مقام ہوگا؟ انسان یہی سمجھے گا کہ ان کے پاس علومِ غیبیہ کے وہ ذخائر موجود ہیں

جو میرے تصور سے بالاتر ہیں۔

انبیاء میں بھی اپنے مقام پر فرق موجود ہے۔ کوئی نبی ایک قوم کے لئے کوئی قبیلہ کے لئے بعض صرف کنبہ والوں کے لئے بعض تھوڑے عرصہ کے لئے اور بعض زیادہ مدت کے لئے بہرکیف ہر ایک کی پوزیشن الگ الگ ہے بعض صرف نبی ہیں اور بعض نبی بھی ہیں اور رسول بھی۔ ان میں سے تھوڑے اولو العزم ہیں اور زیادہ غیر اولو العزم۔ پس جس نبی کا دائرہ نبوت جس حد تک ہے وہ نبی اس حد تک اپنی تمام امت کے افراد کے مقابلہ میں شعورِ کلی کا حامل ہوتا ہے اور امت کے افراد کا شعورِ مجموعی اس نبی کے شعورِ قدسی کے مقابلہ میں ہیچ ہوتا ہے اور حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ چونکہ عالمی رسول ہیں لہٰذا ان کا روحِ قدسی نبوتی اپنے قدسی شعور کے لحاظ سے عالمین پر حاوی ہونا چاہیئے اور تمام موجودات خواہ انسان ہوں یا جن وملک اول خلقت سے لیکر آخرِ خلقت تک ان کے انفرادی واجتماعی شعور کے مقابلہ میں ان کا شعورِ قدسی اور ان کے علوم ومعارف محیط حیثیت کے حامل ہوں گے اور ان کے پھیلاؤ کی حدود وامکانی کمالات کے آخری نقطہ تک ہوں گی جن کا تصور تک عام انسانی عقول نہیں کر سکتے پس ان کی علمی وسعتوں کا احاطہ سوائے ذات واجب الوجود کے اور کسی کے بس کا روگ نہیں۔ لہٰذا عام انسانی شعور کے مقابلہ میں چونکہ ان کا قدسی نبوتی شعور ہمہ گیر ہے جس کی بنا پر عام انسان اسے علومِ غیبیہ کا عالم کہہ سکتا ہے جس طرح عام حیوان کے مقابلہ میں انسان عالم الغیب اور روحِ نباتی کے مقابلہ میں عام حیوان ادراکات غیبیہ کے حامل ہیں۔

ماتحت کے لئے جو مسائل لاینحل ہوا کرتے ہیں وہ مافوق کے لئے اپنے ذاتی جوہر کے لحاظ سے درجۂ اہمیت سے ساقط ہوتے ہیں کیونکہ وہ اس کے وجود کے لوازم سے ہوتے ہیں مثلاً نبات کے لئے شعورِ حیوانی کے ادراکات اگرچہ ایک عقدۂ لاینحل ہیں لیکن وہ روحِ حیوانی کے لئے جزو زندگی کی حیثیت سے ہیں جس کی اہمیت ان کے درجہ اعتبار سے ساقط ہے چہ جائیکہ ان کا مافوق ان کی اہمیت سے انکار کرے اور اسی طرح روحِ حیوانی کے لئے وہ غیر ممکن افکار ومسائل جن پر انسان حاوی ہے وہ حیوانی شعور سے بالاتر ہیں لیکن وہ عقولِ انسانیہ کی ذاتی استعداد کے نتائج ہیں جو نہ ان کے لئے چنداں اہم اور نہ معرضِ تعجب ہیں۔ البتہ جن نئی ایجادات پر انسان محوِ حیرت ہو کر انگشت بدنداں نظر آتا ہے۔ وہ صرف اس لئے کہ عقولِ انسانیہ نے اس طرف اس سے پہلے اقدام نہیں کیا تھا یہی وجہ ہے کہ کل کی ایجاد آج باعثِ تعجب نہیں کیوں کہ ذہن اس سے مانوس ہو چکا ہے اور اسے اپنے احاطۂ قدرت میں داخل سمجھ چکا ہے حالانکہ کل وہ بھی تعجب کا باعث تھی۔ پرسوں کے مقابلہ میں۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ ہر آئندہ کی ایجاد گذشتہ کمالات کو عادی کرتی ہوئی چلی جا رہی ہے اور انسان اسے شعورِ انسانی کا عام کرشمہ سمجھتا جا رہا ہے۔ اب جہاں یہ انسانی کمال آخری حد کو پہنچے گا وہاں سے نبوتی کمال کی حدود شروع ہوں گی۔ پس جس مسئلہ کو انسان لاینحل کہے گا اور عام عقول سے اس کی فتح ناممکن ہوگی وہ روحِ نبوتی کے شعورِ قدسی کے لئے اپنی خداداد استعداد کے ماتحت اس کا عام فعل ہوگا جسے انسان غیب سے تعبیر کرے گا لیکن ذات اقدس الٰہیہ جو ہر شے پر محیط ہے اس کے سامنے روحِ نبوتی اور اس کے شعورِ قدسی کی تمام وسعتیں اسی طرح ہیچ ہیں جس طرح نبی کے لئے عام انسانی کمال اور انسان کے لئے عام حیوانی کمال بلکہ مخلوق اور خالق کے درمیان کوئی نسبت قائم ہو ہی نہیں سکتی۔

maablib.org

اب آسانی سے سمجھ میں آسکے گا کہ خدا کسی کو غیب پر مطلع نہیں فرماتا مگر جس کو منتخب کرے اپنے رسولوں میں سے یعنی ان کو ان غیبی چیزوں پر اطلاع دیتا ہے جو عام انسانوں کے افہام سے بالاتر ہوں اور وہ وہ غیوب ہیں جو درجِ نبوتی کے حدود کے اندر ہیں اور شعورِ انسانی کی حدود سے باہر۔ اور جس مقام پر فرمایا۔ ــــــــــ کہ مولئے میرے اور کوئی غیب نہیں جانتا بلکہ علمِ غیب صرف میرا ہی خاصہ ہے اس سے مراد وہ غیوب ہیں جو شعورِ نبوتی کی حدود سے بالاتر اور ذاتِ اقدس الٰہیہ کے شایانِ شان ہیں اور وہ ہر شئے پر محیط ہے اور اس کی وسعتیں غیر محدود ہیں۔ اس کا احاطہ نہ انسان کر سکتا ہے نہ جن و ملک اور نہ نبی مرسل بلکہ کسی سے اس کے تصوّر کا بھی امکان نہیں۔ پس انسان اپنی نارسا عقل کے فیصلہ سے کہہ بیٹھتا ہے کہ نبی کلی غیب کا علم رکھتا ہے ورنہ علومِ الٰہیہ کے مقابلہ میں ان کے علوم ایک جزدی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ ان کے علوم کو اس ذات واجب الوجود کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں دی جا سکتی۔

دورِ حاضر میں حضرت رسالتمآبؐ کے علم کلی و جزدی کا مسئلہ عام ہے جس کو حقیقت ناشناس لوگوں نے اچھال رکھا ہے اور اپنے تئیں عالم کہلانے والوں نے اسی میں اپنا علمی کمال سمجھا ہے تاکہ عوام سے داد و تحسین حاصل کر کے اپنے اقتدار ناپائیدار کو فروغ دیں حالانکہ ایسے لوگ علومِ حقیقیہ اور معارفِ ربانیہ سے کوسوں دور ہوتے ہیں اور بڑی دریدہ دہنی سے عام جاہل طبقہ کو جن کا جہل جہلِ بسیط ہوتا ہے عوام کالانعام سے تعبیر کرتے ہیں اور اپنے جہلِ مرکب کو کلاہ و دستار یا جبہ و قبا کے نیچے مخفی کر کے عالم بلکہ علّامہ کہلواتے پھرتے ہیں حالانکہ کالانعام کی لفظ جس طرح ان کو زیب دیتی ہے وہ انہی کا حصّہ ہے۔

میں نے اس مسئلہ کو اپنی حد تک آسان کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ نبی کے علوم ہماری نارسا عقول کے مقابلہ میں کلی حیثیت رکھتے ہیں عام انسانی عقول نہ ان کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ان کی حدود کا تصوّر کر سکتے ہیں لیکن خداوند کریم کے محیطِ علم کے مقابلہ میں ان کی حیثیت بالکل جزدی ہے۔ اب خدا ہی جانتا ہے کہ اس نے ان کو کس قدر دیا اور کیونکر دیا اور اس کا فیصلہ ہماری عقول سے بالاتر ہے ہمارا کام ہے ان پر ایمان لانا تسلیم کرنا اور اطاعت کرنا۔

زکوٰۃ نہ ادا کرنے کا عذاب

ولا یحسبن الخ: تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنی زکوٰۃ مال میں سے بقدر ذرا سا حصہ بھی ادا نہ کرے گا تو اس کو بروز محشر دوزخ کا اژدھا بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا جو حساب و کتاب کے ختم ہونے تک اس کے گوشت کو نوچتا رہے گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ اس کے دماغ کو کھاتا رہے گا۔ اور یہ آیت زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کے حق میں ہے۔

ایک حدیث میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص زکوٰۃ مال ادا نہیں کرتا بروز محشر تمام حیوانات کو محشور کر کے اس پر مسلط کیا جائے گا کہ حساب خلائق کے ختم ہونے تک بعض اس کو اپنے سینگوں سے ماریں گے بعض دانتوں سے کاٹیں گے اور بعض اپنے پاؤں کے نیچے اس کو روندیں گے۔ اور جو شخص زکوٰۃ غلہ ادا نہ کرے تو وہ زمین جس پر وہ غلہ پیدا ہوا تھا ساتوں طبقوں سمیت اس کے گلے میں ڈالی جائے گی۔ آیت مجیدہ کی تفسیر میں معصومین علیہم السلام نے صرف مانع الزکوٰۃ کے متعلق فرمایا ہے۔ ورنہ تمام حقوق مالیہ واجبہ کا ادا نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے اور حق خمس بھی اسی قبیل سے ہے ممکن ہے معصوم نے بخل کے ایک فرد کو بطور تمثیل کے بیان کیا ہو۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ

اور نہ خیال کریں وہ جو بخل کرتے ہیں ساتھ اس کے جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے

هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ [illegible] لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ

کہ وہ (اس کا انجام) اچھا ہے ان کے لئے بلکہ وہ بد ہے ان کے لئے عنقریب طوق پہنایا جائیگا انکو اسکا جسکا

الْقِيَامَةِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ

انہوں نے بخل کیا بروز قیامت اور اللہ کے لئے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ○

ساتھ اس کے جو تم کرتے ہو آگاہ ہے

وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ: اس میں بخل کرنے والوں کو مزید تنبیہ فرمائی ہے کہ جس کا تم بخل کرتے ہو وہ در حقیقت ہے تو اللہ کی ملکیت اور تمہاری رہائش اس زمین پر یا تمہاری ان چیزوں کی ملکیت بالکل عارضی ہے جب مال سب اس کا ہے تو تمہارا بخل کرنا کیا معنی رکھتا ہے یہ ایسا ہے جیسے ایک غنی اپنی رعایا کے کسی بندے کو اپنے کھانے اور دوسروں پر تقسیم کرنے کے لئے کچھ دے دے اور کہے کہ تیرے کھانے اور تیری جائز تقسیم پر خوش ہوں گا اور تیرے بخل پر تجھے سزا دوں گا۔ اور بہر صورت جب تو میرے پاس پہنچے گا تو باقی کو میں تجھ سے سنبھال لوں گا اور نافرمانی پر سزا بھی دوں گا تو کس قدر بے عقل ہو گا وہ انسان جو اس قسم کی ہدایات کے بعد بھی اس مال میں بخل کرے اور حقوق واجبہ ادا نہ کرنے والوں کی بعینہٖ یہی کیفیت ہے۔

maablib.org

رکوع ۱۰

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ ۔ شان نزول ۔ کہتے ہیں جب مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا پ ۲ ر ۲۷ اتری تو حی بن اخطب یہودی نے طعن کرتے ہوئے کہا کہ پھر تو اللہ فقیر ہے کہ ہم سے قرض مانگتا ہے اور ہم دولت مند اور غنی ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت نے بنی قینقاع کی طرف ایک شخص کو دعوتِ اسلام ادائے زکوٰۃ اور اقامتِ نماز کی تبلیغ کے لئے بھیجا تو ان کے معلّم فنحاص بن عازورا نے کہا کہ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہم غنی اور اللہ فقیر ٹھہرا چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی (مجمع البیان ملخصاً)

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ

تحقیق سنی اللہ نے بات ان کی جنہوں نے کہا کہ تحقیق اللہ فقیر اور ہم

اَغْنِیَآءُ سَنَکْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّ

غنی ہیں ہم محفوظ کر لیں گے اس کو جو انہوں نے کہا اور ان کا قتل کرنا نبیوں کو ناحق اور

نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۝ ۱۸۱ ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ

ہم کہیں گے چکھو عذاب جلنے کا یہ بوجہ اس کے جو آگے بھیجا

اَیْدِیْکُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۝ ۱۸۲

تمہارے ہاتھوں نے اور تحقیق اللہ نہیں ظلم کرنیوالا بندوں پہ

سَنَکْتُبُ ۔ یعنی ملائکہ کراماً ان کا یہ کلمہ ان کے صحائف اعمال میں لکھ لیں گے اور وہ محفوظ رہے گا اور یہ بد اعمالی سے روکنے کا انتہائی کارگر طریقہ ہے کیونکہ جب ایک شخص کو معلوم ہو کہ میری ہر بات میرے نامۂ اعمال میں محفوظ ہے جس کو قیامت کے روز تمام خلائق کی موجودگی میں پڑھا جائے گا اور مجھے شرمندگی ہوگی تو وہ حتی الوسع گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے گا۔

قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ ۔ رسالتمآب کے زمانہ کے یہودیوں نے اگرچہ انبیاء کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ ان کے اسلاف نے یہ کام کیا تھا لیکن یہ لوگ چونکہ ان کے اس کرتوت سے راضی تھے لہذا انبیائے سلف کا قتل ان کی طرف منسوب کیا گیا چنانچہ وارد ہے کہ اگر قتل مشرق میں ہو اور مغرب میں کوئی رہنے والا اس کے فعل پر راضی ہو جائے تو یہ بھی قاتل کی طرح مجرم قرار دیا جائے گا۔ بنابریں امام حسین علیہ السلام کو جن لوگوں نے قتل کیا تا قیامت ان لوگوں کے اس فعلِ بد پر راضی ہونے والے امام حسین علیہ السلام کے قتل میں شریک ہوں گے اور حضرت حجت علیہ السلام جب ظاہر ہوں گے تو ان سب سے انتقام لیں گے

قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ ۔ ہر جرم کی نوعیت جداگانہ ہوا کرتی ہے اور تمام اعضاء اپنی نوعیت کے جرم کے مرتکب ہوتے

ہیں لیکن چونکہ کسی شے کے بھیجنے کے لئے ہاتھ ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ہاتھوں کی طرف تقدیم جرم کو منسوب کیا گیا۔ الا مراد اس سے تمام اعضاء کے جرم ہیں۔

کسی قوم کے فعل پر راضی ہونیوالا انہی میں سے شمار ہوگا

الَّذِیْنَ قَالُوْا۔ کہتے ہیں کہ یہودیوں کی قربانیوں کی قبولیت کی یہ علامت تھی کہ قربانی کرکے اسے رکھ دیتے تھے پس آسمان سے آگ اترتی تھی اور جس کی قربانی مقبول ہوتی تھی وہ اس کو جلا دیتی تھی اور جس کی قربانی مقبول نہ ہوتی تھی اس کو آگ چھوڑ دیتی تھی پس ان لوگوں نے حضرت رسالتمآبؐ سے بھی وہی نشانی طلب کی لیکن ارشادِ قدرت ہوا کہ ان کے مزاج اپنے اسلاف کے مزاجوں کے بالکل موافق ہیں اور یہ لوگ ان کے افعال پر بالکل راضی ہیں جب ان کے پاس ہر قسم کے معجزات آئے اور یہی مطلوبہ نشانی بھی ان کے سامنے موجود تھی لیکن ان سب کے باوجود انہوں نے بلا دریغ انبیاء کو قتل کر ڈالا تو ان لوگوں سے کیا توقع ہو سکتی ہے بلکہ یہ صرف بہانے بناتے ہیں۔

الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَاۤ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ

جنہوں نے کہا تحقیق اللہ نے عہد لیا ہے ہم سے کہ نہ ایمان لائیں کسی رسول پر

حَتّٰى یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ

یہاں تک کہ لائے ہمارے پاس قربانی جس کو کھا جائے آگ فرما دیجئے تحقیق آئے تمہارے پاس

رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْ

رسول مجھ سے پہلے واضح نشانیاں لے کر اور ساتھ اس نشانی کے جو تم نے کہی پس کیوں تم نے

هُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ ۱۸۳ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ

ان کو قتل کیا اگر تم سچے ہو پھر اگر آپ کو جھٹلائیں (تو غم نہ کرو)

كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَ

تحقیق جھٹلائے گئے بہت رسول آپ سے پہلے جو لائے تھے واضح نشانیاں اور صحیفے اور

الْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ ۝ ۱۸۴

کتاب روشن

تفسیر برہان میں کافی وعیاشی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے قدریہ اور خوارج پر لعنت بھیجی اور اس کے بعد مرجیہ پر دو دفعہ لعنت کی راوی نے مرجیہ پر دوبارہ لعنت بھیجنے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ہمارے قاتلین کو مومن کہتے ہیں پس تاقیامت ان کے لباس ہمارے خون سے آلودہ رہیں گے جس طرح کہ

رسالتمآبؐ کے زمانہ کے یہودیوں کو انبیاء ماسلف کے قتل کا مجرم قرار دیا گیا ہے حالانکہ قتل کرنیوالوں اور انکے درمیان پانچسو سال کی مدت کا فاصلہ تھا یہ چونکہ ان کے فعل پر راضی تھے۔ لہذا خدا نے ان کو بھی انبیاء کا قاتل فرمایا۔

فَمَنْ زُحْزِحَ:۔ تفسیر برہان میں بروایت تفسیر قمی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ قیامت کے دن جناب رسالتمآبؐ کو گلابی حُلّہ پہنایا جائے گا۔ اور آپ عرش کی دائیں جانب قیام فرمائیں گے پھر حضرت ابراہیمؑ کو سفید حُلّہ پہنایا جائیگا اور وہ عرش کے بائیں جانب کھڑے کئے جائیں گے پھر حضرت علیؑ کو گلابی حُلّہ پہنا کر جناب رسالتمآبؐ کے دائیں طرف جگہ دی جائے گی اور حضرت اسمٰعیلؑ کو سفید حلّہ پہنا کر حضرت ابراہیمؑ کے بائیں جانب کھڑا کیا جائے گا۔ پھر حضرت حسن مجتبیٰؑ کو گلابی حُلّہ میں حضرت علیؑ کے دائیں طرف جگہ ملے گی اس کے بعد حضرت حسین علیہ السلام اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے آئمہ طاہرین علیہم السلام کو گلابی حُلّے ہائے بہشت پہنائے جائیں گے وہ سب بالترتیب ایک دوسرے کے دائیں جانب قیام فرما ہوں گے اور ان کے سامنے ان کے شیعوں کو کھڑا کیا جائے گا پھر جناب فاطمہؑ اور اس کی ذریت اور شیعہ عورتیں آئیں گی پس یہ سب داخل جنّت ہوں گے بلا حساب۔ بطنانِ عرش سے جناب رب العزت کی طرف سے ندا آئے گی اے محمدؐ تیرا بہترین باپ ہے ابراہیمؑ اور بہترین بھائی ہے علیؑ ابن ابی طالب اور بہترین سبط ہیں حسنؑ و حسینؑ اور بہترین جنین ہے محسنؑ اور بہترین آئمہ ہیں تیری ذریت اور ان کا نام لیا جائے گا اور بہترین شیعہ ہیں تیرے شیعہ آگاہ رہو۔ یہی ہیں کامیاب ہونے والے اور اس آیت کا یہی مطلب ہے۔ ملخصًا۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ

ہر نفس چکھنے والا ہے موت کا اور تحقیق تمہیں پورا اجر دیا جائے گا۔

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ

بروز قیامت پس جو بچایا گیا نار سے اور داخل کیا گیا جنت میں

فَقَدْ فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝١٨٥ لَتُبْلَوُنَّ

پس وہ کامیاب ہوا اور نہیں زندگانی دنیا مگر سامان دھوکے کا۔ البتہ تم ضرور

فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں اور اپنے نفسوں میں اور ضرور سنو گے ان سے جنہیں کتاب دی گئی

مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا

تم سے پہلے اور ان سے جو مشرک ہیں اذیت بہت اور اگر صبر و تقوےٰ

وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝١٨٦

اختیار کرو گے تو یہ جواں مردی کا کام ہے

مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۔ مجمع البیان میں ہے کہ جنت میں ایک چھڑی رکھنے کی جگہ دنیا اور اس کی تمام نعمات سے بہتر ہے

اَذًى كَثِيْرًا ۔ یہودی لوگ جناب رسالتمآبؐ کی اور مومنین کی ہجو کرتے تھے اور زبانی اذیتیں دیتے تھے پس خداوندِ کریم ان کو تلقین صبر و تقویٰ فرما رہا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ ۔ کتب سابقہ میں چونکہ جناب محمد مصطفٰےؐ کی رسالت اور دینِ اسلام کی حقانیت کا اعلان تھا لیکن اہلِ کتاب کے علماء رشوتیں اور ہدیئے لے کر چھپانے کے درپے ہوتے تھے پس یہ آیت ان کی مذمت میں اتری۔ بلکہ ہر وہ عالم جو جان بوجھ کر مسائل حقہ پر پردہ ڈالے وہ اس آیت کا مصداق ہو سکتا ہے چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جاہلوں سے خدا نے سیکھنے کا عہد بعد میں لیا اور اہلِ علم پر سکھلانے اور تعلیم دینے کا عہد پہلے لے لیا۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ

اور جب لیا اللہ نے عہد اُن سے جنہیں کتاب دی گئی کہ اس کو ضرور بیان کرو گے لوگوں کے لئے

وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ

اور نہ چھپاؤ گے پس ڈال دیا انہوں نے اس عہد کو اپنی پشت کے پیچھے اور خرید لی اس کے بدلے

ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ

قیمت تھوڑی پس بری ہے وہ چیز جو خرید لیتے ہیں نہ خیال کرو ان کو جو خوش ہوتے

يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ

ہیں ساتھ اس کے جو کیا انہوں نے اور چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسی بات پر جو انہوں نے

يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ

نہیں کی پس نہ خیال کرو وہ نجات یافتہ ہیں عذاب سے اور ان کے لئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

دردناک عذاب ہے اور اللہ کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ ۔ کہتے ہیں کہ علماء یہود کی جب اپنے عوام تعظیم کرتے اور ان کو عالم کہتے تھے تو وہ خوش ہوتے تھے یا یہ کہ منافقین جب جہاد میں حاضر ہونے سے گریز کرتے تھے اور پھر مسلمانوں کے سامنے اپنی عذر خواہی کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ ہمیں سچا مسلمان سمجھا جائے اور ہماری تعریف کی جائے یا یہ کہ خیبر کے یہودی حاضر بارگاہ رسالت ہوئے اور کہا کہ ہم آپ کو پہچانتے اور آپ پر ایمان رکھتے ہیں تو مسلمانوں نے ان کی تعریف کی پس آیت مجیدہ میں خداوند کریم ان کی مذمت فرما رہا ہے اور ظاہر آیت اگرچہ بعض افراد

کو شامل ہے لیکن اس کی تاویل قیامت تک جاری ہے اور جو لوگ ایسی صفات کے حامل ہیں وہ ہر زمانہ میں اس آیت کے مصداق ہوتے جاتے ہیں اور عوام کی بہ نسبت علماء پر ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے اور ان کی بازپرس بہ نسبت عوام کے سخت تر ہوگی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِمَّنْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعُہُ الذِّکْرٰی۔

رکوع ۱۱

توحید

اِنَّ فِیْ اخْتِلَافِ :۔ ۱۔ تفسیر برہان میں ہے مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی ۔ کی تفسیر میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جس شخص کو آسمان و زمین کی خلقت، شب و روز کا اختلاف اور گردش فلک اور شمس و قمر کی رفتار وغیرہ یہ نہ بتا سکیں کہ ان کے پیچھے ایک بڑی قوت کارفرما ہے تو وہ آخرت میں اندھا اور راہ گم کردہ محشور ہوگا۔

۲۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے تھے۔ اپنے دلوں کو فکر سے بیدار کرو۔ رات کو سجدہ میں بسر کرو اور اللہ سے ڈرو

۳۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تمام عبادتوں سے بہتر عبادت ہے اللہ اور اس کی قدرت میں تفکر کرنا

۴۔ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عبادت نماز و روزہ کی زیادتی کا نام نہیں ہے بلکہ عبادت توحید میں تفکر کا نام ہے۔

۵۔ جناب رسالتمآب سے منقول ہے کہ اللہ کے نزدیک اس شخص کی قدر و منزلت زیادہ ہے جو کھانا کم اور فکر زیادہ کرے اور مبغوض ترین انسان وہ ہے جو زیادہ کھا کر سونے میں گذار دے اور فرمایا کہ خلق خدا میں تفکر کیا کرو اور خود ذات خدا میں تفکر نہ کرو کیونکہ

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ

تحقیق پیدا کرنے میں آسمانوں اور زمین کے اور اختلاف شب

وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝۱۹۰ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ

و روز میں (البتہ توحید کی) دلیلیں ہیں صاحبان عقل کے لئے جو یاد کرتے ہیں

اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ

اللہ کو قیام و قعود میں اور پہلوؤں کے بل اور سوچتے ہیں آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا

اور زمینوں کی خلقت کے بارے میں (پھر کہتے ہیں) اے رب تو نے یہ نہیں پیدا کیا بے سود

سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۹۱

تو پاک و منزہ ہے پس ہمیں بچا عذاب دوزخ سے

تمہارے بس سے باہر ہے۔ الحدیث

۶. حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ بہتر انسان کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس کا بولنا ذکر خاموشی فکر اور نظر باعث عبرت ہو۔

۷. حضرت رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی آنکھوں کو عبادت سے حصہ دیا کرو۔ اور وہ یہ کہ قرآن میں نظر کرو اور پھر اس میں فکر کرو اور عجائبات دیکھ کر ان سے عبرت حاصل کرو۔

۸. ابن عباس سے منقول ہے کہ دو مختصر رکعتیں جو فکر سے پڑھی جائیں وہ بد دلی کی رات بھر کی نماز سے بہتر ہیں۔ حضرت لقمان تنہائی پسند تھے چنانچہ ایک دفعہ ان سے کہا گیا کہ آپ تنہا بیٹھا کرتے ہیں اگر لوگوں کے ساتھ بیٹھیں تو وہ آپ کی دل لگی کا باعث ہوگا تو آپ فرماتے تھے کہ تنہائی میں بیٹھنا فکر کے لئے زیادہ مفید ہے اور فکر کی زیادتی جنت کا راستہ ہے (ان احادیث میں فکر سے مراد ہے توحید کے بارے میں فکر کرنا)

۹. حضرت امیر المومنین علیہ السلام ایک خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں حمد اس اللہ کے لئے جس نے اپنی خلق کو اپنے وجود کی اور اپنی حادث مخلوق کو اپنی ازلیت کی دلیل قرار دیا اور مخلوق کی ایک دوسری سے مشابہت کو اس پر دلیل بنایا کہ اس کی شبیہ و مثال کوئی نہیں مشاعر اس کو چھو نہیں سکتے اور پردے اس کو ڈھانپ نہیں سکتے۔ کیونکہ یہ واضح بات ہے کہ صانع اور مصنوع دو الگ چیزیں ہیں حاد محدود سے جدا ہے اور رب مربوب میں فرق ہے۔ وہ یکا و تنہا ہے بغیر تاویل عدد کے وہ خالق ہے بغیر حرکت و کوفت کے سمیع ہے بغیر آلہ کے بصیر ہے بغیر آنکھ کے اور شاہد ہے بغیر مس کے۔ ہر شے سے جدا ہے لیکن نہ ساتھ دوری مسافت کے ظاہر ہے لیکن نہ یہ کہ دیکھنے میں آسکتا ہے اور باطن ہے نہ اس لئے کہ باریکی کی صفت اس میں پائی جائے۔ چیزوں سے الگ ہے کہ اس کا قہر و غلبہ ہر شی پر حاوی ہے اور دوسری چیزیں اس سے جدا ہیں کہ وہ اس کے سامنے خاضع و خاشع ہیں جس نے اس کی وصف کی وصف کو ذات سے الگ مانا) تو گویا اس نے اس کی حد بندی کی اور جس نے حد بندی کی گویا اس نے اس کو معدود جانا اور جس نے معدود جانا اس نے اس کی ازلیت کی نفی کی جو یہ کہے کہ وہ کیا ہے، تو گویا وہ اس کو موصوف جانتا ہے یعنی صفت کو ذات سے الگ تصور کرتا ہے جو یہ کہے کہ وہ کہاں ہے۔ تو وہ گویا اسے مکان کا پابند سمجھتا ہے۔ وہ اس وقت سے عالم ہے۔ جب معلوم کا وجود نہ تھا۔ وہ اس وقت سے رب ہے جب مربوب کوئی نہ تھا۔ اور وہ اس وقت سے قادر ہے جب کسی مقدور کا صفحہ ہستی پر نام و نشان نہ تھا۔

۱۰. مجمع البیان میں تفسیر ثعلبی سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ رات کو اٹھ کر مسواک کر کے یہ آیات پڑھا کرتے تھے اور نیز آپ سے مروی ہے کہ ویل ہے اس شخص کے لئے جس نے ان آیتوں کو صرف منہ میں چبایا اور فکر نہ کیا۔

دلیل بر وجود خدا

انسان جب آسمان و زمین کے وجود اور ان میں نت نئے حادث ہونے والے عجائب و غرائب کا مطالعہ کرے تو یقین پیدا ہوتا ہے کہ جو چیز حوادث کا محل و مقام ہے وہ خود بھی حادث ہے تو ماننا پڑے گا کہ آسمان و زمین کا وجود ازلی نہیں بلکہ ایک وقت میں یہ نہ تھے اور پھر ہو گئے لہذا ضروری ہے کہ ان کو کسی نے پیدا کیا ہو پس

ان کا حدوث و وجود ان کے خالق کے وجود کی دلیل ہے جو قادر ہے اور ان کے وجود میں عجیب و غریب مصالح اور ان کا نظم و نسق خالق کے علم و حکمت کی ناقابلِ تردید برہان ہے اور نیز ان کا حدوث خالق کے قدم کا پتہ دیتا ہے کیونکہ اگر وہ بھی حادث ہو تو اس کے لئے ایک اور موجد کی ضرورت ہو گی اور یہ سلسلہ غیر متناہی چلے گا پس انتہا ایک ایسے موجد پر ہو گی جو قدیم ہو۔

اسی طرح شب و روز کا اختلاف بھی وجودِ خدا کی دلیل ہے کیونکہ ایک مقدارِ معین پر دن و رات کا تعاقب جس سے کبھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتے پھر بلحاظ موسم ایک کا بڑھنا اور دوسرے کا گھٹنا اس طرح کہ بڑھنے والے کی زیادتی گھٹنے والے کی کمی سے برابر ہی ہوتی ہے اور یہ سلسلہ کبھی کم و بیش نہیں ہوتا پس یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ان کا صانع قادر حکیم دانا و بینا ہے۔

نہایت مناسب ہے کہ اس مقام پر دورِ حاضر کے ایک مفکر کے نتائج فکر کو پیش کر دوں چنانچہ ایک پروفیسر اس عنوان پر کہ "کیا زمین پر زندگی کی نمود محض اتفاق ہے؟" لکھتا ہے۔

عصر جدید سائنس کا دور ہے اگرچہ آفتابِ سائنس ابھی طلوع ہوا ہے تاہم ہر نئی دریافت یہ تصدیق کرتی ہے کہ یہ دنیا کا تخلیقی کارنامہ ایک حکیم مطلق یعنی خالق و پروردگار کا ہی مرہونِ منت ہے، ڈاروِن کے بعد کی اس ایک صدی میں انسان نے عظیم الشان ایجادات کی ہیں اور ہم ایک ایسے سرچشمۂ علم سے بہرہ یاب ہوئے ہیں جہاں سائنس اپنے عجز کے اقرار کے ساتھ ہمارا ایمان کو مستحکم کرتی ہے اور ہم خدا کی حقیقت کے قریب سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ مشاہدۂ قدرت اور جدید سائنسی علوم (ریاضی، طبیعیات، جغرافیہ، فلسفہ اور علم حیوانات وغیرہ) سے ان چند دلائل نے میرے خدا پر ایمان کو تازہ کر دیا ہے شائد آپ بھی ان سے اتفاق کریں۔

۱۔ حساب کے لاثانی قانون کی رو سے ہم ثابت کرتے ہیں کہ ہماری یہ کائنات ایک عظیم انجینئر کے ہاتھوں سے ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتی تھی فرض کیجئے آپ دس سکے لے کر ان پر ترتیب وار ایک سے دس تک ہندسے لکھ دیتے ہیں اور انہیں ملانے کے بعد جیب میں ڈال لیتے ہیں۔ اب آپ انہیں اس ترتیب سے نکالنے کی کوشش کریں کہ پہلے نمبر ایک آئے پھر نمبر دو پھر علی الترتیب نمبر دس نکلے اور ہر سکہ نکالنے کے بعد اسے جیب میں ڈال کر ملاتے رہیں، حساب کی رو سے ہم جانتے ہیں کہ ان دس سکوں میں سے نمبر ایک کو پہلی دفعہ نکالنے کی کوشش کریں تو اس کا امکان ۱/۱۰ ہے۔ اگر نمبر ایک اور نمبر دو کو ترتیب وار نکالنے کی کوشش کریں تو اس کا امکان ۱/۱۰۰ ہے۔ اسی طرح ایک دو، تین کو ترتیب وار نکالنے کے لئے ہزار میں سے ایک دفعہ کا امکان ہے لیکن ایک سے دس تک تمام سکوں کو ترتیب سے نکالنے کے لئے امکان کس حد تک ہے؟ شائد ایک ارب دفعہ میں صرف ایک اس توجیہ سے ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ ہماری زمین پر زندگی برقرار رکھنے کے لئے کڑی شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ البتہ ان میں توازن و تناسب ناگزیر ہے زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چکر لگاتی ہے اگر یہ سو میل کی رفتار پر آ جائے تو ہمارے دن رات موجودہ وقت سے دس گنا بڑھ جائیں گے اور سورج کی تمازت دنیا کے سبزے کی پتی پتی کو جلا کر راکھ کر دے گی اگر کوئی سخت جان دار بچ بھی گئی تو یخ بستہ طویل رات اسے ختم کر دے گی۔

سورج جو ہماری زندگی کے لئے ایک لازمہ کی حیثیت رکھتا ہے اس کی اوپر کی سطح کا درجہ حرارت بارہ ہزار فارن ہیٹ ہے ہماری زمین اس سے اتنی دور ہے کہ یہ ازلی ابدی آگ کی بھٹی ہمیں مناسب گرمی دیتی ہے۔ اگر یہ اس سے آدھی حرارت دے تو ہم برفاب ہو جائیں اور اگر یہ اس سے آدھی حرارت تیز کر دے تو کباب ہو جائیں۔

ہماری زمین ۲۳ درجہ عمود سے جھکی ہوئی ہے۔ اسی سے ہمارے موسم بنتے ہیں اگر یوں نہ ہوتا تو سمندروں سے اٹھنے والے بخارات شمالاً جنوباً ہر سمت میں برف کے براعظم بنا دیتے اگر چاند موجودہ فاصلہ سے صرف پچاس ہزار میل دور ہوتا تو سمندروں میں اتنا شدید مدوجزر پیدا ہوتا کہ دو روز میں سارے براعظم طوفان نوح کی داستان دہراتے حتیٰ کہ ہمالیہ کی چوٹیاں بھی غرقاب ہو جاتیں۔ اگر سطح زمین کا چھلکا صرف دس فٹ موٹا ہوتا تو یہاں آکسیجن نہ مل سکتی جس کے بغیر زندگی موت بن جاتی اگر سمندر موجودہ گہرائی سے زیادہ عمیق ہوتا تو کاربن ڈائی اکسائیڈ اور آکسیجن اتنے زیادہ صرف ہو جاتے کہ نباتات کا قلع قمع ہو جاتا اور اگر زمین کے گرد فضا کا ہالہ اتنا کثیف نہ ہوتا تو کائنات میں روزانہ لاکھوں کی تعداد میں ٹوٹنے والے شہاب ثاقب زمین کو چاروں طرف سے آگ لگا دیتے اسی طرح اور بیسیوں مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ کروڑ میں سے ایک مرتبہ بھی یہ امکان نہیں ہے کہ ہماری زمین پر زندگی کی نمود محض اتفاق ہے بلکہ اسے ایک سوچی سمجھی سکیم کے مطابق تیار کیا گیا ہے اور یہ سکیم کسی حکیم و دانا عقل کل، کے وجود پر دلالت کرتی ہے (یعنی وجود خالق) اس کے بعد اور دلیلیں بھی ہیں لیکن یہاں صرف اسی پر اکتفا کی جاتی ہے)

رَبَّنَا اِنَّكَ:۔ اس میں شک نہیں کہ جو شخص عذاب خدا میں گرفتار ہو اس سے بڑھ کر ذلیل کون ہو سکتا ہے، اور صرف جہنم میں داخل ہونا ذلت و رسوائی کے لئے کافی ہے اگرچہ پھر شفاعت کی بدولت اسے نکال بھی لیا جائے جس طرح کہ مجمع البیان میں صحیح بخاری سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا بعض گنہ گاروں کو شفاعت پہنچے گی اور جہنم سے نکال لئے جائیں گے اور اہل جنت ان کو جہنمی کے نام سے پکاریں گے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب ان کو جہنم سے نکالا جائے گا تو کوئلے کی طرح سیاہ ہو چکے ہوں گے پس ان کو ایک نہر میں ڈالا جائے گا جسے نہر حیات کہتے ہیں تو ان کا گوشت پوست نیا اُگ آئے گا۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ط وَ

اے رب تو جسے داخل کرے آگ میں تو تحقیق تو نے اسے ذلیل کیا اور

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝۱۹۲ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا

ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اے رب ہمارے تحقیق ہم نے سنا ایک پکارنے

يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ق رَبَّنَا

والا جو بلاتا ہے ایمان کی طرف کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر۔ پس ہم ایمان لائے۔ اے رب ہمارے

رَبَّنَا اِنَّنَا:۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ منادی سننے والے حضرت علی علیہ السلام تھے (البرہان)

ان آیات کے نزول کے متعلق مروی ہے کہ جب حضرت ابوطالبؑ کے انتقال کے بعد آپ کو ہجرت کا حکم ہوا تو آپ نے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سلایا اور فرمایا کہ پردہ داروں کو لے کر آنا صبح کو جب قریش ناکام واپس گئے تو حضرت علیؑ پردہ داروں کو لے کر روانہ ہوئے جب ابوسفیان کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے ایک حبشی غلام کو عقب میں روانہ کیا تاکہ حضرت علیؑ کو مستورات کے ہمراہ لے جانے سے روکے چنانچہ جب یہ حبشی غلام پہنچا اور ابوسفیان کا پیغام پہنچایا تو آپ نے اس کو ہٹ جانے کو کہا لیکن یہ باز نہ آیا پس آپ نے ایک جنبش یداللّٰہی سے اُسے واصلِ جہنم کیا اس کے بعد ابوسفیان خود آیا اور اس نے اپنے غلام کو مقتول پایا پھر حضرت علیؑ کو مستورات کے ہمراہ لے جانے سے منع کیا حضرت علیؑ اور ان کے درمیان ایک جھڑپ بھی ہوئی۔ آخر کار ابوسفیان ناکام واپس چلا گیا اور حضرت علیؑ اور ان کے ہمراہی چونکہ جنگ و جدال کی وجہ سے خستہ ہو چکے تھے لہٰذا ایک مقام پر قیام کیا اور تمام رات اللہ کی عبادت میں مصروف رہے۔ کوئی کھڑے ہو کر کوئی بیٹھ کر اور کوئی پہلو کے بل لیٹ کر حمد و شکرِ خداوند بجا لاتے رہے اور آخر کار بخیر و عافیت داخلِ مدینہ ہوئے اور ان کے پہنچنے سے پہلے جبرئیل یہ آیات لے کر نازل ہوا اور حضور نے پڑھ کر سنائیں۔ حضرت علیؑ کے ہمراہ عورتوں میں سے جناب فاطمۃ الزہراؑ فاطمہ بنت اسدؑ اور فاطمہ بنت زبیر تھیں اور بعد میں ام سلمہ بھی پہنچ گئی تھیں۔

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ

پس بخش دے ہمارے گناہ اور دور کر ہم سے ہماری برائیاں اور ہمیں لے ساتھ

الْأَبْرَارِ ۝۱۹۳ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ

نیکوں کے اے رب ہمارا اور دے ہمیں وہ جو تو نے ہم سے وعدہ فرمایا بذریعہ اپنے رسولوں

وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝۱۹۴

کے اور ہمیں نہ ذلیل کرنا بروز قیامت تحقیق تو نہیں خلاف وعدہ کرتا

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ إِنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ

پس ان کی دعا قبول کی ان کے رب نے کہ تحقیق میں نہیں ضائع کرتا تم میں سے کسی عامل کا عمل

مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ ج فَالَّذِينَ

خواہ مرد ہو یا عورت تم ایک جیسے ہو پس وہ لوگ

فَاسْتَجَابَ: تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت ام المومنین ام سلمہؓ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی تھی کہ ہجرت کے موقعہ پر صرف مردوں کا ذکر کیا جاتا ہے حالانکہ ہم عورتوں نے بھی ہجرت کی لیکن ان کا کہیں ذکر نہیں ہوتا تو خداوند کریم نے اس آیت مجیدہ میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی ذکر فرمایا۔

بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ: یعنی نصرت دین اور سوالات میں تم سب کا ایک حکم ہے کیونکہ تم سب صفت ایمان میں یکساں ہو

اور علامہ طبرسیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت مجیدہ میں تشویق و تحریص موجود ہے کہ مومن گذشتہ آیات والی دعاؤں کو پڑھتے رہیں کیونکہ جن لوگوں نے یہ دعائیں پڑھی تھیں ان کی مدح و ثنا بھی فرمائی اور ان کی دعا کو مستجاب بھی فرمایا۔

حُسْنُ الثَّوَابِ:۔ یعنی اللہ کے پاس اعمال کی وہ جزا موجود ہے جس کی وصف و ثنا کوئی زبان کر ہی نہیں سکتی وہ ایسی ہوگی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی بشر کے دل پر اس کا خطورہ ہوا ہوگا۔ کیونکہ اخروی نعمات ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک صاف ہوں گی۔ تفسیر برہان میں ہے کہ اس آیت مجیدہ کے مصداق حضرت امیر علیہ السلام حضرت سلمان حضرت ابوذر اور حضرت عمار ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ بوقت نزول آیت یہ لوگ تھے ورنہ تاقیامت ایسی صفات والے مومنین اس آیت کے صحیح مصداق ہوتے چلے جائیں گے۔

هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي

جنہوں نے ہجرت کی اور نکالے گئے اپنے گھروں سے اور اذیت دیئے گئے

سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُ

میرے راستے میں اور لڑے اور مارے گئے البتہ ضرور میں دور کروں گا ان سے ان کے گناہ اور ان کو

دْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا

داخل کروں گا ایسے بہشتوں میں کہ جاری ہوں گی ان میں نہریں یہ بدلا اللہ

١٩٥ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝

کی طرف سے اور اللہ کے نزدیک بہترین بدلہ ہے۔

١٩٦ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝

نہ دھوکا دے تم کو آمد و رفت ان کی جو کافر ہیں شہروں میں

١٩٧ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

نفع تھوڑا ہے پھر ان کی بازگشت جہنم ہے اور برا ٹھکانا ہے

لَا يَغُرَّنَّكَ۔ تفسیر صافی میں مروی ہے کہ بعض مسلمان جب کافروں کو آسودہ زندگی اور خوشحالی میں دیکھتے تھے تو کہتے تھے یہ دشمنان خدا کیسے آسودہ حال ہیں اور ہم بھوک سے مر رہے ہیں۔ ان کی تسلی کے لئے یہ آیت اتری اور ظاہری خطاب اگرچہ حضرت رسالتمآبؐ کی طرف ہے لیکن اس سے مراد امت کے افراد ہیں۔

مَتَاعٌ قَلِيلٌ۔ دنیا کی زندگی کو متاع قلیل اس لئے فرمایا کہ خواہ زندگی کتنی ہی پر از عیش اور طویل ہو آخر اس نے ختم ہو جانا ہے۔ اور آخرت کی زندگی اور اس کی نعمات ابدیہ کے مقابلہ میں اس کا کوئی مقام ہی نہیں۔ کافر خواہ کتنی ہی نعمت میں ہو آخرت کے عذاب کا جب دروازہ کھلے گا تو اس کو تمام نعمتیں بھول جائیں گی۔ اور مومن خواہ کتنی ہی تکلیف میں مبتلا ہو جب مرنے کے وقت

جنّت کا دروازہ اس کے سامنے باز ہو گا تو اس کی تمام تکلیفیں رفع ہو جائیں گی اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّۃُ لِلْکَافِرِ یعنی دنیا مؤمن کے لئے قید اور کافر کے لئے جنّت ہے مؤمن اگر دنیا میں آسودہ حال بھی ہو جنّت کی نعمات کے مقابلہ میں اسے قید خانہ سمجھے گا اور کافر دنیا میں اگر بدحال بھی ہو لیکن جہنّم کے مقابلہ میں اسے جنّت سمجھے گا۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ کافر و مؤمن ہر دو کیلئے موت بہتر ہے مؤمن کے لئے تو اس واسطے کہ وہ جنّت میں جا پہنچے گا اور کافر کے لئے اس واسطے کہ آئندہ کی زندگی میں جو اس نے نافرمانی کرنی تھی اس سے بچ جائے گا۔ اور اسی قدر عذاب سے وہ نجات پا لے گا۔

وَاِنَّ مِنْ ۔ اس آیت مجیدہ کے شان نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ بادشاہ حبشہ جس کا نام عطیہ تھا جب فوت ہوا تو جبرئیل نے آکر خبر دی آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تمہارا مؤمن بھائی مر چکا ہے۔ چلو نماز جنازہ پڑھیں چنانچہ آپ بمعہ صحابہ کے بقیع میں تشریف لائے ۔ مدینہ سے لے کر حبشہ تک آپ کے سامنے سے ظاہری حجاب ہٹا دیئے گئے کہ آپ بادشاہ نجاشی کا جنازہ دیکھ رہے تھے پس آپ نے نماز پڑھائی تو منافقین نے بزبانِ طعن کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو ایک نصرانی کافر کا جنازہ پڑھ رہے ہیں۔ تب یہ آیت

لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا

لیکن وہ لوگ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے ان کے لئے باغات ہیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ

ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں مہمانی ہے اللہ کی جانب سے اور جو کچھ

خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝ ۱۹۸ وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ

اللہ کے پاس ہے بہتر ہے نیکوں کے لئے۔ اور تحقیق بعض اہل کتاب ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور جو

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ خٰشِعِیْنَ لِلّٰہِ لَا

کچھ نازل ہوا تمہاری طرف اور جو کچھ نازل ہوا ان کی طرف خشوع کرتے ہوئے اللہ کے لئے نہیں

یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ

لیتے آیات خداوندی کے بدلے قیمت تھوڑی۔ ان لوگوں کے لئے ان کا اجر ہے

عِنْدَ رَبِّھِمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝ ۱۹۹ یٰٓاَیُّھَا

نزدیک ان کے رب کے تحقیق اللہ جلدی حساب لینے والا ہے اے

الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰہَ

ایمان والو صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو۔ اور ثابت قدم رہو اللہ سے ڈرو

لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ۲۰۰

اللہ سے تا کہ تم فلاح پا جاؤ

نازل ہوئی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہودیوں کی جماعت کے حق میں اتری جو اسلام لائے تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ تمام اہل کتاب جو مومن ہوئے یہ آیت ان کو شامل ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ تفسیر برہان میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حکم صبر سے مراد ہے فرائض پر صبر کرنا اور مصائب میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا اور آئمہ کی محبت میں ثابت قدم رہنا۔

ایک دوسری روایت میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ مصائب میں صبر کرو اور زمان تقیہ میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور جن کی انتظار کرنے ہو ان کے لئے ثابت قدم رہو۔

مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباس نے اس آیت مجیدہ کی تفسیر طلب کرنے کے لیے ایک شخص کو امام علی زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب سائل نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ آیت میرے باپ اور ہمارے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اور وہ رباط جس کا آیت مجیدہ میں حکم ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہ تھا ہاں ہماری نسل سے مرابطہ کرنے والے ہوں گے۔ واپس جا کر ابن عباس کو کہنا کہ تیری نسل سے ایک ذریت نکلے گی جو آتش جہنم کے لئے پیدا ہو گی۔ وہ اللہ کے دین سے لوگوں کی جماعتوں کو خارج کریں گے اور آل محمد کے بچوں کے خون سے زمین خدا کو رنگین کریں گے۔ اور ایمان والوں سے لڑیں گے۔

وَرَابِطُوْا۔ رباط کا اصل مفہوم تو یہ ہے کہ اسلامی سرحدوں پر حفاظت کے لئے مجاہدین کو ڈٹے رہنا اور ان سرحدوں پر ثابت رہنے والوں کو مرابط کہا جاتا ہے لیکن تفسیر معصومینؑ میں اس وقت رَابِطُوْا کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اپنے امام وقت کی نصرت کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھو اور ان کی تمام احکام میں اطاعت کرو اور خدا کی نافرمانی سے بچو۔ چنانچہ چند احادیث بیان کی جا چکی ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے قرائن ہیں جو خانوادۂ عصمت سے اس بارہ میں وارد ہوئے ہیں۔

اور امام علی زین العابدین علیہ السلام نے تاویل کے طور پر ایک فرد بیان فرما دیا جو اس آیت کا اپنے زمانہ میں مصداق حقیقی تھا۔ ورنہ یہ آیت بلکہ قرآن مجید کی تمام آیتیں قیامت تک کے لئے ہیں اور قیامت تک ان کے مصداق آتے رہیں گے جیسا کہ ہم نے مقدمہ تفسیر میں اس کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

مجمع البیان میں مرابطہ سے مراد بعض اقوال کی رو سے نمازوں کی یکے بعد دیگرے انتظار اور ان کی پابندی لی گئی ہے چنانچہ جناب رسالتمآبؐ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ سے افضل اعمال کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا۔ وضو کا کامل کرنا۔ نماز جماعت کی طرف قدم بڑھانا۔ اور نمازوں کی یکے بعد دیگرے انتظار کرنا اور یہی مرابطہ ہے۔

آج بحمد اللہ بروز اتوار بوقت ساڑھے تین بجے بعد دوپہر، ۱جمادی الثانیہ ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۶ نومبر ۱۹۶۱ء سورہ آلِ عمران کی تفسیر سے فارغ ہوا اور خداوند کریم سے دست بدعا ہوں کہ بحق محمدؐ و آل محمدؐ و آلہ الطاہرین مجھے پورے قرآن کی تفسیر پر موفق فرمائے اور اس سلسلہ میں حائل شدہ جمیع جانی و مالی رکاوٹوں کو دور کرے۔ وہ دعاؤں کو قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اس کے بعد سورۂ نساء کی تفسیر شروع ہو گی۔

وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِیْنُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّاهِرِیْنَ

تفسیر

سورۂ نسآء

یہ سورہ مدنی ہے۔ اور اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے علاوہ ایک سو چھیتر (۱۷۶) آیات اور چوبیس (۲۴) رکوع ہیں۔ تفسیر برہان میں عیاشی سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے فرمایا۔ کہ جو شخص سورۂ نسآء کی ہر جمعہ کو تلاوت کرے وہ فشارِ قبر سے نجات پائے گا

maablib.org

رکوع ۱۲

حکمِ تقویٰ

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ۔ خداوند کریم نے آیت مجیدہ میں عامۃ الخلق کو تقویٰ کا حکم دیا اور اپنے عمومی احسان کو بطور علت کے پیش فرمایا۔ پہلے پہل نعمتِ خلق کو ذکر فرمایا اور اس میں شک نہیں کہ نعمت وجود باقی تمام نعمتوں کا سرچشمہ ہے پس جس خالق نے انسان کو کتم عدم سے خلعت وجود مرحمت فرمایا وہ سزاوار ہے کہ اس کی کماحقہٗ اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانیوں سے گریز کیا جائے کیونکہ انسان بلاشک عبد ہے اور وہ مولیٰ ہے اور عبد کے لئے کسی صورت میں اپنے مولیٰ کی مخالفت جائز نہیں اور عقل کا اٹل فیصلہ ہے کہ شکرِ منعم واجب و لازم ہوا کرتا ہے پھر تمام انسانوں کو ایک نفس سے خلق فرمانا اس کی کمال قدرت کی دلیل ہے اور حکمت الٰہیہ یہ ہے کہ کروڑوں نفوس انسانی صفحۂ وجود میں آئے لیکن صرف چہرہ کی طرف اگر غور کیا جائے تو ایک بالشت کی لمبائی چوڑائی سے اس کا رقبہ زیادہ نہیں اور اسی مختصر سے ٹکڑے میں اس قادرِ مطلق نے اس قدر لاتعد و لاتحصیٰ نقوش و نگارشات تفویض فرمائے ہیں کہ ہر چہرہ دوسرے چہرہ سے ممتاز ہے۔ ہر کی شکل و نقش دوسرے سے الگ ہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا کاریگر اتنے مختصر سے ٹکڑے میں اس قدر مختلف نقوش اور جدا جدا اشکال قطعاً پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اسی قادرِ مطلق اور حکیم بے مثل کی صانعیت کا طرۂ امتیاز ہے جو علی الاطلاق تشکر و حمد کا سزاوار ہے۔ صرف چہرہ نہیں بلکہ انسان کے تمام اعضا کی خصوصیات ایک دوسرے سے جداگانہ ہوتی ہیں اسی طرح ہر انسان کا مزاج مختلف اور قوائے باطنیہ میں اختلاف حتیٰ کہ صفحۂ ہستی پر قدم رکھنے والوں میں سے کوئی انسان کسی دوسرے انسان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو رحمٰن رحیم ہے

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ

اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے تمہیں پیدا کیا ایک

نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا

نفس سے اور پیدا کیا اسی (کی جنس) سے اس کی عورت کو اور پھیلائے ان دونوں سے

رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ

مرد بہت اور عورتیں اور ڈرو اللہ سے جس کا ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو

بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ○

اور رحم سے (قطع رحمی نہ کرو) تحقیق اللہ تم پر نگہبان ہے

کے ساتھ ہر حیثیت سے ایک جیسا نہیں پایا جاتا اور یہ اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ شاملہ کی بیّن دلیل ہے جو انسان کو تقویٰ کی طرف ہر وقت دعوت دے رہی ہے۔

حضرت حوّا کی پیدائش

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا: اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے عام لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ حضرت حوّا حضرت آدمؑ کی بائیں جانب کی پسلی سے پیدا ہوئی تھی لیکن اس کے متعلق تفسیر کبیر رازی میں ابو مسلم اصفہانی سے اس کی تحقیق یہ بیان کی ہے کہ مِنْهَا سے مراد ہے مِنْ جِنْسِهَا اور اس کے استشہاد میں متعدد آیاتِ قرآنیہ موجود ہیں چنانچہ فرماتا ہے جَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا۔ (یعنی اس نے بنائیں تمہارے نفسوں سے تمہاری بیویاں) اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہر شخص کی بیوی اس کے نفس سے پیدا ہوئی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ تمہاری بیویاں تمہاری جنس سے خدا نے پیدا کیں۔ نیز ارشاد فرماتا ہے کہ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ (انہیں میں سے ان میں رسول بھیجا) اس مقام پر یقیناً مِنْهُمْ سے مراد مِنْ جِنْسِهِمْ یا مِنْ قَوْمِهِمْ ہے یعنی خدا نے ان کی جنس یا ان کی قوم میں سے ان میں اپنا رسولؐ مبعوث فرمایا۔

اس مقام پر شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا۔ اگر حضرت حوّا کی تخلیق جدا ہوتی تو اس طرح ہوتا کہ تمہیں دو نفسوں سے پیدا کیا گیا تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ لفظ مِنْ اس مقام پر ابتدائے غایت کے لئے ہے اور چونکہ خلقت میں حضرت آدمؑ اوّل تھے اس لئے کہا گیا کہ تمہاری ابتداء ایک نفس سے ہوئی نیز جب خدا کی قدرتِ کاملہ کی یہ شان ہے کہ حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کر سکتا ہے۔ تو کیا حضرت حوّا کی پیدائش کے وقت اس میں وہ قدرت نہ تھی کہ اس کو بھی علیحدہ مٹی سے پیدا کر لیتا۔ حضرت حوّا کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کرنے کی کونسی ضرورت لاحق تھی؟ اور خواہ مخواہ باپ بیٹی بنا کر ان میں سلسلۂ نکاح قائم کرنے میں کونسی مصلحت کارفرما تھی؟ تفسیر برہان میں ہے ایک طویل روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا زرارہ نے سوال کیا کہ لوگوں کا خیال ہے۔ خدا نے حضرت حوّا کو حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے خلق فرمایا۔ تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ! کیا خدا میں قدرت نہ تھی کہ حضرت حوّاؑ کو حضرت آدمؑ کی پسلی کے علاوہ الگ مادہ سے خلق فرماتا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ دشمنانِ اسلام کو یہ کہنے کا موقعہ دیتے ہیں کہ آدمؑ کا نکاح اپنی ایک جزو سے تھا پس خدا ہی ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا نے جب آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور فرشتوں سے اس کا سجدہ کرایا پس اس پر نیند کو غالب کیا اور پھر حضرت حوّا کو علیحدہ خلق فرمایا جب حضرت آدمؑ بیدار ہوئے اور حوّا کو پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ تو کون ہے؟ تو حوّا نے جواب دیا میں مخلوقِ خدا ہوں اور مجھے بھی اس نے پیدا کیا ہے۔ پس خدا نے ان دونوں میں رشتۂ نکاح قائم کیا۔ مختصراً

تفسیر صافی میں بروایت عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ خدا نے حوّا کو کس چیز سے خلق فرمایا؟ آپ نے فرمایا اس بارے میں لوگ کیا کہتے ہیں؟ راوی کہتا ہے میں نے کہا کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی آپ نے فرمایا وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ کیا خدا عاجز تھا کہ بغیر پسلی کے اس کو کسی چیز سے پیدا کرتا؟ پھر فرمایا مجھے اپنے آباء طاہرین علیہم السلام سے خبر پہنچی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو مٹی سے خلق فرمایا اور اس سے جو مٹی بچی اس سے حضرت حوّا کو پیدا کیا اور بروایت علل بھی آپ سے اسی طرح منقول ہے کہ حضرت آدمؑ کی بقیہ مٹی سے حوّا کو پیدا کیا گیا۔ نیز ایک روایت میں ہے کہ بائیں پسلی سے

جو مٹی بچی تھی حضرت حوا کو اس سے پیدا کیا گیا۔ فقیہ سے منقول ہے کہ جس روایت میں کہا گیا ہے۔ کہ حضرت حوا حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی وہ روایت صحیح ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بائیں پسلی سے بچی ہوئی مٹی سے حضرت حوا کی تخلیق ہوئی۔ بہرکیف جن روایات میں یہ ملتا ہے کہ حضرت حوا کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا گیا ان کا مطلب یہی ہے جو بیان کیا جا چکا ہے پس اس لحاظ سے خَلَقَ مِنْهَا کا معنی یہی ہوگا کہ اس کی بقیہ مٹی سے حوا کو پیدا کیا گیا مِنْهَا یعنی مِنْ بَقِيَّةِ تُرَابِهَا اور ابو مسلم اصفہانی کے قول کے مطابق ہوگا مِنْ جِنْسِهَا اور ان دونوں کا مآل ایک ہے۔

سلسلۂ اولادِ حضرت آدمؑ

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا الخ اس مقام پر ایک اور اشتباہ ہے اور وہ یہ کہ حضرت آدمؑ کی اولاد کا بھائیوں اور بہنوں میں نکاح ہوا اور ان سے تمام بنی آدمؑ بالترتیب پیدا ہوئے۔ خاندان عصمت سے بھی اس بارے میں سوالات ہوتے رہے چنانچہ انہوں نے فیصلہ کن جوابات ارشاد فرمائے۔ تفسیر برہان اور تفسیر صافی وغیرہ میں معصومین علیہم السلام سے کافی روایات منقول ہیں۔ حضرت صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ حضرت آدمؑ کی نسل کس طرح بڑھی اور کہا گیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو وحی کی تھی کہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے درمیان رشتۂ نکاح قائم کرے اور یہ تمام انسان بھائی بہنوں کے نکاح کی پیداوار ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ سبحان اللہ۔ کیا لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا کی تمام برگزیدہ مخلوق نبی رسولؐ ولی مومن اور تمام اہل اسلام وغیرہ حرام کی پیداوار ہیں؟ کیا خدا کو قدرت نہ تھی کہ وہ ان کو حلال سے پیدا کرتا؟ حالانکہ تمام مخلوق سے اس نے خود حلال کا عہد لیا۔ خدا کی قسم مجھے بیان کیا گیا ہے کہ کسی حیوان کے سامنے اس کی بہن [illegible] سری شکل میں پیش کی گئی جب وہ اس سے جفتی کرنے لگا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ میری بہن ہے تو فوراً اس [illegible] اپنا آلہ اس کی شرمگاہ سے نکال لیا۔ اور غصہ سے اپنے آلہ کو دانتوں سے کاٹ دیا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی اور آپ نے فرمایا بعض حیوانات کو اپنی ماں کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا۔ اور جب حیوانات کی یہ حالت ہے تو انسان اپنی انسانیت اور علم و فضل کے باوجود اس فعل شنیع کا کیسے مرتکب ہو سکتا ہے ہاں لوگوں کے ایک گروہ نے خاندان نبوت [illegible] سے منہ پھیر لیا اور انہوں نے یہ چیزیں ان لوگوں سے حاصل کیں جن سے لینے کے لئے وہ مامور نہیں تھے جس کے نتیجے میں وہ جہالت اور گمراہی کے اندھیروں میں مبتلا ہو گئے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے خلقت آدمؑ سے دو ہزار برس قبل لوح محفوظ پر قیامت تک کے ہونے والے جملہ احکام ثبت کر دیئے اور اس میں تمام فقہائے عراق و حجاز میں سے کسی کو مجال انکار نہیں ہے۔ اور اس بہن بھائی کے نکاح کی حرمت پر بھی قلم قدرت جاری ہو چکی ہے۔ تورات موسیٰؑ پر انجیل عیسیٰؑ پر زبور داؤدؑ پر اور قرآن حضرت محمد مصطفیٰؐ پر نازل ہوا اور ان میں کسی کتاب میں یہ فتوےٰ نہیں ہے۔ جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں وہ مجوسیوں کے قول کو قوت دیتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت ہابیل کو قابیل نے قتل کر دیا تو پانچ سو برس تک حضرت آدمؑ نے حوا کے قریب جانا چھوڑ دیا اور ہابیل کے غم میں روتے رہے۔ اس کے بعد جب مقاربت ہوئی تو خداوند کریم نے آپ کو شیث عطا فرمایا جس کا نام ہبۃ اللہ ہے اور یہ انسانوں میں پہلا وصی ہے اس کے بعد حضرت کا دوسرا فرزند یافث پیدا ہوا جب یہ جوان ہوئے تو سلسلۂ نسل کو آگے بڑھانے اور بھائی بہنوں کے نکاح سے بچنے کے لئے پہلے خدا نے عصر کے بعد بروز خمیس جنت سے ایک حور بھیجی جس کا نام برکہ یا نزلہ تھا۔ اور وحی ہوئی کہ اس کا نکاح شیث سے کیا جائے۔ پھر دوسرے روز عصر کے بعد دوسری حور جنت سے آئی جس کا نام برکہ یا منزلہ تھا اور اس کا نکاح یافث سے ہوا۔ پھر ان سے سلسلہ

نسل جاری ہوا اور پہلے بطن میں شیث کا لڑکا اور یافث کی لڑکی ہوئی تھی اور ان کے باہمی نکاح سے نبی و مرسل پیدا ہوئے اور بھائیوں اور بہنوں کا نکاح بالکل غلط ہے اور بے بنیاد بات ہے۔ عیاشی سے ایک روایت منقول ہے کہ حضرت آدمؑ کے چار لڑکے ہوئے اور چاروں حوروں سے ان کا نکاح ہوا اور ان سے اولاد ہوئی۔ پھر حوروں کو اٹھالیا گیا اور ان کی بجائے قوم جن کی چار عورتوں سے ان کے نکاح ہوئے اور نسل اس طرح آگے چلی پس انسانوں میں حلم حضرت آدمؑ سے اور جمال حوروں سے اور بد عادات قوم جنات سے آرہی ہیں۔

ایک روایت میں ہے، فرزند آدمؑ حضرت ہبۃ اللہ (شیث) کی شادی حور سے ہوئی جس سے چار لڑکے پیدا ہوئے اور حضرت آدمؑ کے دوسرے فرزند کی شادی قوم جن میں ہوئی جس سے چار لڑکیاں پیدا ہوئیں اور پھر آپس میں رشتے کیے گئے اور اولاد بڑھی۔ ایک روایت میں ہے کہ ہبۃ اللہ کے چار لڑکے حور سے ہوئے اور ان چار لڑکوں کے لیے ایک مسلمان جن کی لڑکیاں نکاح میں لائی گئیں۔ اور ان سے اولاد بڑھی۔

بہر کیف جو روایات بھائیوں اور بہنوں کے باہمی نکاح کے متعلق ہیں۔ وہ اسلامی اصول کے ماتحت ناقابل تسلیم ہیں اور مجوسی لوگ چونکہ بھائی بہنوں کے نکاح کو جائز سمجھتے ہیں لہٰذا وہ اپنے استدلال میں حضرت آدمؑ کی اولاد کے نکاح پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں نے چونکہ خاندان عصمت و دودمان نبوت کا دروازہ چھوڑ دیا تو انہوں نے انہی لوگوں کی باتیں اپنی کتب میں داخل کر دیں اور اسی پر عقیدہ جما کر بیٹھ گئے۔

آئمہ معصومین علیہم السلام کی طرف سے منقولہ روایات میں جزوی اختلاف ضرور ہے جو ممکن ہے رواتِ حدیث کے عدم حفظ کا نتیجہ ہو لیکن مجموعی طور پر ان کا آخری مقصد یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی نسل بھائی بہنوں نے نکاح سے نہیں ہوئی بلکہ خدا جو تمام انسانوں کو حلال کا حکم دیتا ہے اور حلال کو پسند فرماتا ہے۔ اس نے ابتدائے آفرینشِ انسان سے حلال کا انتظام فرما دیا تھا اور وہ اس سے قطعاً عاجز نہیں ہے اس بنا پر یہ شبہ کہ پھر انسان کی پیدائش نفس واحد سے کیسے ہوئی حالانکہ خدا تو فرماتا ہے کہ تمام انسان نفسِ واحد سے پھیلے اور ان روایات کے ماتحت تو حضرت حوا اور ان کی بہوؤں کو ملاتے ہوئے نفوسِ کثیرہ سے نسل کا چلنا ثابت ہوتا ہے تو اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ علم طور پر اولاد کی نسبت صرف باپ کی طرف ہوا کرتی ہے اور اس سلسلہ میں عورت کو تبعی حیثیت حاصل ہے۔ بنابریں عرفِ عام کے ماتحت تمام بنی آدم کو صرف باپ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اس عرف کو کوئی غلط نہیں کہہ سکتا۔ یا یہ کہ مِن کا معنی ابتدا ہے یعنی انسان کی ابتدا حضرت آدمؑ سے ہوئی ہے۔ صاحب تفسیر میزان نے کہا ہے کہ بَثَّ مِنْهُمَا کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی آدم صرف ان دونوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر نوعِ انسانی کی تکثیر میں کسی اور کو دخل ہوتا تو مِنْهُمَا کا کلمہ تنہا نہ ہوتا بلکہ یوں چاہیے تھا بَثَّ مِنْهُمَا وَمِنْ غَيْرِهِمَا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاد کی بیویاں خواہ کسی خاندان و قبیلہ سے تعلق رکھتی ہوں۔ ان کی اولاد ان کے جدِ اعلیٰ کی طرف بلاشک و شبہ منسوب ہوا کرتی ہے جیسے تمام سادات بنی فاطمہ کو حضرت علیؑ و فاطمہؑ کی اولاد کہا جاتا ہے۔ حالانکہ علی و فاطمہ علیہما السلام کے شہزادوں کی بیویاں دوسرے خاندانوں سے تھیں۔ نیز راسخین فی العلم کی تصریحات کے بعد اس قسم کے وساوس و قیاسی مواد کا کوئی مقام نہیں۔

اب یہ کہنا کہ زمین پر انسان کی پیدائش صرف اتفاقی ہے یا بقول بعض لامذہب لوگوں کے کہ انسان کی ابتدا بندر سے ہے اور رفتارِ زمانہ سے ترقی کر کے انسانیت کی نوبت آئی جیسا کہ ایک دشمنِ اسلام ڈارون کا قول مشہور ہے۔ خداوند کریم نے آیت مجیدہ

میں اس کو کھلے لفظوں باطل کیا اور خلقت انسانی کو اپنا احسان قرار دیا جس سے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت شاملہ کو پیش فرماتے ہوئے تمام انسانوں کو تقویٰ کی دعوت دی۔ نوجوانوں کی نئی پود ڈارون جیسے لامذہب دشمن خدا کی باتیں سننے کی بجائے خدائے حکیم کی پراز حکمت کلام سے واقفیت حاصل کریں تاکہ ان کے دلوں سے غلط عقیدت کا زنگ رفع ہو اور نورِ ایمان سے منور و حلاوتِ اسلام سے سرشار ہوں جو اپنے آپ کو آدمی کہلاتے ہیں یعنی اولادِ آدم ان کے لئے قرآن نصیحت ہے۔ البتہ جو لوگ ڈارون کے ہم عقیدہ ہو کر اپنے آپ کو بندر کی اولاد سمجھتے ہوں وہ قرآن سے کیا استفادہ کریں گے؟ ہم نے اس عقیدہ کے بطلان کے لئے تفسیر کی تیسری جلد صـ ۲۷ میں وضاحت کی ہے۔

تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ :- ارحام کا عطف یا تو بہ کی ضمیر مجرور پر ہے جو کہ محلاً منصوب ہے اور یا لفظ اللہ پر ہے اور اتقوا کا مفعول ہے پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ڈرو اس اللہ سے جس کا ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو اور ارحام کا واسطہ بھی دیتے ہو جس طرح عرب کہتے تھے اُنْشِدُكَ بِاللّٰهِ وَبِالرَّحِمِ اَنْ تَفْعَلَ كَذَا (تجھے خدا و قرابت کا واسطہ ہے کہ فلاں کام کرو) اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ڈرو اس اللہ سے جس کا ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو کہ اس کی اطاعت کرو اور نافرمانی نہ کرو اور ڈرو ارحام کی قطع تعلقی سے یعنی قطع رحمی نہ کرو جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ خدا فرماتا ہے میں رحمٰن ہوں اور میں نے رحم کو اپنے نام سے مشتق کرکے اس کا نام رکھا ہے جس نے صلہ رحمی کی اس نے میرے ساتھ رابطہ قائم کیا اور جس نے قطع رحمی کی وہ مجھ سے قطع ہوا۔ صلہ رحمی دو طرح سے ہوتی ہے ایک رشتہ ناطہ ایک دوسرے کا قبول کرنا

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا
اور دو یتیموں کو اپنے مال اور نہ لو خبیث بدلہ میں طیب کے اور نہ
تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲
کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ ملاکر تحقیق یہ گناہ کبیرہ ہے
وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ
اور اگر ڈرو کہ نہ انصاف کر سکو گے یتیموں کے حق میں تو نکاح کرو وہ جو پاکیزہ ہوں

- - - - اور دوسرے بصورت فقر و فاقہ ایک دوسرے کی دستگیری کرنا (مجمع البیان) تفسیر برہان میں بروایت ابن شہر آشوب مروی ہے کہ ابن عباس نے کہا یہ آیت محمدؐ و آلِ محمدؐ کے حق میں اتری ہے اور ارحام سے مراد رسولؐ کے قریبی ہیں کیونکہ ہر سبب و نسب قیامت کے دن منقطع ہوگا۔ سوائے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب و نسب کے (سبب سے مراد جو رسولِ خدا کے دوست و موالی ہیں)۔

یتیم کے مال کھانے کی ممانعت

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰى: بحالت بچپنے میں یتیموں کو مال دینے سے مراد یہ ہے کہ نیک نیتی سے ان پر خرچ کرو اور جب بالغ ہو جائیں اور حالت رشد کو پہنچ جائیں تو مال ان کو واپس کر دو۔ اس صورت میں ان پر یتیم کا اطلاق مجازاً ہوگا۔ کیونکہ جناب رسالتمآبؐ کا فرمان ہے۔ لَا يُتْمَ بَعْدَ (جوانی کے بعد یتیمی نہیں رہتی)۔

وَلَا تَتَبَدَّلُوْا: اس کے معنی میں کئی وجوہ بیان کیے گئے ہیں صاحب مجمع البیان نے جو معنی پسند کیا ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ یتیموں کے اوصیاء کا دستور تھا کہ یتیموں کا عمدہ اور کھرا مال لے کر اس کی بجائے اپنا ردی اور کھوٹا مال ان کو دے دیتے تھے۔ پس خدا نے لا و اس سے منع کیا ہے کہ ایسا نہ کیا کرو۔ اسی طرح وہ ان کے عمدہ مال کو اپنے ردی مال سے خلط کر کے پھر مشترکہ مل جل کر کھاتے تھے چونکہ اس میں بھی یتیموں کو خسارہ ہے اس لئے خدا نے منع فرمایا کہ اس طرح یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھایا کرو۔ ہاں اگر یہ بات نہ ہو اور یتیموں کو خسارہ میں ڈالنا مطلوب نہ ہو تو مال کے ایک دوسرے کے ساتھ خلط یا ملاوٹ میں کوئی حرج نہیں چنانچہ جب یہ آیت اتری تو لوگوں پر یہ معاملہ بہت شاق گزرا اور حضرت رسالتمآب کی خدمت میں شکایت پیش کی پس حکم ہوا۔ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ یعنی اگر تم ان کے ساتھ اپنے مال ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور یہی حضرت باقر اور حضرت صادق علیہما السلام سے مروی ہے مجمع البیان،

مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا

تمہارے لیئے عورتوں میں سے دو دو تین تین اور چار چار پس اگر ڈرو کہ نہ

تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى

عدل کر سکو گے تو ایک یا وہ جس کا مالک ہو تمہارا ہاتھ یہ زیادہ قریب ہے

اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ

کہ نہ ظلم کرو اور دو عورتوں کو ان کے حق مہر جو اللہ کا عطیہ ہیں پس اگر

طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗــــًٔا مَّرِيْۗــــــًٔا

بخوشیٔ نفس تمہیں اس سے کوئی شے دے دیں تو اسے کھاؤ طیب خوش گوار

وَاِنْ خِفْتُمْ: اس آیت کے نزول اور ماقبل سے ربط اور معنی کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص کسی یتیم لڑکی کی پرورش کرتا تھا اور اس کے مال و جمال پر دلدادہ ہو کر اس سے نکاح کرتا تو اس کو شان موافق حق مہر نہ دیتا تھا پس اس آیت میں ان کو منع کیا گیا کہ ایسا مت کرو بلکہ اگر ان سے نکاح کرو تو ان کو حق پورا دو ورنہ ان کے علاوہ چار تک نکاح میں لا سکتے ہو اور تفسیر علمائے امامیہ میں یہی مروی ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ اس کا اتصال اس آیت سے اس طرح ہے، وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا الخ۔ ترجمہ آپ سے یہ لوگ عورتوں کے متعلق فتویٰ دریافت کرتے ہیں تو فرما دیجئے کہ اس بارے میں اللہ تم کو فتویٰ دیتا ہے اور وہ چیز جو تم پر کتاب میں یتیم عورتوں کے متعلق تلاوت کی جاتی ہے جن کو تم پورا حق مہر ادا نہیں کرتے اور چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کریں پس اگر تم کو خوف ہو کہ یتیم عورتوں کے متعلق انصاف نہ کر سکو گے تو باقی عورتوں میں سے چار تک نکاح کر لو، ۲۔ دستور تھا کہ لوگ چار پانچ بلکہ دس تک شادیاں کر لیتے تھے اور کہتے تھے مجھے کیا پرواہ ہے اگر میرا اپنا مال ختم ہو جائے گا تو فلاں یتیم کا مال استعمال کریں گے جو ہمارے پاس پل رہا ہے۔ پس خدا نے منع فرمایا کہ اگر تمہارے پاس اپنے مال میں گنجائش نہ ہو تو بجائے اس کے کہ یتیموں کے مال پر دست درازی کرو۔ نکاح میں تخفیف کرو

اور اپنی مالی وسعت کے ماتحت ایک دو تین آخر چار تک شادیاں کر لو، ۳۔ لوگ یتیموں کے مالوں میں احتیاط کرتے تھے لیکن عورتوں میں عدل کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ پس حکم ہوا کہ جس طرح یتیموں کے مال کے متعلق پوچھ گچھ کرتے ہو اور یتیموں کے مالوں میں انصاف نہ کر سکنے کا تمہیں ڈر رہتا ہے تو عورتوں کے نکاح کے متعلق بھی عدم انصاف کا خوف کیا کرو اور بصورت خطرہ صرف ایک عورت پر اکتفا کیا کرو۔ ۴۔ یتیموں کے مال کے ڈر کی وجہ سے یتیم پروری سے گریز کرتے تھے تو حکم ہوا کہ یتیموں کے مال میں عدم انصاف سے ڈرتے ہو تو زناکاری اور بدمعاشی سے بھی تو خوف کر لیا کرو اور حلال میں سے حسب استطاعت ایک یا دو یا تین یا چار تک نکاح کر سکتے ہو بشرطیکہ انصاف کر سکو۔

تعدّد نکاح

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ۔ آیت مجیدہ میں مرد کے لئے بصورت استطاعت و امکان انصاف چار تک آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے چنانچہ تفسیر برہان میں بروایت محمد بن سنان حضرت امام رضا علیہ السلام نے اس کی توجیہ اس طرح فرمائی ہے کہ مرد کے لئے چار تک عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے اور عورت کو ایک سے زیادہ مردوں کی ممانعت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد اگرچہ چار شادیاں بھی کرے تو ہر صورت میں بچہ باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اگر عورت کے لئے ایک سے زیادہ مرد جائز ہوں تو معلوم نہ ہو سکے گا کہ یہ بچہ کس کا ہے پس نسب میراث اور تعارف فوت ہو جائیں گے الحدیث۔ قرآن کی تصریح اور تمام اہل اسلام کی کتب احادیث میں روایات حد تواتر تک پہنچتی ہیں کہ مرد ایک سے زیادہ یعنی چار تک بیک وقت نکاح کر سکتا ہے لیکن دور حاضر میں عورت کی آزادی کا تصور اور عورت و مرد کی مساوات کا مسئلہ جو غیر اسلامی تہذیب کی پیداوار ہے اس نے مسلمانوں کی نئی پود کو بھی اپنے لپیٹ میں لے لیا ہے جس کی بدولت مغربیت زدہ اذہان قرآنی تعلیم سے روز افزوں دوری اختیار کرتے ہوئے اسلام سے کھلم کھلا بغاوت کرنے پر تل گئے ہیں اور اپنے خیالات پر جمے ہوئے ہر نظریہ کو اسلام کا نام دینے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور آیات قرآنیہ کی جوڑ توڑ کر کے اپنے نظریہ کو ہر مسلمان پر ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں اور جناب رسالت مآبؐ کا فرمان بجا ہے۔ بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ غَرِيْبًا۔ اسلام کی ابتدا بھی غربت سے ہوئی اور اس کی انتہا بھی غربت ہو گی۔ اور سچ ہے کہ جس طرح دور حاضر میں اسلام عالم غربت میں ہے اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا دین عالم غربت میں نہیں۔ ہر دین کے پرستار اس کے قوانین کے محافظ ہیں لیکن اسلام کی پرستاری کا دعویٰ کرنے والے اس کے قوانین کو بگاڑنے اور اپنے من مانے مسائل کو ان کی جگہ رکھنے میں خدمت اسلام سمجھتے ہیں۔ ہم نے مسئلہ زیر بحث کو تفسیر کی تیسری جلد ص۱ پر زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے۔

اَلَّا تَعْدِلُوْا۔ یعنی اگر زیادہ عورتوں کے درمیان عدل و انصاف نہ کر سکو تو پھر صرف ایک عورت سے نکاح کر دیا باقی کنیزیں رکھ لو۔ تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے۔ ایک دفعہ ابن ابی العوجاء کی ہشام بن حکم سے بات چیت ہوتی۔ ابن ابی العوجاء نے دریافت کیا۔ کہ کیا خدا حکیم نہیں۔ ہشام نے کہا بے شک وہ حکیم ہے۔ اس نے یہی آیت پڑھی اور کہا کیا عورتوں کے درمیان عدل کرنا فرض ہے؟ ہشام نے ہاں میں جواب دیا تو ابن ابی العوجاء نے قرآن کی ایک اور آیت پڑھی وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ (ترجمہ) اور ہرگز تمہاری طاقت نہیں کہ عورتوں کے درمیان عدل کر سکو۔ پس اس نے کہا کیا اس آیت اور اس آیت میں تناقض نہیں ہے ہشام کہتا ہے میں لاجواب ہو گیا اور مدینہ میں پہنچ کر حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں مشرف ہوا۔ آپ نے فرمایا ہشام! انچ

maablib.org

کا زمانہ اور نہ عمرہ کا وقت۔ کیسے آنا ہوا؟ میں نے ابن ابی العوجاء کا سوال پیش کیا۔ آپ نے فرمایا جہاں عورتوں کے درمیان عدل و انصاف کے قائم رکھنے کا حکم ہے اس سے مراد ہے کہ نان و نفقہ میں ان کے درمیان انصاف کو قائم رکھو۔ اور جہاں فرماتا ہے کہ تم ان کے درمیان عدل کر سکتے ہی نہیں اس سے مراد ہے کہ تم ان کے درمیان محبت میں مساوات نہیں کر سکتے۔ پس ہشام نے جب یہ جواب ابن ابی العوجاء کو آکر سنایا تو اس نے کہا کہ یہ تیری طرف سے نہیں ہے۔ ایک اور روایت میں ابو جعفر احول اور ایک زندیق کے درمیان یہی سوال و جواب مروی ہے آج کل جو لوگ تعدد نکاح کے خلاف علم بغاوت بلند کئے ہوئے ہیں وہ عدل عدل کی رٹ لگاتے ہیں اور اس سے مفہوم لیتے ہیں محبت میں مساوات حالانکہ جس عدل کا عورتوں کے درمیان قائم رکھنے کا حکم ہے وہ نان و نفقہ میں عدل ہے نہ کہ محبت میں اور یہ علم مسلمانوں کا مسلمہ فتویٰ ہے۔

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ۔ یعنی عورت کا حق مہر دبا لینا غصب ہے اور اس کا کھانا حرام ہے ہاں اگر وہ خود پورا حق مہر یا اس کا کچھ حصہ اپنی خوشی سے واپس دے دیں تو اس کا کھانا طیب و مبارک ہے۔

لطیفہ تفسیر مجمع البیان میں بروایت کتاب عیاشی منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے پیٹ کے درد کی شکایت کی پس آپ نے دریافت کیا کہ کیا تیری بیوی بھی ہے؟ تو اس نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا اس کے ذاتی مال سے کچھ لے جس کو وہ خود بخوشی و رضا تجھے دے دے اور اس کا شہد خرید کر لے پھر اس میں بارش کا پانی ملا دے اور اس کو پی جا۔ کیونکہ خدا اپنی کتاب میں فرماتا ہے وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا ہم نے آسمان سے مبارک پانی اتارا یہ بارش کے پانی کی تعریف ہے اور شہد کے متعلق فرمایا۔ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ ان کے بطون سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور اس میں لوگوں کے لئے شفا ہوتی ہے اور عورتوں کے مال کے متعلق فرمایا ہے۔ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا یعنی بخوشی نفس تمہیں اس میں سے کوئی چیز دے دیں تو اس کو کھاؤ کہ تمہارے لئے طیب اور خوشگوار ہے۔ پس جب برکت شفا اور خوش گوار تینوں چیزیں مل جائیں تو ان شاء اللہ تجھے شفا ہو گی۔ اس شخص نے حضرت کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے یہی نسخہ استعمال کیا اور بحکم خدا شفایاب ہوا۔

مسئلہ بعض لوگوں نے اس آیت مجیدہ سے وجوب نکاح کا حکم استنباط کیا ہے کیونکہ فَانْكِحُوْا امر ہے اور یہ وجوب کے لئے ہوتا ہے لیکن صاحب مجمع البیان نے فرمایا ہے کہ دلیل کے ذریعہ ظاہر سے عدول کیا جا سکتا ہے اور دلیل اپنے مقام پر قائم ہو چکی ہے کہ نکاح واجب نہیں ہاں اگر حرام میں واقع ہونے کا ڈر ہو اور استطاعت بھی ہو تو اس صورت میں واجب ہو گا ورنہ مستحب اور سنت ہے۔

تعدّد ازواج پر وارد شدہ اعتراضات اور ان کے جوابات

چونکہ یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ کان میں ہر نئی آنے والی بات جاذب طبع اور اہمیت کے ساتھ معرض التفات ہو جایا کرتی ہے اور دور کے ڈھول سہانے کا فقرہ ایک ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے۔ اسی کے ماتحت مسلمانوں میں مغرب کی طرز زندگی کے اثرات زیادہ سے زیادہ جذب ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اس طرف سے اٹھتی ہوئی ہر آواز پر یہ بھی کان دھرنے کو تیار ہیں اور ان کی صفات کو اپنے میں جذب کرنے کے شیدائی ہیں۔ وہ لوگ مجبور ہیں کہ کنیسہ کی طرف سے ان کو ایک سے زیادہ شادی کی اجازت نہیں ملتی پس وہ مدت سے ایک ہی شادی پر اکتفا کرتے چلے آئے ہیں اور ان کی عورتیں نسلاً بعد نسل اسی نقطہ خیال سے مانوس ہیں بس مرد صرف ایک ہی عورت سے شادی کر سکتا ہے۔ لہٰذا وہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے برسر پیکار رہے ہیں اور اپنے اوپر عائد شدہ پابندی کو دوسروں پر ٹھونسنے کے لئے عقلی وجوہات تلاش کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اسلامی قوانین سے باغی کرنے کے حیلے و بہانے بناتے ہیں اور اس کو حریت و آزادی کا لبادہ دے کر سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے اپنے نظریۂ باطل کی فتح کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ اور اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ طبقہ ان کی اس دجل فریبی کا شکار ہو کر اسلامی فطری قوانین کے خلاف علم بغاوت کھڑا کر دیتے ہیں چنانچہ اسلامی تعدّد ازواج کے مسئلہ پر انہوں نے چند اشکالات وارد کئے ہوئے ہیں۔ یہ سوالات و جوابات تفسیر میزان جلد ۴ سے نہایت اختصار کے ساتھ ہیں نے اخذ کئے ہیں۔)

۱۔ تعدّد ازواج کی اجازت صنف نازک یعنی عورتوں کے دلوں پر ایک ضرب کاری ہے جس سے ان کے دلوں میں مردوں سے نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور تمدّنی انسانی زندگی معرض خطر میں آجاتی ہے اور خانگی آسودگی اور خوشحالی بدمزگی سے تبدیل ہو کر خانہ آبادی بربادی سے بدل جاتی ہے اور عورتوں میں مرد کے حق میں خیانت کا جذبہ پیدا ہو کر ازدواجی زندگی کی روح کو ختم کر دیتا ہے۔

۲۔ مردم شماری کے لحاظ سے تقریباً تقریباً عورتوں اور مردوں میں برابری پائی جاتی ہے لہٰذا فطری تقاضا یہی ہے کہ ایک مرد کے لئے صرف ایک عورت کے ساتھ نکاح جائز ہو۔

۳۔ مردوں کو زیادہ نکاح کی اجازت دینا ان کو شہوت پرستی کی دعوت دینے کے مترادف ہے جو ازدواجی زندگی کی حقیقی روح کے منافی ہے۔

۴۔ اجتماعی زندگی میں عورت و مرد انسانیت کے دو اہم حصے ہیں اور اس سلسلہ میں عورت مرد کے ساتھ برابر حصہ دار ہے لہٰذا مرد کے لئے زیادہ نکاح کی اجازت عورت کی توہین ہے اور اجتماعی زندگی میں اس کے نظر انداز کرنے کی دلیل ہے۔

جواب ۱: اس میں شک نہیں کہ احساسات و جذبات پر مقدار و کیفیت کے لحاظ سے تربیت و ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے جس طرح عام عادات و رسوم میں متحد و جبلت یا مذہبیت تربیت و ماحول کے ماتحت ہوا کرتی ہیں چنانچہ ایک قوم و علاقہ کی ممدوح

رسم دوسرے ماحول میں مذموم شمار ہو جاتی ہے۔ پس اسلام نے عورت کے لئے جو فرائض واحکام تجویز کئے ہیں اگر عورت انہی تعلیمات کے ماتحت پروان چڑھے تو کوئی وجہ نہیں کہ کسی اسلامی حکم کو وہ بارِ خاطر سمجھے یا اس کا اس کی طبیعت پر برا اثر پڑے۔ ہاں مغربی عورتیں چونکہ مدت مدید سے اسی طرزِ عمل کو دیکھتی آئی ہیں کہ ایک مرد کے لئے صرف ایک ہی عورت ہوتی ہے پس ان کا ماحول ان کے لئے تعددِ ازواج کا مسئلہ ایک ناقابلِ برداشت بوجھ کی شکل میں ظاہر کرتا ہے اور اس کو فطرت وطبیعت سے کوئی واسطہ نہیں ورنہ ان کے متمدن طبقہ میں زن ومرد کا آزادانہ اختلاط مذموم ہوتا۔ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ ان کے مرد جنسی میل جول میں صرف ایک عورت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہزار میں سے بھی ایک مرد بمشکل زنا سے محفوظ ہوگا اور اس سے بھی ان کی شہوت کی تسکین نہیں ہوتی اور عورتوں سے تجاوز کرتے ہوئے لواطت کی طرف بھی قدم بڑھا لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ برطانیہ کی پارلیمنٹ میں یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ لواطت کو قانونی جواز کی شکل دی جائے جب کہ غیر قانونی طور پر یہ وبا ہمہ گیری تک پہنچ چکی تھی۔ اور عورتوں میں خصوصاً بے شوہر نوجوان لڑکیوں میں تو آزادانہ اختلاط کی جو روایات ہیں بس توبہ ہی بھلی۔

کیا اس آزادانہ شہوت پرستی سے ان عورتوں کی نہ دل شکنی ہوتی ہے اور نہ ان کی طبیعت پر کسی قسم کا بوجھ پڑتا ہے۔ نہ وہاں عورت کی رگِ حمیت پھڑکتی ہے اور نہ مرد کو احساس پیدا ہوتا ہے کہ مرد کے لئے صرف ایک عورت اور عورت کے لئے صرف ایک مرد کافی ہے۔ اس سے تجاوز کرنا دوسروں کی حق تلفی ہے لیکن یہ بے راہ روی چونکہ ان کے ماحول میں داخل ہے لہذا اس سے متاثر نہیں ہوتا اور چونکہ اسلامی قانون اور اس کے عمل سے ان کا ماحول بیگانہ ہے لہذا یہ موجب دل شکنی بھی ہے اور منافی مساوات بھی اور اجتماعی زندگی کے خلاف بھی۔ ذرا گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ آزادانہ ہوس پرستی اور شہوت رانی تمدنِ انسانی سے کیا نسبت رکھتی ہے اور اس کا خانگی خوشحالی سے کیا واسطہ ہے۔ کیا یہ صورت تو خیانت کے جذبہ کے لئے موجب نہیں بنتی؟

جواب ۲: مردم شماری کے لحاظ سے اگر تسلیم کر لیں کہ عورتوں اور مردوں کی تعداد برابر ہے تاہم عورتوں کی قابلِ نکاح تعداد بالغ مردوں سے ہمیشہ زیادہ ماننی پڑتی ہے کیونکہ گرم ممالک میں عورت نو برس سے اوپر جوان ہو جاتی ہے اور سرد ممالک میں ۱۱ یا ۱۲ سال کی عورت تو بالعموم قابل شادی ہو جایا کرتی ہے۔ اور مرد پندرہ یا سولہ سال تک عموماً جوان ہو جاتے ہیں۔ فی الحال صرف سولہ سالوں کا حساب لگاتے ہیں۔ فرض کیجئے سولہ سال کے دوران میں لڑکیاں اور لڑکے مساوی تعداد میں پیدا ہوتے رہے۔ تو اس مدت کے بعد جب ہم جائزہ لیں گے تو لڑکے صرف وہی قابلِ نکاح ہوں گے جو پہلے سال پیدا ہوئے تھے لیکن لڑکیاں چونکہ زیادہ سے زیادہ بارہ سال کی جوان ہوتی ہیں لہذا پہلے سال سے چوتھے سال تک کی پیدا ہونے والی لڑکیاں سب بالغ ہوں گی یعنی ایک سال کے پیدا شدہ لڑکوں کے مقابلہ میں چار سالوں کی پیدا شدہ لڑکیاں قابلِ شادی ہو جایا کرتی ہیں اس لحاظ سے بھی ایک اور چار کی نسبت رہتی ہے اور یہ نسبت ہم نے کم از کم لگائی ہے۔ ورنہ گرم ممالک کے لحاظ سے جہاں نو سال سے لڑکی جوان ہو جاتی ہے جیسا کہ شرعی فیصلہ بھی یہی ہے تو نسبت اور بڑھ جائے گی کیونکہ فرض یہ ہے کہ پیدائش میں عورت اور مرد مساوی ہیں۔

نیز عورت میں سلسلہ تولید وتناسل زیادہ سے زیادہ عموماً پچاس سال تک ہوتا ہے اور مرد اس سے زیادہ عمر تک بھی

سلسلہ تولید کے قابل ہوتے ہیں تو دریں صورت مرد کو صرف ایک عورت پر پابند کرنا اس کی فطری حق تلفی ہے۔ نیز اسبابِ موت بہ نسبت عورتوں کے مردوں کے لئے زیادہ ہیں کیونکہ جنگ و وغا کے زمانہ میں مردوں کی خاصی تعداد تقمۂ اجل ہو جاتی ہے اور عورتیں اس فریضہ سے سبکدوش ہیں۔ پس اگر مرد کے لئے صرف ایک نکاح کی اجازت ہو تو بہت سی عورتیں ازدواجی زندگی سے محروم کر دی جائیں گی اور بہر صورت مرد و عورت کی عددی مساوات کو تو اس وقت بصورت اعتراض پیش کیا جا سکتا ہے جب یہ کہا جاتا کہ مرد کے لئے چار عورتوں سے نکاح کرنا واجب ہے حالانکہ شریعت اسلامیہ نے قطعاً وجوب کا فتوٰی نہیں دیا بلکہ یہ اس صورت میں ہے کہ مرد چار عورتوں کے نان و نفقہ کی طاقت رکھتا ہو اور ان میں عدل و انصاف کر سکنے پر قادر ہو تب اس کو صرف اجازت ہے کہ چار تک نکاح کرے۔

جواب ۳: عورت کی تربیت اگر اسلامی ماحول میں ہو اور پردہ عفت اور حیا کی اُسے پوری تعلیم دی جائے تو اس کی شہوت نکاح یقیناً صرف ایک مرد سے پوری ہو سکتی ہے اور قطعاً وہ آمادہ زنا نہیں ہو سکتی لیکن بخلاف اس کے مرد میں جو فطری جذبۂ شہوت موجود ہے وہ بالعموم ایک عورت پر بمشکل قناعت کرتا ہے اگر اس کے لئے حلال کا دروازہ بند کر دیا جائے تو وہ یقیناً حرام کی طرف للچاتا ہے اور تکمیل شہوت کے لئے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ نیز عورت میں ہر ماہ عارضۂ حیض ضروری ہے اس کے علاوہ ایام حمل و رضاع کہ ان میں وہ جنسی تعلقات سے بے نیاز رہتی ہے اگر مرد کے لئے صرف ایک عورت کی پابندی ہو تو وہ اس زمانہ میں یقیناً اپنے فطری جذبات کی تسکین کے لئے بے راہ روی پر آمادہ ہو گا پس ان تمام وجوہ کے پیش نظر اسلام نے مرد کو ایک سے زیادہ اور آخر چار تک نکاح کرنے کی اجازت دی ہے تاکہ کسی طرح بے راہ روی اور آزادانہ اختلاط کا رستہ مسدود ہو۔

حیرت کی بات ہے کہ اگر مرد کو ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت دی جائے۔ تو اس میں شہوت پرستی کی تعلیم ہے۔ لیکن دوسری طرف سینماؤں کلبوں۔ ناچوں اور ریڈیائی گانوں میں عورتوں کو ہی پیش پیش رکھا جاتا ہے۔ ان میں مغربیت زدہ افکار کو کبھی یہ سوچنے کی ضرورت تک محسوس نہیں ہوئی کہ کیا ان صورتوں میں مردوں کو شہوت رانی کی دعوت نہیں؟ اگر مردوں کی شہوت کے خلاف جہاد کرنا ہے تو صرف قرآنی اصول سے برسر پیکار ہونے کی بجائے پہلے اس قسم کے اسباب شہوت رانی کا قلع قمع کیا جائے۔ مرد و عورت ہر طرح کی آوارگی کا مظاہرہ کریں اور جذبات و خواہشات کی تسکین کیلئے ہر قسم کی رنگ رلیاں منائیں تو کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی لیکن جب اسلام ایک تنظیم کے ماتحت ایسی جذبۂ شہوانی کی تکمیل کے لئے ایک ضابطہ مقرر کر دے تاکہ فطری حقوق بھی پامال نہ ہوں اور آوارگی بھی انسانیت کے وقار پر حملہ آور نہ ہو تو اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جاتا ہے اور بعض منصف طبع عیسائی اس امر کا اعتراف رکھتے ہیں کہ مسیحی مذاہب میں زنا اور بدکاری کا ہمہ گیر طوفان صرف اس لئے ہے کہ کلیسا کی طرف سے ایک سے زیادہ نکاح کی مرد کو ممانعت ہے۔

جواب ۴: ہم نے تفسیر کی تیسری جلد صفحہ ۹۵ میں نسوانی زندگی پر اسلام کا احسان کے موضوع کے تحت پر ایک مبسوط بیان لکھا ہے جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ عالم کے تمام مذاہب و ملل میں سے کسی مذہب و ملت میں عورت کے احترام و وقار کو کوئی مقام نہیں دیا گیا۔ جس طرح کہ ملت حقہ اسلامیہ نے دیا ہے اور مرد کے لئے متعدد نکاحوں کی اجازت قطعاً عورت کے وقار کے منافی نہیں حتی کہ اہل مغرب کے سنجیدہ طبقہ نے بھی اسلام کے اس قانون کو بنظر استحسان دیکھا ہے۔ اسلام نے عورت کو پردہ داری عفت و حیا کا درس

دے کر اس کے وقار کو اس قدر بلند کیا کہ تمام اقوامِ عالم اس سے محوِ حیرت ہیں۔ ہر مرحلہ میں عورت کا مرد کے دوش بدوش ہونا اور بے پردہ یا نیم عریاں لباس میں بازاروں کی سیر کرنا یہ عورت کا وقار نہیں اور نہ اس میں حقوقِ نسوانی کی پاسداری ہے بلکہ درحقیقت فطرت سے کھلی ہوئی بغاوت ہے۔

تعددِ ازواج کے مسئلہ کو عورت کے وقار کے منافی سمجھنے والے سینماؤں، کلبوں اور برہنہ رقصوں میں عورت کے کردار کو اس کے وقار کے منافی کیوں نہیں قرار دیتے۔ کیا عورت خود یہ نہیں سمجھتی کہ ان جیسے مقامات میں اس کا پیش ہونا مردوں کی تکمیلِ ہوس کے لئے نشانہ بننے کے مترادف ہے۔ تمام موجودہ متمدن ممالک اور اپنے تئیں تہذیب یافتہ کہلوانے والے عورت و مرد کے نوعی لباس کا ذرا جائزہ لیں مردوں کا لباس سرتاپا ہو اور جسم کا کوئی حصہ ننگا نہ ہو اور عورتوں کے لئے نیم برہنہ لباس اور وہ بھی برائے نام اس کی پوزیشن میں داخل ہو۔ بالکل عورت کا مختصر لباس عورت کے ترقی یافتہ اور تہذیب یافتہ ہونے کی دلیل سمجھی جائے۔ کیا یہ بات عورتوں کے وقار پر ضرب کا باعث نہیں۔ ہاں مغرب زدہ لوگ اہلِ مغرب کی فریب کاریوں کے جال میں اس بُری طرح پھنسے ہیں کہ ان کے ہر قول و فعل کی اقتدار کو تہذیب اور ان کے نظریہ سے ہر بیگانی چیز کو خلافِ تہذیب و منافیٔ وقار خیال کرتے ہیں۔

بہرکیف تعددِ ازواج کے مسئلہ پر وارد شدہ اعتراضات بالکل بے ہودہ اور لغو ہیں اور ان کی من مانی تاویلیں خلافِ منشا توحید ہیں۔ خداوندِ کریم نے مرد کے لئے حسبِ استطاعت بشرطِ عدل و انصاف ایک سے لے کر چار تک نکاح کرنے کی اجازت دی ہے اور شرعی یہ قانون تاقیامت ناقابلِ ترمیم و تنسیخ ہے۔ لہٰذا اس کے خلاف آواز اٹھانا مفت کی ہنگامہ آرائی ہے۔ جو شرعی فیصلے کو ایک انچ بھی ادھر اُدھر نہیں کر سکتی۔

فعلِ رسولؐ پر اعتراض کا جواب

دشمنانِ اسلام نے تعددِ ازواج کے مسئلہ پر ہنگامہ آرائی کر کے جہاں ایک طرف مغربی آوارگی اور زن و مرد کے آزادانہ اختلاط پر مسلمانوں کی نئی پود کو آمادہ کرنے کی کوشش کی وہاں دوسری طرف جنابِ رسالتمآبؐ کی قداست و علوِ شان پر حملہ کر کے انہیں اسلام اور بانیٔ اسلام سے بیزاری کی دعوت کی جرأت بھی کی چنانچہ جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نو شادیوں پر زبانِ طعن دراز کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ فعل کسی نبی کی شان نہیں کیونکہ یہ صرف شہوت پرستی ہے جس سے ساحتِ نبوت کو پاک و منزہ ہونا چاہیئے اور اسلامی تعلیم اور سیرتِ نبوی سے ناآشنا مسلمان ان کے اس دامِ تزویر میں آگئے اور انہوں نے بھی ایسا کہنا شروع کر دیا چنانچہ میں نے خود ایک اچھے خاصے مسلمان کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے۔

جواب:- تعددِ ازواج کے مسئلہ سے جب استعجاب کا پردہ اٹھا دیا گیا اور یہ ثابت ہوا کہ مرد کے لئے تعددِ ازواج اس کا فطری حق ہے اور اس میں نہ عورت کی حق تلفی ہے اور نہ کوئی دوسری خرابی اس سے پیدا ہونے کا خدشہ ہے تو پھر فعلِ رسول پر نقد و جرح کا کوئی محل ہی نہیں رہتا ہاں ان کے لئے نو تک جائز ہونا اور امت کے لئے چار تک کی حدبندی یہ ان کے خواص ہی واخل ہے جس طرح اس کے علاوہ ان کے لئے اور خواص بھی ہیں۔

علاوہ ازیں سیرتِ نبوی کا مطالعہ کرنے والے خوب سمجھ سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی کثرتِ ازواج بعض اہم مصالح کی بنا پر تھیں جن میں شہوت و ہوس کا کوئی ذرہ بھر بھی داخل نہیں۔ تاریخِ رسالتؐ اور سیرتِ نبویؐ کے مطالعہ کے بعد یہ باتیں خاص طور پر ہر خاص و عام سمجھ سکتا ہے۔

۱۔ آپ نے عین شباب کے عالم میں حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ سے شادی کی جب کہ ان کی عمر چالیس سال تھی اور ہجرت کے وقت تک آپ نے دوسری کوئی شادی نہیں کی۔ اپنے سے بڑی عمر کی عورت سے شادی کرنا اور زندگی کا وہ حصہ جس میں خواہشات و جذبات کا وفور ہوتا ہے یعنی شباب کا زمانہ اسی پر گذار دینا اس سے ہر خاص و عام سمجھ سکتا ہے کہ حضورؐ کا مطمحِ نظر تکمیلِ ہوس نہ تھا۔

۲۔ ہجرت کے بعد دوسری شادیاں کیں جب کہ آپ کی عمر شریف ۵۳ سال یا اس سے اوپر تھی۔ کنواری عورت سے بھی اور بیواؤں سے بھی۔ جوان عورتوں سے بھی اور بوڑھی عورتوں سے بھی۔ اب ان حالات کے پیشِ نظر کون صاحبِ عقلِ سلیم کہہ سکتا ہے کہ یہ شہوت پرستی تھی۔

۳۔ جو شخص عورتوں کا دلدادہ ہوتا ہے وہ جمال و جوانی کو خاص طور پر ملحوظ رکھا کرتا ہے اور جب آپ کی سیرت پر نظر پڑتی ہے تو ان باتوں میں کوئی بات بھی نظر نہیں آتی۔ آپ نے کنواری عورت سے شادی کرنے کے بعد بیوہ سے شادی کر لی اور جوان کے بعد بوڑھی عورت کو شرفِ زوجیت بخشا۔ ام المومنین ام سلمہؓ سے شادی کی جب کہ وہ کافی سن رسیدہ تھی۔ اور زینب بنت جحش سے نکاح کیا جبکہ ان کی عمر پچاس برس سے اوپر تھی حالانکہ ان سے پہلے حضرت عائشہ اور حضرت ام حبیبہ آپؐ کے نکاح میں آچکی تھیں تو کیا شہوت پرستی اور ہوس رانی اسی کو کہتے ہیں؟ یہ زینب آپ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی لڑکی تھی۔ اس کا نکاح زید بن حارثہ سے ہوا تھا لیکن باہمی تنازعہ کی وجہ سے زید نے اس کو طلاق دے کر آزاد کیا تھا پس آپؐ نے بحکمِ خدا اس سے شادی کر لی تاکہ حرمت کا شبہ اٹھ جائے

۴۔ ارشادِ قدرت ہوا یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ سورۂ احزاب پارہ ۲۱ آخری رکوع۔ ترجمہ: اے نبیؐ اپنی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم زندگی دنیا اور اس کی زینت کی خواہش رکھتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے کر آزاد کرتا ہوں اور اگر تم اللہ و رسول اور معاد و قیامت کی خیر مانتی ہو تو خدا نے نیک کام کرنے والوں کے لئے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ خداوند کریم کے اس فرمان کے بعد آپ نے عورتوں کو ان دونوں باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے خدا و رسول کو چن لیا۔ اس سے منصف مزاج خود اندازہ کر سکتا ہے کہ کیا شہوت پرست انسان بھی کبھی اپنی عورتوں کو اس طرح اختیار دیا کرتا ہے؟

دعوتِ نظر و فکر

اب ان تصریحات اور نتائج کے بعد تحقیق طلب اور حق بین نگاہیں حضورؐ کی کثرتِ ازواج کو شہوت پرستی پر قطعاً محمول نہیں کر سکتیں بلکہ ان کے لئے الگ مصالح تلاش کرنے پر مجبور ہوتی ہیں چنانچہ ان کی نوعیت بھی الگ الگ ہے۔

maablib.org

۱. بعض عورتوں سے تو اس لئے شادی کی کہ قوم و قبیلہ کے لحاظ سے قوت و توانائی حاصل ہو۔

۲. بعض شادیاں بعض لوگوں کے فتنہ و فساد کے خطرہ سے کیں تاکہ اس ذریعہ سے ان کو اپنی طرف مائل کیا جا سکے اور ان کا فتنہ کم ہو۔

۳. بعض عورتوں کو حبالۂ نکاح میں صرف اس لئے لیا کہ ان کا سرپرست کوئی نہ تھا جو ان کے نان و نفقہ کا بندوبست کرتا پس امت میں ایک سنت قائم کی کہ اس قسم کی لاوارث بیواؤں کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

۴. اور بعض عورتوں سے شادی صرف ایک غلط رواج کو توڑنے کے لئے کی جیسا کہ زینب سے شادی جبکہ زید نے اس کو طلاق دے دی تھی اور زید آپ کا متبنّٰی تھا اور عرب میں متبنّٰی کی عورت سے شادی کرنا قبیح سمجھا جاتا تھا چنانچہ قرآن مجید نے خود اس کا تذکرہ فرمایا۔

۵. اور بعض عورتوں سے شادی ان کے وقار و ناموس کے برقرار رکھنے کے لئے کی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

۱. آپ نے خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے بعد پہلی شادی حضرت سودہ بنت زمعہ سے کی حبشہ کی دوسری ہجرت سے واپسی کے بعد جب کہ یہ بیوہ ہو چکی تھی۔ یہ مومنہ مہاجرہ تھی۔ اگر واپس میکے جاتی تو اسے کفر پر مجبور کیا جاتا اور دوسرے مومنین و مومنات کی طرح یہ بھی طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوتی (بروایت بحار ج ۶ اس کا سابق شوہر حبشہ میں ہی نصرانی ہو گیا اور وہاں ہی اس کی وفات ہوئی تھی)۔

۲. صرف حضرت عائشہ بنت حضرت ابوبکر سے مدینہ میں تشریف آوری کے سات ماہ بعد اس کے باکرہ ہونے کی حالت میں شادی کر لی

۳. خنیس بن حذافہ کے جنگ بدر میں قتل ہو جانے کے بعد اس کی بیوہ حفصہ بنت عمر سے شادی فرمائی۔

۴. عبداللہ بن ابی سلمہ جو آپ کا پھوپھی زاد تھا کی وفات کے بعد اس کی بیوہ ہند جس کی کنیت ام سلمہ ہے سے ۲ھ میں شادی کی۔ یہ شخص حبشہ کی طرف پہلا مہاجر تھا اور ام سلمہ نہایت زاہدہ و فاضلہ تھی اور سن رسیدہ ہونے کے علاوہ یتیموں کی ماں تھی۔

۵. جنگ احد کے بعد زینب بنت خزیمہ سے آپ نے شادی کی یہ عورت مسکین پرور تھی یہاں تک کہ اسے ام المساکین کہا جاتا تھا پس آپ نے اس کے وقار و حرمت کی بحالی کے پیش نظر اس کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ (میزان)

۶. ام حبیبہ جس کا نام رملہ بنت ابوسفیان ہے اس نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ساتھ کی تھی لیکن وہاں اس کا شوہر نصرانی ہو گیا تھا۔ اور یہ ثابت قدم رہی تھی۔ اس کا باپ وہ ہے جو اسلام کے خلاف تمام ہنگامہ آرائیوں میں پہلا حصہ دار ہوتا تھا آپ نے مصلحت کے پیش نظر اس کو ۶ھ میں حبالۂ نکاح میں داخل فرما لیا۔

۷. اسی طرح آپ نے میمونہ جس کا نام برّہ بنت حارث الہلالیہ ہے سے شادی کی جس نے بیوہ ہونے کے بعد اپنا نفس حضور کو ہبہ کر دیا تھا اور قرآن مجید میں اس کا ذکر موجود ہے (میزان) (یہ رشتہ حضرت جعفر طیار کے ایما سے ہوا ۷ھ میں) بحار۔

۸. صفیہ بنت حی بن اخطب سے شادی کی اس کا باپ یہودی تھا جو غزوہ بنی نضیر میں قتل ہوا اور اس کا شوہر جنگ خیبر میں مارا گیا یہ اسیر ہو کر آئی تھی آپ نے اسے آزاد کر کے اس کے سابق شرف کی بحالی کے لئے خود اس کو اپنی زوجیت میں داخل فرما لیا ۷ھ۔

۹. بنی مصطلق کے سردار کی لڑکی جویریہ سے شادی کی جس کا نام برّہ بنت حارث تھا۔ غزوہ بنی المصطلق کے بعد مسلمانوں نے ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کر لیا تھا جب آپ نے جویریہ سے شادی کر لی تو مسلمان کہنے لگے یہ رسولؐ کے سسرال ہو چکے ہیں

لہٰذا ان کی اسیری مناسب نہیں ہے۔ پس سب کو آزاد کر دیا گیا جس کے نتیجہ میں پورا قبیلہ بنی مصطلق مسلمان ہو گیا اور پورے عرب پر اس کا اچھا اثر پڑا۔

اب ان حالات و خصوصیات کے پیش نظر کون کہہ سکتا ہے کہ حضورؐ کی کثرت ازواج صرف شہوت رانی کی خاطر تھیں۔ بلکہ صاف پتہ چلتا ہے کہ ان میں مقامی و وقتی طور پر ایسی مصالح کارفرما تھیں جن کے ماتحت آپ کا ان سے شادی کرنا ناگزیر تھا۔ اور دین اسلام کی اسی میں خیر و بہتری تھی۔ اور تمام عورتوں کو زہد کا درس دینا اور ترک زینت پر آمادہ کرنا تو صاف ظاہر کرتے ہیں کہ آپ کی اغراض صرف آخرت سے وابستہ تھیں ورنہ اگر شادی کی ظاہری اغراض پیش نظر ہوتیں تو عورتوں کو بجائے ترک زینت کے ان کے لئے اسباب زینت فراوانی سے مہیّا کیے جاتے جب کہ آپ روحانی سلطنت کے علاوہ ظاہری سلطنت کے بھی فرمانروا ہو چکے تھے۔

یہ بحث اگرچہ موضوع سے خارج تھی لیکن کثرت ازواج کے مسئلہ سے اس کو کافی ربط تھا اس لئے اس مقام پر اس کا بیان کرنا خالی از فائدہ نہیں لہٰذا مختصر الفاظ میں اسے سمجھانے کی کوشش کی گئی امید ہے مومنین کرام کو اس کے مطالعہ سے اچھا خاصہ علمی فائدہ ہو گا یہ بحث بھی تفسیر میزان جلد چہارم سے مختصر اً نوٹ کی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا

اور نہ دو بیوقوفوں کو اپنے وہ مال کہ کیا ہے ان کو اللہ نے تمہارے لیے موجب گزران اور

وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝

کھلاتے رہو ان کو اس میں اور کپڑا دو اور کہو ان کو نیک بات

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ

اور آزماؤ یتیموں کو یہاں تک کہ جب پہنچیں جوانی کو تو اگر دیکھو ان سے

بے عقل پر کنٹرول

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مطلقاً کم عقل اور بیوقوف کو مال کے خرچ کا مختار نہ بناؤ خواہ یتیم ہو یا غیر یتیم خواہ اپنا لڑکا یا کوئی دوسرا بے وقوف انسان اور بعضوں نے اس سے مراد لیا ہے کہ عورتوں کو مال کا ذمہ دار نہ بناؤ اور سفہاء سے مراد اس مقام پر عورتیں ہیں نیز روایات میں شرابی پر بھی سفیہ کا اطلاق ہوا ہے یہاں مطلب یہ ہے کہ بیوقوفوں کو ایسے مالوں کا ذمہ دار نہ ٹھہراؤ جن مالوں سے تمہاری گذران چل رہی ہے کیونکہ وہ اسے ادھر ادھر کرکے برباد کر دیں گے۔ اور تم دوسروں کے دست نگر ہو جاؤ گے۔ پس تم پر لازم ہے کہ ان کو اپنے ہاتھ سے روٹی کپڑا دیتے رہو اور ان سے سخت کلامی بھی نہ کرو۔

لطیفہ:۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت حبشیہ جو خوب باتیں کر سکتی تھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ کہنے لگی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کبھی کوئی بات تو ہمارے حق میں بھی اچھائی کی فرما دیجئے

کیوں کہ میں تو سنتی ہوں کہ آپ ہمیں ہمیشہ برائی سے یاد فرمایا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے۔ کہنے لگی آپ ہمیں بے وقوف کہتے ہیں فرمایا یہ نام تمہیں خدا نے دیا ہے۔ اس نے کہا آپ ہمیں ناقص کہتے ہیں۔ فرمایا کیا یہ نقص نہیں کہ تم ہر ماہ میں چند دن نماز کے قابل نہیں رہتیں۔ لیکن تمہاری فضیلت اور تمہارے درجہ کے لئے کافی ہے کہ جب عورت حاملہ ہو تو اسے اللہ کی راہ میں مرابطہ کرنے والے کا ثواب ملتا ہے۔ جب عورت کا بچہ پیدا ہو تو اسے شہید کا درجہ ملتا ہے جب بچہ کو دودھ پلائے تو ایک ایک گھونٹ کے بدلہ میں اسے اولادِ اسمٰعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ جب بچے کی حفاظت کے لئے شب بیداری کرے تو ہر بیداری کے عوض میں اسے اولادِ اسمٰعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کا درجہ ملتا ہے لیکن یہ درجات ان مومنہ عورتوں کے لئے ہیں جو خشوع اور صبر کرنے والی ہوں۔ یہ سن کر وہ حبشی عورت کہنے لگی درجہ تو بہت بڑا ہے لیکن کاش یہ شرطیں نہ ہوتیں۔

رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا

دانائی تو واپس دے دو ان کو ان کے مال اور نہ کھاؤ ان کو فضول خرچی

وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ

اور جلدی سے کہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں اور جو دولت مند ہو تو اسے بچا رہنا چاہیے

وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ

اور جو تنگدست ہو تو اسے کھانا چاہیے ساتھ نیکی کے پس جب واپس دو

اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶

ان کو کے مال تو گواہ قائم کر لو ان پر اور کافی ہے اللہ حساب لینے والا

تفسیر برہان: امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر کسی شخص کو معلوم ہو کہ میری عورت بیوقوف ہے یا لڑکے کے متعلق معلوم ہو کہ بے عقل ہے تو اسے اپنے مال پر مسلط نہیں کرنا چاہیے جس پر اس کی معاش کا دارومدار ہے اور آپ نے اسی آیت سے استدلال فرمایا۔

(۲) جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ شرابی کے قول کی تصدیق نہ کرو۔ اس سے رشتہ نہ کرو۔ اس کی عیادت کو نہ جاؤ۔ اس کے جنازہ میں شرکت نہ کرو۔ اس کو امانت پر امین نہ بناؤ۔ اگر اسے امین بنایا گیا تو اس کو نہ اجر دیا جائے گا اور نہ اس کی ذمہ داری خدا پر عائد ہوگی کیوں کہ اس نے فرمایا ہے کہ بے وقوفوں کو مال نہ سونپو اور شرابی سے زیادہ بیوقوف کون ہے؟

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ میں نے ایک دفعہ ایک شخص کو مال دے کر یمن کی طرف بغرض تجارت روانہ کرنے کا ارادہ کیا تو امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ اے فرزند تجھے یہ پتہ نہیں کہ وہ تو شراب پیتا ہے۔ میں نے عرض کی۔ ابا جان! لوگ تو کہتے ہیں آپ نے فرمایا ایسی صورت میں یہ اقدام نہ کرو کیونکہ ایسے فعل کی ذمہ داری خدا پر نہیں ہے۔ اگر نقصان ہو جائے تو اس بارے میں خدا دعا قبول نہیں کرتا کیوں کہ اس نے منع فرمایا ہے کہ بیوقوف کو مال کا امین یا ذمہ دار نہ بنایا جائے اور شرابی سے زیادہ بیوقوف

اور کون ہو سکتا ہے؟

اقول ۳۔ روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے متعلق عام افواہ اس قسم کی ہو تب بھی اپنے مال کی حفاظت کے پیشِ نظر اس سے گریز کرنا چاہیئے۔ نیز اسی قسم کی روایت حضرت امام جعفر صادقؑ کے فرزند اسمٰعیل کے متعلق بھی ہے۔ چنانچہ ان کا مال نقصان ہو گیا اور پھر حضرت صادق علیہ السلام نے اس کو اس پر بد دعا سے منع فرمایا اور کہا کہ اب یہ بد دعا بے محل ہے۔

۴۔ عیاشی سے منقول ہے کہ حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ سفیہ سے مراد ہر وہ شخص ہے جو قابلِ وثوق نہ ہو۔

۵۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہر نشہ کی چیز استعمال کرنے والا شخص سفیہ ہے پس اسے مال کی ذمہ داری سپرد نہ کرنی چاہیئے۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى۔ یعنی یتیم جب بالغ اور رشید ہو جائیں تو ان کو اپنے مال واپس کر دیئے جائیں۔ بلوغ کی علامتیں مرد کے لئے ہمارے علماء کے نزدیک پندرہ برس کی عمر احتلام یا زیرِ ناف بالوں کا اگ آنا ہے۔ اور رشد سے مراد یہ ہے کہ وہ سمجھدار ہو اور اپنے مال کی نگہبانی کر سکتا ہو۔

یتیم کے مال کی حفاظت

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس یتیم کا مال موجود ہے اور اس کے اپنے گذارہ کے لئے اس کا اپنا مال کافی ہے تو پھر یتیم کے مال کے کھانے سے گریز کرے لیکن اگر ایک شخص خود تنگدست ہے کہ اپنے مال سے اپنا گذارہ نہیں کر سکتا اور یتیم کے مال کی حفاظت کے لئے اس نے اپنا وقت وقف کیا ہوا ہے تو اسے نیکی اور انصاف سے اتنی قدر اس میں سے کھانا جائز ہے جو اس کی مزدوری کا حق ہے نہ اس میں فضول خرچ کرے اور نہ ایسے تصرفات کرے جو زائد از ضرورت ہیں۔ یتیم کے مال میں غلط تصرف کر کے اس کی مزدوری لینا بھی جائز نہیں جبکہ اسے معلوم ہو کہ یہ خود بڑا ہو کر ایسا کرنے پر راضی نہ ہوگا چنانچہ آیتِ مجیدہ میں اس کی صریح ممانعت موجود ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص یتیم کے مال کی نگہداری کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے لئے علیحدہ مزدوری نہیں کر سکتا تو وہ بتقاضائے انصاف اس سے خود کھا سکتا ہے لیکن اگر یتیم کا مال برداشت نہ کر سکے تو محافظ کو اس میں سے کچھ لینے سے بچنا چاہیئے۔

امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم علیہما السلام سے مروی ہے کہ اگر ایک شخص یتیم کے مال کی اصلاح اور نگاہ داری میں مشغول ہے اور خود بھی محتاج ہے تو وہ بقدرِ حاجت اس سے لے سکتا ہے لیکن اگر یتیم کے مال کی حفاظت اسے اپنے کاروبار سے رکاوٹ کی موجب نہ بنے تو اسے یتیم کے مال میں سے کچھ نہ لینا چاہیئے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص یتیم کی زمین یا چوپائے وغیرہ کی حفاظت میں اپنا وقت لگائے تو اس میں سے خود بقدرِ حاجت کھا سکتا ہے لیکن اس کی نقدی یعنی درہم و دینار کی حفاظت کے بدلہ میں وہ کچھ نہیں لے سکتا کیونکہ اس میں اس کا وقت صرف نہیں ہوتا۔ ما برہان۔

علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ جو شخص خود محتاج و فقیر ہے تو یتیم کے مال کی دیکھ بھال کے سلسلہ میں خود بقدرِ حاجت کھا سکتا ہے لیکن نیت قرض کی کرے اور اس کے جوان ہونے کے بعد اس کو اپنا قرض واپس ادا کرے اور یہی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ مجمع البیان۔

فَاِذَا دَفَعْتُمْ :- یعنی جب یتیم بالغ و رشید ہو جائے تو اسے اپنا حق واپس کر دیا جائے لیکن گواہ بلا لینے ضروری ہیں۔ تاکہ بعد میں جھگڑا و فساد کی نوبت نہ آئے۔ یہ تدبیر منزل کے لئے وہ اہم قوامین ہیں جن کی اتباع کرنا۔ دین و دنیا کی بھلائی کا موجب ہیں۔ خداوند کریم نے یتیم پروری کا ایک ایسا بہترین نظام مقرر فرمایا جو کسی ملت میں شاید نہ مل سکے اور یہ اس کا کمال لطف و رحمت ہے اور یتیم پرور لوگوں کو چاہیئے کہ یتیم کے اموال میں پوری احتیاط سے کام لیں اور اس کے استعمال سے دامن بچانے کی کوشش کریں چنانچہ معصومین کے فرامین کا یہی مطلب ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ

مردوں کے لئے حصہ ہے اس سے جو چھوڑ جائیں والدین اور قریبی اور عورتوں

نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ

کے لئے حصہ ہے اس سے جو چھوڑ جائیں والدین اور قریبی خواہ تھوڑا ہو یا

كَثُرَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا

بہت حصہ فرضی اور جب حاضر ہوں بوقت تقسیم وراثت

الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا

قریبی اور یتیم اور مسکین تو کچھ اس سے ان کو دے دو اور کہو

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ :- امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے یعنی منسوخ نہیں ہے۔ برہان۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَۃَ۔ اس آیت کے متعلق روایات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ آیت منسوخ ہے یا نہیں تو علمائے مفسرین نے ان میں اس طرح جمع کی ہے کہ جن روایات میں یہ ہے کہ منسوخ ہے تو مقصد یہ ہے کہ وجوب منسوخ ہے اور جو روایات عدم نسخ پر دلالت کرتی ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ دینا جائز بلکہ مستحب ہے۔

وَلْیَخْشَ الَّذِیْنَ :- یعنی جو لوگ یتیموں کے اموال میں کوتاہی اور لاپرواہی سے کام لیتے ہیں۔ انہیں اپنی اولاد کا خیال کرنا چاہیئے پس جس طرح اپنی اولاد کے متعلق انہیں اپنے بعد کا ڈر ہوتا ہے لہٰذا ان کی بھلائی سوچتے ہیں۔ اسی طرح ان یتیموں کا درد بھی ان کے دلوں میں ہونا چاہیئے جو اس وقت ان کے زیرِ سایہ اور ان کی دستگیری کے محتاج ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ :- برہان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ میں نے شب معراج دیکھا کہ بعض لوگوں کے منہ سے آگ داخل ہو کر ان کے نیچے سے نکل جاتی ہے۔ جبرئیل نے کہا یہ لوگ یتیموں کے مال کھانے والے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے

آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ جب قبر سے نکلیں گے تو ان کے منہ سے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوں گے۔

ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ یتیم کے مال میں سے ایک درہم کھانے والا داخل جہنم ہوگا اور ہم ہیں یتیم (لہٰذا مال سے مراد خمس ہوگا)

رکوع ۱۳

قانونِ وراثت

لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ

ان کو بات نیک اور ڈریں وہ لوگ جو اگر چھوڑیں اپنے

خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا

پیچھے اولاد کمزور کہ ان کو ڈر ہو ان کے متعلق پس ڈریں اللہ سے اور کہیں بات

قَوْلًا سَدِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا

درست تحقیق جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کے ظلم سے

إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝

یقیناً وہ بھرتے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ۔ اور جلیں گے بھڑکتی ہوئی آگ میں

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ

وصیت کرتا ہے تم کو خدا تمہاری اولاد کے بارے میں کہ مرد کا حصہ برابر دو عورتوں کے ہے

فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن

پس اگر صرف عورتیں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ دو تہائی ترکہ کا ہے اور اگر

يُوصِيكُمُ اللَّهُ۔ تفسیر برہان میں عیاشی سے مروی ہے کہ جب جناب فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا نے اپنے باپ کی وراثت کا دعوےٰ دائر کیا تھا تو جواب دیا گیا تھا کہ نبیوں کی وراثت نہیں ہوا کرتی تو آپ نے اپنے دعوے کے اثبات کے لئے یہی آیت تلاوت فرمائی تھی کیوں کہ آیت مجیدہ میں نبی و غیر نبی کا فرق نہیں کیا گیا۔ نیز اس سے پہلی آیت کہ مردوں کے لئے بھی وراثت کا حق ہے جو مورث چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حق وراثت ثابت ہے جو کچھ ان کے مورث چھوڑ جائیں وہاں بھی عموم کو استعمال کیا گیا ہے اور نبی یا غیر نبی کا فرق نہیں بتایا گیا ورنہ اگر نبی کے لئے توریث کی نفی ہوتی تو اس مقام پر استثناء کا ہونا ضروری تھا۔

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ: عورت سے مرد کا حصہ خدا نے دگنا مقرر فرمایا ہے۔ اس کی مصلحت کے متعلق امام رضا علیہ السلام

سے بذریعہ خط دریافت کیا گیا تو آپ نے جواباً تحریر فرمایا ایک وجہ تو یہ ہے کہ نکاح کے وقت عورت کے لئے حق مہر فرض کیا گیا ہے جو مرد کے لئے نہیں بلکہ اسے دینا پڑتا ہے لہٰذا خدا نے مرد کو اس مقام پر زیادہ حصہ دے دیا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد پر عورت کا نفقہ واجب ہوا کرتا ہے اور مرد خواہ محتاج و نادار بھی ہو عورت پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہوتا۔ پس خدا نے اس مقام پر مرد کو زیادہ حصہ دے دیا تاکہ اخراجات کا بوجھ اس سے ہلکا ہو جائے۔ (الحدیث)

تفسیر برہان میں کافی سے منقول ہے کہ ایک دفعہ ابن ابی العوجاء نے یہ اعتراض اٹھایا کہ عورت باوجودیکہ کمزور و ناتواں ہوا کرتی ہے اس کا حصہ قرآن مجید میں مرد سے نصف مقرر کیا گیا ہے حالانکہ مرد خود کما بھی سکتا ہے۔ لہٰذا عقل کے لحاظ سے مرد کی بہ نسبت عورت کو

كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ

ایک ہو تو اس کا حصہ (فرض) ہے اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے

مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ

لئے چھٹا حصہ ترکہ سے اگر اس میت کی اولاد ہو۔ اور اگر نہ ہو

لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗ

اس کی اولاد اور صرف وارث ہوں ماں باپ تو ماں کے لئے ایک تہائی پس اگر ہوں اس میت کیلئے

اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَا

بھائی تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ بعد نکال لینے وصیت کے جو وہ کر جائے

اَوْ دَيْنٍ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ

یا قرضہ کے۔ تمہارے باپ اور بیٹے۔ تم نہیں جانتے کہ ان میں کون زیادہ قریب ہے

لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

تمہارے نفع کے لئے۔ فریضہ ہے اللہ کی طرف سے تحقیق اللہ علیم و حکیم ہے

زیادہ دینا چاہیئے تھا ورنہ کم از کم مساوات تو ہوتی پس حضرت جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے اس کا یہ سوال دہرایا گیا تو آپ نے فرمایا عورت پر نہ جہاد واجب ہے نہ نفقہ اور نہ ان پر کسی قسم کا دیت وغیرہ کا خرچ ہے۔ اسی مصلحت کی بناء پر عورت سے مرد کو دگنا حق دیا گیا۔

روایات سے مستفاد یہی نکلتا ہے کہ چونکہ مرد خانگی انتظامی معاملات میں حق حکومت رکھتا ہے بنا بریں اس کے اخراجات زیادہ ہیں اور عورت محکومانہ حیثیت سے رہتی ہے لہٰذا اس کے اخراجات کا بوجھ بھی مرد پر ہوتا ہے پس مرد کو وراثت میں دگنا حصہ دیا گیا ہے تاکہ عورت کے حق مہر اور نان و نفقہ اور جہاد، دیت اور اسی قسم کے دوسرے بیرونی اخراجات کے لئے اس کا ہاتھ تنگ نہ ہو اور یہ عدل خداوندی کا تقاضا ہے جو دانا و بینا ہے۔

لطیفہ بعض کتب مناقب میں ہے کہ ایک دفعہ دو عورتوں کے درمیان جھگڑا ہوا۔ ایک کی لڑکی اور دوسری کا لڑکا تھا لیکن ان میں سے ہر ایک لڑکے کی دعویدار تھی۔ زمانہ تھا دوسری خلافت کا جب فیصلہ نہ ہو سکا تو حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت بابرکت میں یہ مقدمہ پیش کیا گیا۔ آپ نے ایک حجم کی دو شیشیاں منگوالیں اور حکم دیا کہ ایک ایک شیشی ان عورتوں کو دی جائے تاکہ اپنے اپنے دودھ سے اسے پُر کریں چنانچہ ایسا کیا گیا پس آپ نے دونوں کو وزن کرنے کا حکم دیا تو ایک کا وزن کم اور دوسری کا زیادہ نکلا پس آپ نے حکم دیا کہ لڑکا اس عورت کا ہے جس کا دودھ زیادہ وزنی ہے اور لڑکی دوسری کی ہے۔ یہ فیصلہ سنتے ہی صحابہ ششدر ہو گئے اور آپ سے وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا میں نے یہ فیصلہ قرآن مجید سے کیا ہے چنانچہ خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ۔ جس خدا نے وراثت میں مرد کو عورت سے حق زیادہ کرامت فرمایا ہے۔ اس نے خوراک میں بھی مرد عورت کے حصہ میں فرق مقرر کیا ہے پس صحابہ آپ کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے واپس چلے گئے اور دونوں عورتیں اپنے اپنے بچے لے کر رخصت ہو گئیں۔ لیکن قرآن مجید کی ان باریکیوں کو راسخین فی العلم کے علاوہ اور کون جان سکتا تھا جبھی تو جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا۔ عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ اور تمام امت کو ان دونوں سے تمسک پکڑنے کا حکم دیا تھا۔ اللّٰهُ يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ۔

طبقہ اولیٰ کی وراثت: اولاد میت کا وارث اگر صرف لڑکا ہو تو وہ ساری جائداد کا مالک ہوگا۔ اور اگر چند لڑکے ہوں وہ پوری جائداد کو برابر تقسیم کریں گے اور اگر لڑکیاں اور لڑکے موجود ہوں تو لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ہر لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصے کے برابر دیا جائیگا یعنی لڑکی کو لڑکے کے حصہ کا نصف دیا جائے گا۔ مثال، ایک لڑکا اور ایک لڑکی جائداد تین حصوں میں برابر تقسیم ہوگی۔ دو لڑکے کو اور ایک لڑکی کو ملے گا۔ اور ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہوں تو جائداد برابر دو حصوں میں تقسیم ہوگی۔ ایک حصہ لڑکے کو اور دوسرا حصہ دو لڑکیوں کو جو آپس میں برابر تقسیم کریں گی اور اگر دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہوں تو جائداد تین حصوں میں تقسیم ہوگی۔ ایک ایک حصہ دونوں لڑکوں کو اور ایک حصہ دو لڑکیوں کو دیا جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس۔

فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ۔ اگر مرجانے والے کی اولاد صرف لڑکیاں ہوں اور لڑکا کوئی موجود نہ ہو۔ تو لڑکیاں اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے فرض کل جائداد کی دو تہائی ہے پس اگر ان کے علاوہ اس طبقہ میں کوئی دوسرا وارث نہ ہوا تو پھر باقی جائداد ان پر رد ہوگی یعنی کل جائداد کی وارث یہی ہوں گی اور ان کی موجودگی میں دوسرے یا تیسرے طبقہ والوں کو وراثت سے کچھ نہ دیا جائے گا۔

آیت مجیدہ میں فَوْقَ اثْنَتَيْنِ کی لفظ ہے یعنی دو سے زیادہ ہوں لیکن علمائے امامیہ کا اتفاق ہے کہ دو کا حکم بھی یہی ہے وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً۔ اگر متوفی صرف ایک لڑکی چھوڑ جائے تو اسے کل جائداد کا نصف ½ فرض کے ساتھ ملے گا اور باقی بھی رد کے طور پر اسی کو ملے گا اگر اس طبقہ میں کوئی دوسرا اس کا شریک وراثت نہ ہو ورنہ اسی طبقہ کے دیگر ورثاء کے حقوق کے بعد اگر بچے گا تو اسی کو رد میں مل سکے گا اور مذہب امامیہ میں لڑکی کی موجودگی میں دوسرے یا تیسرے طبقہ کے ورثاء جو عصبہ کہلاتے ہیں متوفی کی جائداد سے محروم ہوں گے۔

ماں باپ لِاَبَوَیْهِ:۔ اگر میّت کی اولاد بھی موجود ہو اور اس کے والدین بھی موجود ہوں تو کل ترکہ میں سے چھٹا چھٹا حصّہ ماں اور باپ کو ملے گا جس کی تفصیل یہ ہو گی۔

اگر میّت کے ماں باپ بھی موجود ہیں اور ایک لڑکا ہے تو ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصّہ دے کر باقی کل جائداد میت کے لڑکے کو ملے گی اور اگر لڑکے زیادہ ہوں تو وہ سب برابر برابر آپس میں تقسیم کریں گے اور اگر لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

اگر میّت کے ماں باپ اور لڑکی موجود ہو تو ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصّہ فرض سے دیا جائے گا اور لڑکی کو نصف کل جائداد کا بطور فرض دیا جائے گا۔ اور باقی بچے ہوئے کو ان سابقہ حصص کی نسبت سے ان پر تقسیم کیا جائے گا اور یہ رد قرابت کے لحاظ سے ہے اس میں سے دور کے وارثوں کو کچھ نہ ملے گا یعنی طبقہ اُولیٰ کے بعد والے دوسرے یا تیسرے طبقہ کو کچھ نہ دیا جائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر میّت کے بیٹے بیٹیاں موجود نہ ہوں بلکہ ان کی اولاد موجود ہو اور میّت کے والدین بھی موجود ہوں۔ تب بھی تقسیم کی یہی صورت ہو گی کہ والدین کو چھٹا چھٹا حصّہ دیا جائے گا اور باقی پوتوں پوتیوں پر ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم ہو گا جبکہ میّت کے ایک لڑکے کی اولاد ہوں اور اگر چند لڑکوں کی اولاد ہوں گے تو اپنے اپنے باپ کے حصّہ کو آپس میں اسی طرح تقسیم کریں گے۔ اور نواسے اور نواسیوں کی بھی یہی صورت ہے۔ اور اگر پوتوں کے ساتھ نواسے بھی ہوں تو پوتے اپنے باپ کا حصّہ اور نواسے اپنی ماں کا حصّہ لیں گے اور ان کی باہمی تقسیم مرد و عورت کی ایک اور دو کی نسبت سے ہو گی۔ اور اگر صرف نواسے نواسیاں ہوں تو میت کے ماں باپ کے حصص نکالنے کے بعد اگر یہ میّت کی ایک لڑکی کی اولاد ہوں گے تو ان کو کل جائداد کا $\frac{1}{2}$ حصّہ بطور فرض کے ملے گا جس کو یہ باہمی طور پر ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔ اور جو جائداد بچ رہے گی اپنے سابقہ حصص کی بناء پر ماں باپ اور ان پر حق قرابت کے لحاظ سے رد ہو گی جس کو حسبِ سابق آپس میں تقسیم کریں گے۔ اور اگر دو لڑکیوں کی یا زیادہ کی اولاد ہوں گی تو ماں باپ کے حصّوں کے بعد کل جائداد میں سے ان کو دو تہائی ملے گا اور آپس میں حسبِ قرابت اور حسبِ حصص تقسیم کریں گے۔ اور باقی میراث حسبِ سابق ان پر رد ہو گی۔

فَاِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهٗ:۔ اگر میّت کی اولاد نہ ہو اور صرف باپ وارث ہو تو وہی تمام جائداد کا وارث ہو گا اور اگر اکیلی ماں ہو تو وہ بھی تمام جائداد کی وارث ہو گی لیکن اس طرح کہ $\frac{1}{3}$ حصّہ کی مالک فرض کے لحاظ سے اور باقی بحقِ قرابت اس کو بطورِ رد کے ملے گا اور اگر دونوں ماں باپ موجود ہوں تو ماں کو ایک تہائی ملے گا اور باقی باپ لے گا۔

فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ:۔ اگر میّت کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ موجود ہوں تو ماں کو ایک تہائی ملے گا لیکن بشرطیکہ میّت کے دو یا اس سے زیادہ بھائی موجود نہ ہوں ورنہ ماں کو چھٹا حصّہ ملے گا۔ اگر میّت کا ایک بھائی اور دو بہنیں یا صرف چار بہنیں موجود ہوں تب بھی ماں کو تہائی کی بجائے چھٹا حصّہ ملے گا۔ بشرطیکہ یہ بھائی بہنیں پدری ہوں یا مادری پدری ہوں۔ اگر صرف مادری ہوں تو ماں کو پورا تہائی حصّہ ملے گا۔ یہاں اِخْوَةٌ کا لفظ اگرچہ جمع ہے لیکن اس سے مراد دو یا اس سے زیادہ ہیں۔ بھائیوں

کی موجودگی صرف ماں کے حصّہ پر اثر انداز ہوگی ورنہ ان کو خود متوفی کی وراثت سے کچھ نہ ملے گا بلکہ ماں کے حصّہ سے فاضل سب باپ کو ملے گا۔

مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ :۔ لفظ کے لحاظ سے وصیّت کا ذکر پہلے اور قرضہ کا ذکر بعد میں ہے لیکن اَوْ کی لفظ ترتیب کے لئے نہیں ہوتی اور میّت کے مال میں سے قرضہ کی ادائیگی سب سے پہلے ہوا کرتی ہے اور پھر وصیّت پر عمل ہوتا ہے اور آخر میں وراثت کی تقسیم اور یہی معصومینؑ سے مروی ہے چونکہ یہ مسائل ذرا مشکل ہیں لہٰذا ان کی مزید وضاحت کے لئے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ ہر خاص و عام خوب سمجھ سکے۔

مثال نمبر ۱ :۔ میّت کے وارث صرف اس کی لڑکی اور باپ موجود ہیں۔ کل جائداد کو چھ حصّوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ یعنی ایک حصّہ باپ کو اور نصف یعنی ۳ حصّے لڑکی کو ملیں گے۔ اب جو دو حصّے باقی رہ گئے ہیں وہ پھر انہی پر حقِ قرابت کے لحاظ سے رد ہوں گے لیکن اسی نسبت سے جو ان کو پہلے مل چکا ہے چونکہ وہ بنسبت ایک اور تین کی تھی لہٰذا ان دو حصوں میں سے باپ کو آدھ حصّہ اور لڑکی کو ڈیڑھ حصّہ ملے گا۔ تو کل جائداد میں سے لڑکی کو ساڑھے چار حصّے اور باپ کو ڈیڑھ حصّہ آئے گا یا یوں سمجھئے کہ کل جائداد کا $\frac{1}{4}$ حصّہ باپ کو اور $\frac{3}{4}$ حصّہ لڑکی کو ملے گا۔

مسئلہ :۔ قرآن مجید میں ورثاء کے جو حصّے مقرر کئے گئے ہیں ان کو فقہا لوگ فرض سے تعبیر کرتے ہیں اور قرآن مجید کے فرمان اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ یعنی اللہ کی کتاب میں رشتہ داروں میں سے بعض بہ نسبت دوسرے بعض کے اولیٰ ہوا کرتے ہیں۔ اس کی رو سے جو فرض سے بچا ہوا حق قریبیوں پر تقسیم ہوتا ہے اس کو رد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اسی آیتِ مجیدہ کی رو سے علماء امامیہ تعصیب کو باطل جانتے ہیں یعنی یہ کہ فروض سے جو بچ جائے وہ دوسرے دور کے وارثوں کو دیا جائے۔ جنہیں عام اصطلاح میں وارثانِ بازگشت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ باطل ہے کیونکہ اقرب کی موجودگی میں ابعد کسی صورت میں وارث نہیں قرار دیا جا سکتا اور اُولُوا الْاَرْحَامِ الخ والی آیت اس کی واضح دلیل موجود ہے پس حق یہ ہے کہ فرضوں سے جو بچے وہ بحقِ قرابت انہی پر تقسیم ہو کیونکہ وہی زیادہ قریبی ہیں۔

مثال نمبر ۲ :۔ وارث صرف لڑکی اور ماں ہوں۔ تقسیم کا طریقہ وہی ہوگا جو اوپر کی مثال میں بتایا گیا ہے۔

مثال نمبر ۳ :۔ وارث لڑکی ماں اور باپ دونوں ہوں۔ چھ حصّوں میں سے ایک ماں کو ایک باپ کو ۳ لڑکی کو بحق فرض ملے گا اور ایک بچا ہوا حصّہ پہلی نسبت سے پانچ حصّوں میں بٹ کر ایک ایک ماں باپ کو اور ۳ حصّے لڑکی کو دیئے جائیں گے گویا کل جائداد کے حصّے پانچ ہوں گے $\frac{1}{5}$ ماں $\frac{1}{5}$ باپ اور $\frac{3}{5}$ لڑکی کو ملے گا۔ لیکن اگر میّت کے پدری مادری یا صرف پدری دو یا دو سے زیادہ بھائی یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار بہنیں موجود ہوں گی تو ماں کو صرف $\frac{1}{6}$ حصّہ دیا جائے گا اور رد صرف لڑکی اور باپ پر ایک اور تین کی نسبت سے ہوگا۔

مثال نمبر ۴ :۔ دو یا زیادہ لڑکیاں اور ماں یا باپ میں سے ایک ہو۔ چھ حصّوں میں سے ماں یا باپ کو ایک حصّہ اور

لڑکیوں کو دو تہائی یعنی چار حصے۔ جس کو وہ آپس میں برابر تقسیم کریں گی۔ اور بچے ہوئے ایک حصے کو سابقہ نسبت سے یعنی ایک اور چار کی نسبت سے تقسیم کیا جائے گا۔

مثال نمبر ۵:۔ دو یا زیادہ لڑکیاں اور ماں اور باپ دونوں۔ چھ حصوں میں سے ماں باپ کو ایک ایک حصہ اور لڑکیوں کو دو تہائی یعنی چار حصے اور جائداد پوری تقسیم ہو جائے گی۔ لہٰذا رد کی ضرورت نہ ہو گی۔

مثال نمبر ۶:۔ وارث پوتا یا پوتی یا ہر دو جبکہ میت کے ایک ہی لڑکے کی اولاد ہوں اور ماں یا باپ یا ہر دو۔ پس ماں یا باپ یا ہر دو کو اپنا اپنا چھٹا حصہ دیا جائے گا خلاصہ چھ میں سے ایک ایک اور باقی پوتا یا پوتی لیں گے اور اگر دونوں ہوں تو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

مسئلہ:۔ صرف پوتی اپنے باپ کے قائم مقام ہوتی ہے جو میت کا لڑکا تھا لہٰذا اس کو اپنے باپ کی طرح پورا حصہ ملے گا۔

مثال نمبر ۷:۔ وارث۔ میت کا پوتا ایک لڑکے سے۔ پوتی دوسرے لڑکے سے اور ماں اور باپ یا ان میں سے ایک۔ چھ حصوں میں سے ماں باپ اپنا اپنا ایک ایک حصہ لیں گے باقی پوتے اور پوتی میں برابر تقسیم ہو گا اس لئے کہ پوتی اپنے باپ کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے پوتے کے ساتھ برابر کی حصہ دار ہے کیونکہ یہ دونوں اپنے اپنے باپ کا حصہ لے رہے ہیں۔ اگر وہ خود موجود ہوتے تو برابر تقسیم کرتے پس ان کے قائم مقاموں کو بھی ایسا ہی کرنا پڑے گا۔

مثال نمبر ۸:۔ پوتا۔ نواسہ اور ماں باپ یا ان میں سے ایک۔ چھ میں سے ماں باپ کے ایک ایک حصہ کے نکل جانے کے بعد باقی کو پوتا اور نواسہ ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے کیونکہ پوتا میت کے لڑکے کے قائم مقام اور نواسہ میت کی لڑکی کے قائم مقام ہے۔ پس اگر نواسہ کی جگہ نواسی ہو تب بھی یہی حصہ لے گی اور نواسے اور نواسیاں جب کہ ایک ماں سے ہوں تو وہ اپنے مذکورہ حصہ کو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔ بنا بریں اگر پوتی اور نواسہ وارث ہوں۔ تب بھی پوتی کو باپ کا حصہ اور نواسہ کو ماں کا حصہ دیا جائے گا یعنی پوتی کو دو اور نواسے کو ایک۔

مثال نمبر ۹:۔ صرف نواسے نواسیاں میّت کی ایک لڑکی کی اولاد۔ اور ماں یا باپ۔ چھ میں سے ماں یا باپ کو ایک حصہ اور نواسوں نواسیوں کو چونکہ میت کی ایک لڑکی سے ہیں۔ میّت کی جائداد کا نصف حصہ یعنی چھ میں سے تین حصے ملیں گے۔ باقی بحقِ قرابت سابق حصص کے مطابق ان پر رد ہوں گے یعنی ان باقی دو حصوں کو ایک اور تین کی نسبت سے بانٹا جائے گا پہلی مثال کی طرح۔ پھر نواسے اور نواسیاں اپنے کل حصہ کو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

مثال نمبر ۱۰:۔ نواسے نواسیاں بصورت سابق اور ماں باپ دونوں تیسری مثال کی طرح تقسیم ہو گی۔

مثال نمبر ۱۱:۔ ایک لڑکی سے نواسہ یا نواسی یا ہر دو اور دوسری لڑکی سے نواسہ یا نواسی یا ہر دو۔ اور ماں یا باپ چھ حصوں میں سے ماں یا باپ کو ایک ایک حصہ دیا جائے گا۔ اور نواسوں نواسیوں کو کل جائداد کی دو تہائی یعنی چھ میں سے چار حصے دیئے جائیں گے۔ اور باقی کو چوتھی مثال کی طرح تقسیم کیا جائے گا۔ اس کے بعد نواسے اور نواسیاں اپنی اپنی ماں کے حصہ کو آپس میں تقسیم کریں گے

یعنی اولاً حاصل شدہ کو دو برابر حصوں میں اور پھر ہر حصہ کو اس میں جسقدر بھائی بہنیں شریک ہوں گے۔ ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔ اور اگر دو سے زیادہ لڑکیوں کی اولاد موجود ہو تب بھی کل کو اصل جائداد سے حصہ اسی قدر ملے گا۔ پھر اپنی اپنی ماں کے حصہ کو اس کی اولاد سابق قانون کی رُو سے تقسیم کرے گی یعنی مرد کو عورت سے دُگنا۔

مسئلہ: اگر میت کی اولاد لڑکے لڑکیاں موجود ہوں اور اس کا کوئی پوتا پوتی یا نواسہ نواسی ایسا بھی موجود ہو جن کا باپ یا ماں میّت کی موجودگی میں وفات پا چکے تھے تو مذہب امامیہ اثنا عشریہ کی رُو سے وہ وراثت سے محروم ہو گا کیونکہ ان سے زیادہ قریبی میّت کی اپنی اولاد موجود ہے۔

پوتے یا نواسے کی وراثت کا مسئلہ

تنبیہ: چونکہ مسلمان قرآن کے مسلّمہ اصولوں سے روز بروز دور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور غیر اسلامی تعلیم ان کی رگ پے میں گھر کرتی چلی جا رہی ہے لہٰذا قرآن مجید کا جو فیصلہ ان کی خواہشات اور افتاد طبع سے متصادم ہو۔ وہ اسے خلافِ عقل کہنے میں ذرہ بھر باک محسوس نہیں کرتے چنانچہ انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہتے ہیں کہ یتیم پوتے کو دادا کی وراثت سے محروم کرنا ناانصافی ہے اور سراسر خلاف عقل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ خود عقل سے کورے ہوتے ہیں جو کسی بھی قانون خداوندی کو خلافِ عقل یا منافی انصاف کہیں۔ اس مسئلہ کو اگر تھوڑی سی غور کر کے دیکھا جائے تو اس کا منافی انصاف اور خلافِ عقل ہونا تو درکنار یقین کرنا پڑے گا کہ یہ عین انصاف اور بالکل قرینِ عقل ہے۔

وراثت کا حصہ خداوند کریم نے دو طریقوں سے بیان فرمایا ہے۔ ایک فرض اور دوسرا قرابت۔ فرضی حصص وہی ہیں جن کو صراحت سے ذکر کیا ہے۔ کسی کا نصف کسی کا دو تہائی کسی کو چھٹا۔ کسی کے لئے تہائی کسی کا چوتھا اور کسی کا آٹھواں اور یہی وہ فرض ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ ان میں پوتے کا نام نہیں باقی رہا حق قرابت جس کو وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ کے کلیے سے واضح کیا ہے۔ بس اس قرابت کے کلیہ کے ماتحت جو بھی میّت کا زیادہ قریبی ہو وہی اس کی وراثت کا پہلا حقدار ہو گا۔ اور ظاہر ہے کہ لڑکے اور پوتے میں سے میّت کا زیادہ قریبی لڑکا ہے۔ اور پوتا ایک درجہ دور ہے۔ ہاں اگر میّت کا لڑکا یا لڑکی موجود نہ ہو تو پھر باقی سب سے زیادہ قریب پوتا یا نواسہ ہی ہو گا۔ جس طرح اوپر کے سلسلہ میں باپ اور دادا دونوں قریبی ہیں اور حکومت کے لحاظ سے جس طرح باپ حاکم ہے اسی طرح دادا بھی حاکم ہے لیکن قرابت کے لحاظ سے باپ بلاواسطہ ہے اور دادا ایک درجہ دور ہے پس میّت کے باپ کی موجودگی میں دادا کو وراثت کا حق حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے درجہ میں بھائی بھتیجے اور بہن اور بھانجے میں بھی وہی بات ہے کہ بھائی بہ نسبت بھتیجے کے اور بہن بہ نسبت بھانجے کے میت کے زیادہ قریب ہیں، اور پھر تیسرے درجہ میں چچا اور چچا زاد۔ ماموں اور ماموں زاد وغیرہ کی

یہی کیفیت ہے۔

میت کی اپنی اصلی اولاد بہر صورت اولاد کی اولاد سے قریب تر ہے۔ اگر یتیم پوتے کا باپ موجود ہوتا جس کی بدولت یہ دادا سے قریبی ہونے کا حق دار ہے تو یقیناً دادا کی وراثت اس تک نہ پہنچ سکتی کیونکہ پوتے کا باپ میت سے بلاواسطہ قرب رکھتا ہے پس وہی وراثت کا حق دار ہے لہٰذا اس کی موجودگی میں یہ ہرگز وارث نہیں ہو سکتا۔ تو جب اپنے واسطۂ قرابت کی موجودگی میں محروم الارث تھا۔ اب واسطہ کے ٹوٹ جانے کے بعد یہ کیسے وارث ہو سکتا ہے؟ نیز اس واسطہ کی موجودگی میں وہ واسطہ خود وارث اس لئے نہ تھا کہ اس پوتے کا باپ ہے بلکہ وہ اس لئے وارث تھا کہ مرنے والے کا بلاواسطہ فرزند ہے۔ پس یہ قاعدہ ثابت ہو گیا کہ بلاواسطہ فرزند کی موجودگی میں بالواسطہ فرزند وراثت نہیں پا سکتا۔ اب یہی علت پوتے کے چچوں اور پھوپھیوں کی موجودگی میں بھی پائی جاتی ہے کہ وہ میت کے بلاواسطہ اولاد ہیں تو اس صورت میں بالواسطہ کو کیونکر حصہ دیا جائے؟ نیز میت کا نواسہ یا نواسی جس کی ماں میت کی موجودگی میں مر چکی ہو ان کا بھی یہی حکم ہے کہ میت کی بلاواسطہ اولاد کی موجودگی میں خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، نواسے نواسیاں اپنے نانا کے وارث نہیں بن سکتے۔ لیکن معترض لوگ اس مقام پر نواسوں اور نواسیوں کا ذکر درمیان میں نہیں لاتے اور وہ اس لئے کہ لڑکیوں کو یا ان کی اولاد کو جائداد سے حصہ کیوں دیا جائے۔ اور نہ ان کی محرومی کو خلافِ عقل اور منافی انصاف قرار دیتے ہیں کیوں کہ وہ ان کے جذبات کے موافق اور خواہشات کے مطابق ہے۔

اب رہا یہ کہ وہ یتیم رہ گیا اس کا بندوبست کیا ہوگا؟ تو یہ صرف ایک نہیں بلکہ دنیا میں ہزاروں لاکھوں بچے یتیم اور لاوارث رہ جاتے ہیں جن کو خدا رزق دے رہا ہے۔ اور فرض کرو اگر اس دادا کی جائداد نہ ہوتی تو پھر یتیم کیسے زندگی گذارتا۔ یہ باتیں محض بے تکی ہیں۔ ان کو مسئلہ سے کوئی ربط نہیں۔ جب یہ ثابت ہوا کہ پوتے کی بہ نسبت اس کے چچے اور پھوپھیاں میت کے زیادہ قریبی ہیں تو اس کی دادا کی جائداد سے محرومی عین انصاف اور موافق عقل ہے بلکہ یہاں محرومی کا استعمال کرنا بھی بے جا ہے۔ جبکہ وہ سرے سے حقدار ہی نہیں تو پھر محرومی کیسے؟ البتہ اس کو دادا کی جائداد میں حصہ دار قرار دینا میت کی بلاواسطہ اولاد کی حق تلفی اور ان پر ظلم عظیم ہے جس طرح باقی سلسلۂ قرابت میں اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو وراثت دینا قریبیوں کی حق تلفی ہوا کرتی ہے پس حق تو یہ تھا کہ اگر کوئی پوتے کی وراثت کا قائل ہوتا تو اس کے خلاف ہنگامہ آرائی کی جاتی کہ قریبی کی موجودگی میں بعید کی وراثت کا ڈھونگ کیوں رچایا جا رہا ہے۔

واسطہ کے منقطع ہو جانے کے بعد اگر اس کو قرابت کا حق وہی دیتا ہے جو واسطہ کو حاصل تھا تو اس سلسلہ میں دوسری کافی مثالیں ایسی موجود ہو جائیں گی جن میں غیر وارث کو وارث کرنا پڑے۔

۱۔ میت کا نواسہ اور نواسی جس کی ماں پہلے مر چکی ہو۔ اب اس کو بھی نانا کی وراثت سے ماں کا حق دیا جائے۔

۲۔ اولاد کی عدم موجودگی میں زوجہ کو شوہر کی جائداد منقولہ میں سے ¼ حصہ دیا جاتا ہے جو اس کی موت کے بعد اس کے قریبیوں کو ملتا ہے۔ پس اگر زوجہ شوہر کی موجودگی میں مر جائے تو شوہر کی موت کے بعد سابقہ زوجہ متوفاہ کے وارثوں کو زوجہ متوفاہ کا حق دیا جائے۔

۳۔ اسی طرح شوہر کو عورت کی جائداد کا ½ یا ¼ حصہ دیا جاتا ہے تو پہلے مرجانے کی صورت میں اس کا حق نہ ٹوٹنا چاہیے بلکہ
اس کی بیوہ عورت کی وفات کے بعد شوہر کے وارثوں کو حق طلب کرنا چاہیے۔

۴۔ دوسرے طبقۂ وراثت میں بھائی کی موجودگی میں متوفی بھائی کے لڑکے لڑکیاں اور تیسرے طبقہ میں چچا کی موجودگی میں
متوفی بھیجے کی اولاد وہٰذا القیاس، وارث قرار دیئے جائیں گے۔

بہر کیف اس قسم کی متعدد جزئیاں پیدا ہو سکتی ہیں جن کو کوئی صاحب عقل سلیم تسلیم نہیں کرتا تو صرف پوتے کی ہمدردی وراثت کا
ڈھنڈورا پیٹنا محض خواہش کا بھوت پیدا کرنے کے لئے ہی ہے پس مسلمانوں کو چاہیے کہ قرآن مجید کے احکام کو بسر وچشم تسلیم کریں
اور ان کے خلاف ہنگامہ آرائی کی بدعادات کو خیر باد کہہ دیں اور سچے مسلمانوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔

علمی نکتہ:۔ آیت مجیدہ میں طبقۂ اولیٰ کے حقوق بیان فرماتے ہوئے بعض کے حقوق تصریحاً ذکر فرمائے، اور بعض ورثاء کے
لئے تلویح سے کام لیا گیا۔

تصریح:۔ ماں اور باپ کے حقوق انفرادی صورت میں اور اولاد کی موجودگی کی صورت میں جدا جدا معین فرما دیئے۔ اسی
طرح ایک لڑکی اور متعدد لڑکیوں کے حقوق فرضیہ کی تصریح فرمادی ہے لیکن اگر صرف ایک لڑکا ہو یا متعدد لڑکے ہوں تو ان کا
تصریحاً بیان نہیں فرمایا۔

تلویح:۔ ایک لڑکا یا متعدد لڑکے ہوں تو ان کا حق تلویحاً بیان فرمایا ہے، چنانچہ ایک مقام پر لڑکے اور لڑکیوں کی تقسیم
میں فرمایا مرد کو عورت سے دوگنا دیا جائے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ۔ اور دوسری جگہ صرف ایک لڑکی کے متعلق فرمایا
اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ یعنی اگر ایک ہو تو اسے نصف دیا جائے تو چونکہ پہلے فرما چکا ہے کہ لڑکے کو لڑکی سے
دوگنا دیا جائیگا تو صاف نتیجہ نکلا کہ صرف ایک لڑکا ہوگا تو پوری جائداد کا وارث ہوگا۔ اور نیز چونکہ یہ فرمایا کہ لڑکے اور لڑکیاں وراثت میں ایک اور دو
کی نسبت رکھتے ہیں تو معلوم ہو گیا کہ صرف لڑکیاں ہوں گی تو آپس میں مساوی ہوں گی اور صرف لڑکے ہوں گے تو وہ بھی
آپس میں مساوی طور پر تقسیم کریں گے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ
اور تمہارا نصف ہے اس سے جو چھوڑ جائیں تمہاری بیویاں اگر نہ ہو ان کی اولاد
فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ
پس اگر ہو ان کی اولاد تو تمہاری چوتھائی ہے اس سے جو چھوڑ جائیں بعد وصیت کے

يُوْرَثُ كَلٰلَةً
کلالہ کا لغوی معنی
احاطہ ہے چنانچہ تاج کو
اکلیل اس لئے کہا جاتا ہے
کہ وہ سر پر محیط ہے اور اس
بنا پر کل کو کل کہا جاتا ہے
کہ وہ تمام عدد پر محیط ہے پس کلالہ ان رشتہ داروں کو کہا جائے گا جو اصل نسب کے محیط ہیں اور چونکہ اصل سلسلۂ نسب ہوتا

دادا۔ پھر باپ پھر بیٹا پوتا۔ تو پس جو اس سلسلہ طولی کے گردو پیش رشتہ دار ہوتے ہیں جو اس کو محیط ہوتے ہیں ان کو کلالہ کہا جاتا ہے۔ پس طولی قرابت کے علاوہ جس قدر عرضی قرابت ہوگی ان سب پر کلالہ کا اطلاق ہوگا۔

آئمہ معصومینؑ سے مروی ہے کہ کلالہ سے مراد بھائی بہنوں کا رشتہ ہے۔ نیز کلالہ مرنے والے کو بھی کہہ سکتے ہیں جبکہ اس کا طولی رشتہ مفقود ہو یعنی اس کے باپ دادا اور بیٹے پوتے موجود نہ ہوں اور اس کے وارثوں کو بھی کلالہ کہہ سکتے ہیں اور اس کا اطلاق واحد و جمع اور مذکر و مونث سب پر صحیح ہے کیونکہ یہ مصدر ہے نیز آیت مجیدہ میں جو کلالہ کی وراثت کا تذکرہ ہے اس سے مراد صرف مادری بھائی بہنیں ہیں اور اسی سورہ کے آخر میں جہاں کلالہ کا ذکر آیا ہے وہاں پدری و مادری یا صرف پدری بھائی اور بہنیں مراد ہیں۔

يُوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ

جو کریں یا بعد قرضہ کے اور ان کا چوتھا ہے اس سے جو تم چھوڑ جاؤ اگر نہ ہو

يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ

تمہاری اولاد پس اگر ہو تمہاری اولاد تو ان کا آٹھواں ہے اس سے جو چھوڑ جاؤ

مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ

بعد وصیت کے جو کرو یا بعد قرضہ کے اور اگر وہ شخص جس کی

يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ

میراث ہے کلالہ ہو یا عورت (کلالہ) ہو اور اس کا ایک بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کے لئے ان میں سے

مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ

چھٹا حصہ ہے پس اگر اس سے زیادہ ہوں تو وہ شریک ہوں گے

فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ

تہائی میں بعد وصیت کے جو کی جائے یا قرضے کے کہ نہ ضرر دی

مُضَاۗرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝

گئی ہو۔ وصیت اللہ کی جانب سے اور اللہ علیم و حلیم ہے

غَيْرَ مُضَآرٍّ۔ یعنی اس کی وصیت وارثوں کے لئے باعث ضرر نہ ہو یعنی تہائی ترکہ سے زیادہ نہ ہو یا ایسے قرضہ کا اس نے اقرار نہ کیا ہو جو درحقیقت اس پر نہ تھا کیونکہ وہ بھی وارثوں کے لئے باعث ضرر ہے۔

زوج و زوجہ کی وراثت

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ :۔ یعنی اگر عورت مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو شوہر کو اس کے کل ترکہ سے نصف ملے گا اور اگر عورت کی اولاد موجود ہو تو شوہر کو اس کے ترکہ سے

ایک چوتھائی دیا جائے گا۔ (عورت کی وصیتوں اور قرضوں کی ادائیگی کے بعد۔)

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ ۔ اور اگر مرد مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو عورت کو ایک چوتھائی اور اولاد کی صورت میں آٹھواں حصّہ اس کو ملے گا۔

مسئلہ:۔ مرد کی منکوحہ عورتیں اگر ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب اس چوتھائی یا آٹھویں حصّہ میں برابر کی شریک ہوں گی

روایات:۔ (۱) استبصار میں باسنادِ خود حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ عورت مرد کے مکان کی لکڑیوں وغیرہ کی وارث ہوگی اس کی زمین کی وارث نہ ہوگی تو محمد بن مسلم راوی حدیث نے وجہ پوچھی کہ یہ کیسے۔ فرع کی وارث ہے اور اصل کی نہیں؛ تو آپ نے فرمایا کہ وہ حسب کے لحاظ سے مرد کی وارث نہیں ہے بلکہ وہ تو دوسری قوم سے آئی ہوئی ہے لہٰذا وہ فرع کی وارث ہوگی نہ کہ اصل کی (کیونکہ وہ خود اس کے اصل سے نہیں بلکہ اس کی قرابت فرعی ہے لہٰذا اس کی وراثت بھی فرعی ہوگی) اور فرمایا اس لئے تاکہ اس عورت کی وجہ سے کوئی دوسرا ان کی جائداد میں حصّہ دار نہ بن جائے۔

(۲) بروایت حماد بن عثمان آپ نے فرمایا عورت مکان کی لکڑیوں وغیرہ کی قیمت سے وارث ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ کہیں اور جگہ شادی کرلے تو پھر اس کی وجہ سے اس کے پہلے شوہر کے ورثاء کے مال میں اس کے پچھلے لواحقین شامل ہو کر ان کی میراث کو فاسد کر دیں گے

(۳) نیز آپ نے میسرہ کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عورتوں کو مکان کی لکڑیوں اور دیگر آلات کی قیمت سے حصّہ دیا جائے گا۔ اور زمین اور دیگر جائداد (غیر منقولہ) سے اس کو وراثت نہ ملے گی۔ سائل نے پوچھا کہ کپڑے؛ تو آپ نے فرمایا کہ کپڑے ان کے لئے ہیں۔ پھر سائل نے پوچھا کہ یہ کیسے حالانکہ ان کے لئے ۱/۴ یا ۱/۸ مقرر شدہ ہے تو فرمایا کہ ان کی وراثت نسب کی طرف سے تو ہے نہیں بلکہ وہ تو باہر سے آئی ہے۔ اور یہ میں نے اس لئے کہا ہے کہ وہ بعد میں شادی کرے گی تو اس کا شوہر یا اس کی اولاد اگر اس کے سابق شوہر کے ورثاء کے لئے رکاوٹ کا باعث بن جائیں گے۔

(۴) موسیٰ ابن بکر کہتا ہے میں نے زرارہ سے دریافت کیا کہ بکیر سے روایت ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا عورت اپنے شوہر کی گھر کی زمین بلکہ جملہ زمینوں کی وارث نہیں ہو سکتی ہاں اگر مکان یا درخت یا لکڑیاں ہوں تو اس کو اپنا حصّہ ان کی قیمت سے دیا جائے گا۔ اور نفس زمین سے اس کو کچھ بھی نہ دیا جائے گا۔ یہ سن کر زرارہ نے کہا واقعی ایسا ہی ہے اور اس میں شک نہیں۔ بہرکیف اس قسم کی روایات بہت زیادہ ہیں کہ عورت مرد کے ترکہ سے زمین کی وارث نہیں ہو سکتی۔ باقی تمام اس کی متروکہ چیزوں کی وارث ہوتی ہے۔ البتہ مکانات اور اشجار یا زمین کے علاوہ جس قدر غیر منقولہ اشیا ہیں ان کی قیمت سے اس کو حصّہ دیا جائے گا اور اس کی وجہ خود آئمہ طاہرین نے بیان فرمادی ہے۔ اور جن بعض روایات میں عورت کا ہر چیز سے وارث ہونا مذکور ہے ان کو علمائے امامیہ نے تقیہ پر محمول کیا ہے۔ احادیث معصومینؑ میں مطلقاً عورت کو شوہر کی زمین کی وراثت سے محروم کیا گیا ہے اس میں فرق نہیں کہ عورت صاحب اولاد ہو یا نہ ہو پس قرآن مجید میں لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ یعنی ان کی چوتھائی ہے تمہارے ترکہ سے اولاد نہ ہونے کی صورت میں وَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ یعنی ان کے لئے آٹھواں حصّہ ہے

تمہارے ترکے سے اولاد ہونے کی صورت میں۔ ان مقامات پر ترکہ سے مراد زمین کے علاوہ باقی متروکہ اشیاء ہیں۔ اور چونکہ احادیث متواترہ اس باب میں وارد ہو چکی ہیں لہٰذا قرآن کے عمومی حکم کے لئے یہ باعث تخصیص ہوں گی۔ اور دوسری طرف مرد عورت کے تمام ترکہ سے اپنے مقررہ حصہ کا وارث ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے لئے تخصیص کہیں وارد نہیں لہٰذا قرآنی حکم اپنے عموم پہ باقی رہے گا اور عورت کا مرد کی زمین سے وارث نہ ہونا۔ یہ صرف مذہب شیعہ کا فتویٰ ہے اور اس کے مختصات میں سے ہے

مسئلہ ۱:۔ عورت و مرد کی وراثت تینوں طبقوں کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ صرف اولاد کی موجودگی میں ان کو ادنیٰ حصہ یعنی مرد کو چوتھائی۔ اور عورت کو آٹھواں حصہ دیا جاتا ہے اور باقی ہر صورت میں ان کو اعلیٰ حصہ یعنی مرد کو نصف اور عورت کو چوتھائی دیا جاتا ہے

مسئلہ ۲:۔ وارث اگر زوجہ اور اولاد ہو تو زوجہ کو $\frac{1}{8}$ حصہ اور باقی سب اولاد کو ملے گا اگر صرف لڑکا ہو تو وہ ساری باقی جائداد کا مالک ہوگا اور اگر ایک لڑکی ہو تو $\frac{1}{2}$ کی وارث ہو گی فرض سے اور باقی کی مالک ہو گی قرابت سے بہر صورت ساری جائداد اسی کو دی جائے گی اور اگر وارث دو یا زیادہ لڑکیاں ہوں تو $\frac{2}{3}$ فرض سے اور باقی بطور رد لیں گی۔ بہر کیف ساری جائداد ان کو ملے گی اور وہ برابر تقسیم کریں گی۔ اور اگر لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۳:۔ وارث اگر شوہر اور اولاد ہو تو شوہر کو $\frac{1}{4}$ حصہ اور باقی کی وارث حسب سابق اولاد ہو گی۔

مسئلہ ۴:۔ وارث زوجہ اور ماں ہو تو زوجہ کو $\frac{1}{4}$ حصہ اور باقی سب ماں کو ملے گا۔ $\frac{1}{3}$ حصہ فرض سے اور باقی بچا ہوا حق قرابت سے اس کو دیا جائے گا۔

مسئلہ ۵:۔ وارث زوجہ اور باپ ہوں۔ تو $\frac{1}{4}$ زوجہ کو اور باقی سب باپ کو بحق قرابت ملے گا۔

مسئلہ ۶:۔ وارث زوجہ اور ماں باپ دونوں ہوں تو $\frac{1}{4}$ زوجہ کو $\frac{1}{3}$ ماں کو اور جو باقی بچے گا یعنی $\frac{5}{12}$ حصہ وہ باپ کو دیا جائے گا بشرطیکہ ماں کے حاجب یعنی میت کے دو سے زیادہ بھائی موجود نہ ہوں ورنہ ماں کو صرف $\frac{1}{6}$ دیا جائے گا اور باقی سب باپ کو ملے گا۔

مسئلہ ۷:۔ وارث شوہر اور ماں ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور باقی ماں کو یعنی $\frac{1}{3}$ حق فرض اور باقی $\frac{1}{6}$ بحق قرابت ملے گا۔

مسئلہ ۸:۔ وارث شوہر اور باپ ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور باقی سب باپ کو بحق قرابت ملے گا۔

مسئلہ ۹:۔ وارث شوہر اور ماں و باپ دونوں ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور ماں کو $\frac{1}{3}$ اور باقی سب باپ کو یعنی $\frac{1}{6}$ حصہ بحق قرابت ملے گا بشرطیکہ متوفی کے کم از کم دو بھائی یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار بہنیں پدری مادری یا صرف پدری پیچھے موجود نہ ہوں کیونکہ میت کے باپ کی موجودگی میں یہ جب بھی ہوں گے تو ماں کے لئے $\frac{1}{6}$ حصہ سے زائد کے حاجب ہوں گے لہٰذا وہ اس صورت میں رد کے حصہ سے بھی محروم رہے گی۔

مسئلہ ۱۰:۔ وارث شوہر، ماں و باپ دونوں ہوں اور متوفی کے دو بھائی یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار بہنیں مادری مادری یا صرف پدری موجود ہوں تو اس صورت میں شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور ماں کو $\frac{1}{6}$ اور باقی یعنی کل جائداد کا $\frac{1}{3}$ باپ کو ملے گا کیونکہ

میت کے بھائی بہنوں کے اخراجات کی کفالت صرف اس کے باپ کے ذمہ ہی ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ اگر میت کے مادری بھائی بہنیں موجود ہوں تو ماں کے حصہ میں کمی نہیں پڑتی۔

مسئلہ ۱۱:۔ وارث زوجہ لڑکے لڑکیاں یا صرف لڑکے اور ماں یا باپ ہو تو زوجہ کو $\frac{1}{8}$ ماں یا باپ کو $\frac{1}{6}$ اور باقی اولاد کو ملے گا جس کو حسب سابق تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۱۲:۔ وارث زوجہ لڑکے لڑکیاں یا صرف لڑکے اور ماں باپ دونوں ہوں تو زوجہ کو $\frac{1}{8}$ ماں کو $\frac{1}{6}$ باپ کو $\frac{1}{6}$ اور باقی اولاد کو بدستور سابق ملے گا۔

مسئلہ ۱۳:۔ وارث زوجہ لڑکی اور ماں یا باپ ہوں تو زوجہ کو $\frac{1}{8}$ لڑکی کو $\frac{1}{2}$ اور ماں یا باپ کو $\frac{1}{6}$ ملے گا اور باقی بحق قرابت ماں یا باپ اور لڑکی پر ان کے حصص کے مطابق رد ہوگا یعنی ۲۴ میں سے ۳ حصے زوجہ کو ۱۲ حصے لڑکی اور ۴ حصے ماں یا باپ کو دیئے جائیں گے باقی پانچ حصے بچے ہیں اور ماں یا باپ اور لڑکی کے حصوں میں ایک اور تین کی نسبت ہے۔ پس یہ پانچ ماں یا باپ اور لڑکی پر ایک اور تین کی نسبت سے تقسیم ہوں گے۔ کل جائداد ۹۶ حصوں پر تقسیم ہوگی۔ زوجہ کو ۱۲، لڑکی کو ۶۳، اور ماں یا باپ کو ۲۱ ملیں گے۔

مسئلہ ۱۴:۔ وارث زوجہ لڑکی اور ماں باپ دونوں ہوں۔ زوجہ کو $\frac{1}{8}$ لڑکی کو $\frac{1}{2}$ اور باپ کو $\frac{1}{6}$ اور ماں کو بھی $\frac{1}{6}$ اور باقی ماں باپ اور لڑکی پر رد بحق قرابت ہوگا۔ کل جائداد کے ۱۲۰ حصے ہوں گے ۱۵ زوجہ کو۔ ۶۳ لڑکی اور ۲۱ ماں کو اور ۲۱ باپ کو ملیں گے۔ کیونکہ حق فرض سے کل پانچ بچے تھے جو حسب حصص لڑکی کو تین اور ماں اور باپ کے حصوں میں ایک ایک کا بحق قرابت رد کا اضافہ ہوا۔ بشرطیکہ ماں کے لئے $\frac{1}{6}$ سے زائد کے حاجب موجود نہ ہوں۔

مسئلہ ۱۵:۔ وارث شوہر لڑکے لڑکیاں یا صرف لڑکے اور ماں یا باپ ہو تو شوہر کو $\frac{1}{4}$ ماں یا باپ کو $\frac{1}{6}$ اور باقی اولاد کو بدستور سابق۔

مسئلہ ۱۶:۔ وارث شوہر لڑکے لڑکیاں یا صرف لڑکے اور ماں باپ دونوں تو شوہر کو $\frac{1}{4}$ ماں کو $\frac{1}{6}$ باپ کو $\frac{1}{6}$ اور باقی اولاد کو حسب دستور سابق۔

مسئلہ ۱۷:۔ وارث شوہر لڑکی اور ماں یا باپ ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{4}$ لڑکی کو $\frac{1}{2}$ اور ماں یا باپ کو $\frac{1}{6}$ اور باقی بحق قرابت لڑکی اور ماں یا باپ پر حسب حصص رد ہوگا۔ کل بارہ حصوں میں سے شوہر کو ۳ لڑکی کو ۶ اور ماں یا باپ کو ۲ ملیں گے اور ایک باقی کو ماں یا باپ اور لڑکی اپنے حصوں کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۱۸:۔ وارث شوہر لڑکی اور ماں باپ دونوں ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{4}$ ماں کو $\frac{1}{6}$ اور باپ کو $\frac{1}{6}$ اور جو بچے گا وہ لڑکی کو ملے گا۔ اس صورت میں لڑکی پر نقص وارد ہوگا کیونکہ اس کا فرضی حصہ $\frac{1}{2}$ تھا لیکن اسے اس صورت میں بارہ حصوں میں سے پانچ مل رہے ہیں جو $\frac{1}{2}$ سے کم ہے۔

مسئلہ ۱۹۔ وارث زوجہ دو یا دو سے زائد لڑکیاں اور ماں یا باپ ہوں تو زوجہ کو ۱/۸ ماں یا باپ کو ۱/۶ اور لڑکیوں کو ۲/۳ ملے گا اور جو باقی بچے گا وہ سابق حصص کے مطابق لڑکیوں اور ماں یا باپ کو حق قرابت سے رد میں ملے گا۔ گویا ۱۲۰ میں سے ۱۵ زوجہ کو اور ۸۰ یعنی فرض لڑکیوں کو اور ۲۰ یعنی فرض ماں یا باپ کو ملیں گے اور باقی ایک اور چار کی نسبت سے چار لڑکیوں کو اور ایک ماں یا باپ کو دیا جائے گا۔ پس لڑکیوں کا کل حصہ ۸۴ اور ماں یا باپ کا حصہ ۲۱ ہو جائے گا۔

مسئلہ ۲۰۔ وارث زوجہ دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں اور ماں اور باپ دونوں ہوں کل ۲۴ حصوں میں سے ۳ زوجہ کو اور ۴ ماں باپ کو ملیں گے۔ اور باقی ۱۳ لڑکیوں کو ملیں گے۔ اس صورت میں لڑکیوں کا حصہ فرضی ۱۶ ہونا چاہیئے تھا لیکن ان کو اپنے حصے فرضی سے کم مل رہا ہے۔

مسئلہ ۲۱۔ وارث شوہر دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں اور ماں یا باپ ہوں تو شوہر کو ۱/۴ ماں یا باپ کو ۱/۶ یعنی ۲۴ میں سے ۶ شوہر کو اور ۴ ماں یا باپ کو اور باقی ۱۴ لڑکیوں کو ملیں گے جو فرضی حصے سے ۲ کم ہوتے ہیں۔

مسئلہ ۲۲۔ وارث شوہر دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں اور ماں باپ دونوں ہوں تو شوہر کو ۲۴ میں سے ۶ اور ماں کو ۴ اور باپ کو بھی ۴ اور باقی ۱۰ حصے لڑکیوں کو ملیں گے۔ جو ان کے فرضی حصہ سے چھ کم ہیں۔

مسئلہ ۲۳۔ عورت و مرد ایک دوسرے کے وارث ہوں گے خواہ نکاح کے بعد ان کی رسم شادی ادا نہ بھی ہوئی ہو اور دخول بھی نہ ہوا ہو۔ البتہ اگر مرد مرضِ موت میں کسی سے شادی کرلے اور بلا دخول مرجائے تو عورت اس کی وارث نہ ہو سکے گی لیکن اگر تندرست ہو کر پھر کسی حادثہ سے اس کی موت بلا دخول واقع ہوئی تو عورت اس کی وارث ہو گی اور عورت کی موت کی صورت میں یہ اس کا وارث ہو گا۔

مسئلہ ۲۴۔ طلاق رجعی کی صورت میں عدت کے اندر اندر عورت و مرد ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

طبقات وراثت کی تفصیل

قرآن مجید میں قانونِ وراثت کے متعلق چند آیات ہیں جن سے تمام فرعی جزئی مسائل اخذ کئے جاتے ہیں۔

(۱) سورہ نساء کی آیت ۷ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ الخ (۲) اسی سورہ کی آیت ۱۱ يُوصِيكُمُ اللهُ الخ (۳) آیت ۱۲ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ الخ (۴) اسی سورہ کی آخری آیت ۱۷۶ يَسْتَفْتُونَكَ الخ (۵) سورہ انفال کی آخری آیت ۷۵ وَأُولُو الْأَرْحَامِ الخ (۶) سورہ احزاب آیت ۶ وَأُولُو الْأَرْحَامِ الخ۔ پس شوہر اور بیوی کے معین حصے مقرر ہو جانے کے بعد قرآن میں سے ایک کلی قاعدہ نکلتا ہے کہ رشتہ میں ہر قریبی دور کے رشتہ والے کے لئے وراثت سے مانع ہوتا ہے۔ پس وراثت کے لئے وارثوں کے طبقات تین ہیں۔

طبقہ اولیٰ:۔ جو سب سے زیادہ قریب ہیں۔ ماں باپ اولاد۔ اور اولاد کی عدم موجودگی میں اولاد کی اولاد جب تک چلے جائیں اور ہر درجہ میں قریب کی موجودگی بعید کے لئے وراثت سے مانع ہو گی اور اولاد کی اولاد اولاد ہی کہلاتی ہے لہٰذا اسی پہلے طبقہ میں اس

کا شمار ہے۔

دوسرا طبقہ:۔ بھائی بہنیں اور دادا دادی اور نانا نانی اور انکی عدم موجودگی میں باپ کا دادا دادی اور نانا نانی اور ماں کا دادا دادی اور نانا نانی وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ ان کے اور میت کے درمیان صرف ایک ہی واسطہ ہے اور وہ ماں اور باپ ہیں۔ ماں نانا اور نانی کو ملاتی ہے۔ باپ دادا اور دادی کو ملاتا ہے اور یہی دونوں بھائی بہنوں کو میت سے ملاتے ہیں پس بھائی بہنوں کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد اور ان کے بعد اولاد کی اولاد جہاں تک چلے جائیں بھائی بہنوں کے قائم مقام ہوں گے۔ بھائی کی اولاد بھائی کا حصّہ لے گی خواہ ایک ہو یا زیادہ خواہ ایک ہو یا زیادہ خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں اور آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور بہن کی اولاد بہن کا حصّہ لے گی خواہ ایک ہو یا زیادہ اور خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں اور آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے ان کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد کی بھی یہی صورت ہو گی لیکن ہر درجہ میں جو زیادہ قریب ہو گا دور والے کے لئے وراثت سے مانع ہو گا اور اس طبقہ میں صرف مادری بھائی بہنیں یا ان کی اولاد میں اپنا حاصل شدہ حصّہ برابر تقسیم ہو گا یہاں ایک اور دو کی نسبت کا لحاظ نہ ہو گا۔

تیسرا طبقہ: چچے ماموں اور ان کی بہنیں ان کو میت سے دو واسطوں کے ذریعے سے قرب حاصل ہے۔ ایک ماں و باپ کا واسطہ دوسرا دادا اور دادی یا نانا و نانی کا واسطہ۔ اس طبقہ میں ماموں اور ان کی بہنوں میں اپنا حصّہ برابر تقسیم ہو گا۔ اور اسی طرح ان کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد لڑکے لڑکیاں اپنے حصّے کو آپس میں برابر تقسیم کریں گے نیز وہ چچے اور پھوپھیاں جو باپ کے صرف مادری بھائی بہن ہوں۔ وہ اور ان کی اولاد بھی اپنے حصّے کو برابر آپس میں تقسیم کریں گے۔ یہاں ایک اور دو کی نسبت نہ ہو گی۔ نیز ہر درجہ میں قریب کی موجودگی دور والے کے لئے وراثت سے مانع ہو گی۔

مسئلہ:۔ بھائی بہنوں چونکہ تین قسمیں ہیں (۱) مادری (۲) پدری (۳) پدری و مادری۔ پس جس مقام پر یہ تینوں قسمیں موجود ہوں تو صرف پدری بھائی بہنیں وراثت سے محروم ہوں گے۔ لیکن مادری بھائی بہنوں کو اپنا حصّہ ملے گا۔ اسی طرح پدری و مادری بھائی بہنوں کی اولاد کی موجودگی میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صرف پدری بھائی بہنوں کی اولاد محروم ہو گی لیکن مادری بھائی بہنوں کی اولاد کو اپنا حصّہ ملے گا۔

مسئلہ:۔ اگر ایک قسم کے بھائی یا بہنیں موجود ہوں اور دوسری قسم کے بھائی بہنوں کی اولاد موجود ہو تو وارث صرف بھائی بہنیں ہوں گے خواہ صرف مادری ہی کیوں نہ ہوں۔ اور بھائی بہنوں کی اولاد محروم ہو گی خواہ وہ پدری و مادری بھائی بہنوں کی اولاد ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اقرب کی موجودگی میں ابعد محروم ہوا کرتا ہے۔

مسئلہ:۔ قریبی جد کی موجودگی میں بعید جد وارث نہ ہو گا خواہ قریبی جد مادری رشتہ سے ہو اور بعید کا جد پدری رشتہ رکھتا ہو۔ پس نانا یا نانی کی موجودگی میں باپ کا دادا دادی اور نانا نانی محروم ہوں گے لیکن قریبی جد بھائی بہنوں کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد یا اولاد در اولاد کو نہیں روک سکتے بلکہ وہ اپنا حصّہ لیں گے۔ اور دوسری طرف بھائی بہنوں کی موجودگی جدِ بعید کے

maablib.org

سے بھی مانع نہیں ہو سکتی

مسئلہ: تیسرے طبقہ میں بھی صرف پدری قرابت دار پدری و مادری قرابت داروں کی موجودگی میں محروم ہوا کرتے ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے قائم مقام ہوتے ہیں لیکن مادری قرابت دار محروم نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنا حصہ وصول کریں گے اور ان کی اولاد کی بھی یہی کیفیت ہو گی

مسئلہ: اقرب کی موجودگی میں ابعد کو وراثت نہ ملے گی مثلاً چچا کی موجودگی میں کسی چچا یا ماموں یا ان کی بہنوں کی اولاد وارث نہ ہو گی خواہ چچا باپ کا صرف مادری بھائی ہی کیوں نہ ہو اور جن چچوں اور ماموں کی اولاد محروم ہے خواہ وہ پدری و مادری کیوں نہ ہوں بلکہ ماموں یا اس کی بہن کی موجودگی میں چچے کی اولاد محروم ہو گی خواہ وہ صرف مادری رشتہ رکھتے ہوں اور اس کا رشتہ پدری و مادری ہو کیونکہ وہ اقرب ہے اور یہ اس سے دور ہیں۔ البتہ اس مقام پر صرف ایک مسئلہ ہے جو اجماعاً اس قاعدہ سے خارج ہے اور وہ یہ کہ اگر میت ایک چچا زاد بھائی اور ایک چچا چھوڑ جائے جبکہ چچا صرف اس کے باپ کا پدری بھائی ہو اور چچا زاد پدری و مادری بھائی کا بیٹا ہو تو کہتے ہیں وارث چچا زاد ہو گا۔ اور پدری چچا محروم ہو گا۔ اس ایک مسئلہ کے علاوہ باقی ہر مقام پر یہ قاعدہ جاری و ساری ہے کہ اقرب کی موجودگی میں ابعد کو کچھ نہ دیا جائے گا۔

مسئلہ: اگر میت کے چچے و ماموں اور ان کی بہنیں اور ان کی اولاد موجود نہ ہو تو پھر میت کے ماں باپ کے چچے ماموں یا ان کی اولاد ان کے قائم مقام ہوں گے اور یہ سلسلہ اوپر کی طرف چلا جائے گا۔ اور قریب کی موجودگی میں بعید محروم ہو گا۔

مسئلہ: شوہر و بیوی ہر طبقہ والوں کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اور اولاد کی عدم موجودگی میں ان کو فرض اعلیٰ ملے گا۔ یعنی شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور زوجہ کو $\frac{1}{4}$۔

مسئلہ: تیسرے طبقہ کی وراثت آیت مجیدہ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ الخ: کی رو سے ہے اور پہلے دونوں طبقوں میں اس آیت مجیدہ کے علاوہ خصوصی نصوص بھی وارد ہیں چنانچہ پہلے طبقہ کے لئے آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ اور دوسرے طبقہ کے لئے اس سے بعد کی آیت اور سورۂ نساء کی آخری آیت موجود ہیں۔

وراثت کے طریقے

وراثت پانے کے چار طریقے ہیں:

(۱) فرض۔ ان کے حقدار وہی ہیں جن کے حقوق خداوند کریم نے اپنی پاک کتاب میں معین فرمائے ہیں۔ اور وہ چار ہیں پہلی ماں اس کا فرض $\frac{1}{6}$ حصہ ہے۔ اولاد کی موجودگی میں اور $\frac{1}{3}$ حصہ ہے جب کہ میت کی اولاد نہ ہو بشرطیکہ اس کے $\frac{1}{3}$ سے زیادہ کے مانع موجود نہ ہوں اور وہ میت کے پدری و مادری یا فقط پدری دو سے زیادہ بھائیوں کی موجودگی یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار بہنیں۔ اور دوسرے صرف فرض کے حقدار ہیں میت کے مادری بھائی جب کہ پہلا طبقہ موجود نہ ہو پس یہ ایک ہو تو اس کا فرض $\frac{1}{6}$ اور زیادہ ہوں تو ان کا فرض ہے $\frac{1}{3}$ جس کو وہ مرد و زن آپس میں برابر تقسیم کریں گے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ

مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ الخ :- یعنی اگر وہ شخص کلالہ ہے یعنی اس کا وارث طولی رشتہ میں یعنی پہلے طبقہ میں کوئی نہیں خواہ وہ مرنے والا مرد ہو یا عورت اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو (مادری) تو ان میں سے ہر ایک کو $\frac{1}{6}$ حصہ دیا جائے گا اور اگر بھائی یا بہنیں ایک سے زیادہ ہوں (مادری) وہ سب کے سب $\frac{1}{3}$ میں شریک ہیں گویا ان کی باہمی تقسیم زن و مرد کے لئے ایک اور دو کی نسبت کا لحاظ نہیں بلکہ وہ سب برابر کے شریک ہیں اس مقام پر بھائی یا بہنیں صرف مادری مراد ہیں کیونکہ اسی سورہ کے آخر میں بھی کلالہ کی وراثت کا ذکر ہے اور وہاں فرمایا ہے کہ اگر ایک بہن ہو تو اس کا فرض $\frac{1}{2}$ اور زیادہ ہوں تو ان کا فرض $\frac{2}{3}$ اور اگر زن و مرد ہوں تو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور وہاں بھائی بہنوں سے مراد ہے پدری و مادری یا ان کی عدم موجودگی میں صرف پدری اور تیسرے فرض کی حقدار زوجہ اور چوتھا شوہر ہے

(۲) وراثت کا دوسرا طریقہ قرابت ہے جن کی وراثت اُولُوا الْاَرْحَامِ والی آیت سے ثابت ہے۔

(۳) وراثت کا تیسرا طریقہ کسی وقت فرض اور کسی وقت قرابت - یہ باپ بیٹیاں اور پدری و مادری یا صرف پدری بہنوں کے لئے ہے۔ مثلاً باپ اولاد کی موجودگی میں فرض کا مالک یعنی $\frac{1}{6}$ حصہ کا اور ان کی عدم موجودگی میں وہ قرابت سے وارث ہوتا ہے اور بیٹیاں میت کے ماں باپ کی موجودگی میں فرض کی مالک ہیں اور اپنے بھائیوں کی موجودگی میں قرابت سے وراثت پاتی ہیں۔ اسی طرح مادری پدری بہنیں صرف پدری بہنوں کی موجودگی میں فرض کی مستحق ہوتی ہیں اور اپنے بھائیوں کی موجودگی میں قرابت سے حصہ لیتی ہیں۔

(۴) چوتھا طریقہ فرض اور قرابت دونو۔ وہ صاحبان فروض ہیں جن کو فروض سے بچا ہوا بطور رد کے تقسیم ہوتا ہے پس وہ فرض کے حقدار ہوتے ہیں کیونکہ ان کے حصے قرآن مجید نے معین فرما دیئے ہیں اور باقی بطور رد ان کو ملتا ہے آیت اُولُوا الْاَرْحَامِ کی رُو سے کیونکہ آیت مجیدہ میں یہ نہیں کہ رشتہ میں قرب و بعد کا لحاظ فروض کے نہ ہونے کی صورت میں ہے بلکہ آیت مطلق ہے اور ہر قریبی پر صادق ہے۔ اور جو افراد قرابت میں اولیٰ ہوں گے وہ اس آیت کی رُو سے حصہ دار بنیں گے خواہ اس سے پہلے وہ فرض سے لے چکے ہوں یا نہ لے چکے ہوں۔ بنا بریں علمائے امامیہ کے نزدیک تعصیب باطل ہے۔ یعنی یہ کہ فروض سے بچا ہوا مال ان کے بعد والے موجودہ طبقہ میں حسب قرابت تقسیم ہو

مسئلہ عول کا بطلان

جس طرح ہمارے نزدیک تعصیب کا قول باطل ہے اسی طرح عول کا قول بھی باطل ہے یعنی جب معین شدہ فروض قرآنی اصلی ترکہ کے واجب التقسیم عدد سے بڑھ جائیں جس طرح مسائل گذشتہ میں مسئلہ ۱۸، ۲۰، ۲۱، ۲۲ کی مثالوں میں ہے تو عول کے قائل یہ کہتے ہیں کہ عدد واجب التقسیم پر اسی قدر حصص بڑھا دیئے جائیں جتنوں کی کمی پڑتی ہے پھر ہر صاحب کو اپنا معین حصہ دیا جائے اور اس اعتبار سے کمی تمام وارثوں پر اپنے اپنے حصص کے مطابق وارد ہو گی مثلاً مسئلہ ۱۸ میں شوہر ماں باپ اور لڑکی موجود ہے تو شوہر $\frac{1}{4}$ کا ماں $\frac{1}{6}$ کی باپ $\frac{1}{6}$ کا اور لڑکی $\frac{1}{2}$ کی وارث تھی $\frac{1}{4}$ $\frac{1}{6}$ اور $\frac{1}{2}$ کا واجب التقسیم عدد ہے ۱۲ لیکن وارثوں کے حصے شوہر کو ۳ ماں کو ۲ باپ کو ۲ اور لڑکی کو ۶ اگر دیئے جائیں تو ناممکن ہے کیونکہ یہ بنتے ہیں ۱۳، اور عدد واجب التقسیم میں ایک کی کمی ہے لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ اسی کمی کو عدد واجب التقسیم پر بڑھا کر عدد

واجب التقسیم ۱۳ قرار دیا جائے اور $\frac{1}{2}$، $\frac{1}{4}$ اور $\frac{1}{6}$ کی نسبت کا حساب ۱۳ سے کیا جائے اور اسی لحاظ سے ان جائداد کے ۱۳ حصوں میں سے اپنا اپنا حصہ ہر ایک کو دیا جائے۔ اس صورت میں ہر وارث پر اپنی حیثیت سے کمی وارد ہو گی۔ اور اسی طرح مسئلہ ۲۰، ۲۱، ۲۲ میں بھی عدد واجب التقسیم پر کم ہونے والے عدد کو جمع کر کے ہر وارث کو اپنا فرضی حصہ عدد واجب التقسیم کی نسبت سے دیا جائے گا۔ لیکن اس صورت میں خدائے دانا و بینا کے علم پر اعتراض وارد ہو گا۔ کہ اس نے اپنی کتاب میں ایسے حصے کیوں مقرر فرما دیئے جب کہ حساب کے لحاظ سے عدد واجب التقسیم میں گنجائش ہی نہیں تھی۔

اسی بناء پر علمائے امامیہ کے نزدیک عول کا قول باطل ہے۔ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام نے اس کا حل یہ فرمایا ہے کہ اس قسم کے فروض کے جمع ہونے کی صورت میں فروض کا جائزہ لیا جائے۔ پس جن فرضوں کا خداوند حکیم نے دوسرا بدل مقرر فرمایا ہے وہ اپنے بدل سے پیچھے نہ ہٹیں گے۔ اور جن فرضوں کا بدل مقرر نہیں فرمایا وہ ہٹائے جائیں گے۔

مثلاً شوہر کے لئے $\frac{1}{2}$ حصہ مقرر ہے لیکن اگر میت کی اولاد موجود ہو تو اس کا فرض پیچھے ہٹا کر $\frac{1}{4}$ کر دیا جاتا ہے جو پہلے فرض کا بدل ہے اب اس کے کم از کم حصے کی حد مقرر ہو گئی جس سے اسے پیچھے نہیں ہٹایا جا سکتا اسی طرح عورت کا $\frac{1}{4}$ ہے لیکن اولاد کی موجودگی اسے پیچھے ہٹا کر $\frac{1}{8}$ تک لے جاتی ہے اور یہ اس کا کم از کم حصہ ہے کہ اس کو اس سے پیچھے نہیں ہٹایا جا سکتا وعلیٰ ہذا القیاس ماں کے $\frac{1}{3}$ کا بدل $\frac{1}{6}$ اولاد کی موجودگی میں ہے اور باپ کے لئے اولاد کی موجودگی میں $\frac{1}{6}$ حصہ مقرر ہے جسے اور کم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح مادری بھائی بہنوں میں سے ایک کے لئے $\frac{1}{6}$ اور زیادہ کے لئے $\frac{1}{3}$ کی حدود مقرر ہیں جن سے کم نہیں کیا جا سکتا۔

بخلاف اس کے ایک لڑکی یا چند لڑکیاں ان کے لئے انفرادی صورت میں $\frac{1}{2}$ یا $\frac{2}{3}$ کی زیادہ سے زیادہ فرضی حدیں بتائی گئی ہیں لیکن طبقہ میں ورثاء کی کثرت کے بعد یقیناً ان کو کل جائداد سے یہ حصہ نہیں مل سکتا اور انہیں اس حق سے پیچھے ہٹنا پڑتا ہے اور خداوند کریم نے اپنی مقدس کتاب میں ان کے کم از کم حصہ کی حد مقرر نہیں فرمائی اسی طرح پدری مادری یا صرف پدری بہنیں ان کا بھی $\frac{1}{2}$ یا $\frac{2}{3}$ زیادہ سے زیادہ حصہ انفرادی صورت میں مقرر کیا گیا ہے لیکن ورثاء کی کثرت کے بعد ان کا کم از کم حصہ قرآن مجید نے بیان نہیں فرمایا۔

پس معلوم ہوا کہ جب فروض زیادہ ہو جائیں اور عدد واجب التقسیم میں سے پورے نہ ہو سکیں تو کمی انہیں پر وارد ہو گی جن کے لئے کم از کم کی مقدار مقرر نہیں کی گئی۔

چنانچہ منقول ہے۔ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص چاہے میں اس کے ساتھ حجرِ اسود کے پاس جا کر مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں اور میرا دعوےٰ ہے کہ خدا نے اپنی کتاب میں $\frac{1}{2}$، $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{3}$ کو کہیں جمع نہیں فرمایا اور نیز کہتے تھے کہ سبحان اللہ وہ اللہ جو ریگ صحرا کے ذرات کو جانتا ہے کیا وہ ایک عدد میں $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{3}$ کے جمع ہو جانے کو کہتا ہے $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{2}$ سے تو مال پورا ہو گیا پھر $\frac{1}{3}$ کہاں جائے گا؟ اس پر زفر نے سوال کیا کہ فرائض میں سب سے پہلے عول کا قائل کون ہوا؟ تو ابن عباس نے جواب دیا کہ وہ حضرت عمر تھے کہ جب فرائض جمع ہو گئے تو کہنے لگے خدا کی قسم میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم میں سے خدا نے کس کو مقدم اور کس کو موخر کیا ہے پس اس کا علاج میرے نزدیک یہ ہے کہ حصص کے لحاظ سے مال کو سب پر تقسیم کر دوں۔ اس کے بعد ابن عباسؓ نے فرمایا خدا کی قسم اگر اللہ کے

مقدم کئے ہوئے کو تم لوگ مقدم کرتے اور اس کے مؤخر کئے ہوئے کو تم لوگ مؤخر کرتے تو عول کی نوبت نہ آتی۔ زفر نے پوچھا کہ کون مقدم اور کون مؤخر ہیں؟ تو ابن عباس نے جواب دیا۔ ہر وہ فریضہ جس کو خدا نے کم کر کے ایک دوسری حد تک پہنچا دیا ہے وہ ہے مقدم اور ہر وہ فریضہ جس کے لئے اپنی جگہ سے ہٹنے کے بعد دوسری حد معین نہیں بلکہ وہ باقی رہی ہوئی چیز کا حقدار ہے تو وہ ہے مؤخر۔ مثلاً شوہر کا فریضہ مقدم ہے کیونکہ معارض کے وقت اپنی جگہ سے ہٹ کر اپنا دوسرا معین مقام لے لیتا ہے اور اسی طرح زوجہ اور ماں کا فریضہ لیکن بیٹیوں اور بہنوں کے لئے $\frac{1}{2}$ اور $\frac{2}{3}$ کے فریضے ہیں اور جب دوسرے فرض ان کو اپنی جگہ سے ہٹا دیں تو ان کی کمی کا آخری مقام معین نہیں بلکہ یہ جو کچھ بچے گا لیں گی اور یہ ہیں مؤخر۔

پس جس مقام پر فرض اکٹھے ہو جائیں اور ان میں سے بعض مقدم ہوں اور بعض مؤخر ہوں تو پہلے مقدم فریضے نکال لئے جائیں گے اور مال میں سے جو کچھ بچے گا وہ مؤخر فریضے والوں کا ہو گا۔ (شرح لمعہ ج ۲) و تفسیر میزان نقلاً عن الکافی) نیز صاحب میزان نے درّ منثور سے بروایت حاکم و بیہقی وغیرہ اس مضمون کی روایات نقل کی ہیں

افسوس کہ لوگوں نے قرآن کی تفسیر و تاویل کے لئے اہلبیت عصمتؑ کا دروازہ چھوڑ دیا ورنہ اگر بفرمان رسولؐ امت کا تمسک ثقلین سے ہوتا تو قرآن میں ان غلط تاویلات اور الٹے معانی کا سدّ باب ہو جاتا اور امّت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر نہ ہونے پاتا۔

روایت مذکورہ میں $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{3}$ حصص کے جمع ہونے کی صورت سے مراد ہے مثلاً میّت کی پدری مادری یا فقط پدری ایک بہن اور شوہر اور دو یا زیادہ مادری بھائی بہنیں ہوں تو پدری بہن کو $\frac{1}{2}$ اور شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور مادری بھائی بہنوں کو $\frac{1}{3}$ ملنا چاہیئے لیکن واجب التقسیم عدد میں ان حصص کی گنجائش نہیں ہو سکتی کیونکہ $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{2}$ سے مال پورا ہو جائے گا۔ اور اگر صورت مذکورہ میں پدری بہنیں ایک سے زیادہ ہوں تو ان کا فرض $\frac{2}{3}$ ہے۔ مادری بھائی بہنوں کے حصہ $\frac{1}{3}$ سے ملا کر مال پورا ہو جائے گا پھر شوہر کے $\frac{1}{2}$ کی گنجائش نہ ہو گی۔ نیز اگر مادری بہن صرف ایک بھی ہو تو اس کا $\frac{1}{6}$ حصہ ہوتا ہے اور وہ بھی زائد از مال نکلتا ہے اور اگر شوہر کی بجائے زوجہ فرض کی جائے تو پدری بہنوں کے ایک سے زیادہ ہونے اور نیز مادریوں کے زیادہ ہونے کی صورت میں اس کے حصہ کی گنجائش بھی نہ رہے گی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ پس ان سب صورتوں میں حل کی صورت یہی ہے کہ جن کا قرآن میں کم از کم حق مقرر شدہ ہے وہ مقدم ہیں اور ان کو اپنا حق پورا دیا جائے اور جن کے کم حصہ کی کوئی حد مقرر نہیں نقص ان پر داخل کیا جائے لہٰذا ان صورتوں میں نقص صرف پدری بہنوں پر وارد ہو گا اور مادریوں کو اور شوہر یا زوجہ کو اپنا حصہ پورا دیا جائے گا۔

طبقہ ثانیہ کی وراثت

اس مقام پر قرآن مجید نے طبقہ ثانیہ میں سے صرف مادری کلالہ کا ذکر فرمایا ہے اور اسی سورہ کے آخر میں پدری کلالہ کو ذکر کیا ہے اور اسی طبقہ ثانیہ میں دادا دادی اور نانا نانی اور ان سے اوپر کا جدی سلسلہ اُولُوا الاَرحام بَعضُہُم اَولیٰ بِبَعضٍ کے قاعدہ کی رو سے داخل ہے۔ پس مناسب ہے کہ مختصر طور پر ان کی وراثت کا ذکر کیا جائے تاکہ آخر سورہ میں پھر اس تفصیل کا اعادہ نہ ہو۔

مسئلہ ۱: اگر وارث دادا یا دادی یا نانا یا نانی ایک ہو تو سب مال اسی کو ملے گا اور اگر اکٹھے ہو جائیں تو باپ

کے نسبت داروں کو $\frac{2}{3}$ اور ماں کے نسبت داروں کو $\frac{1}{3}$ ملے گا۔ پس باپ کے نسبت دار اگر دونوں یعنی دادا اور دادی موجود ہوں تو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے لیں گے اور ماں کے نسبت دار آپس میں برابر تقسیم کریں گے اور اگر دادا یا دادی میں سے ایک ہو اور نانا یا نانی میں سے بھی ایک ہو تو دادا یا دادی کو $\frac{2}{3}$ اور نانا یا نانی کو $\frac{1}{3}$ دیا جائے گا۔

مسئلہ ۲:- اگر بھائی یا بہن تنہا ہو تو سب مال اسی کو ملے گا خواہ پدری مادری ہو یا پدری ہو یا مادری اور اگر تینوں قسمیں جمع ہو جائیں تو صرف پدری محروم ہوں گے اور مادری ایک بھائی یا بہن کو $\frac{1}{6}$ اور باقی سب مال پدری مادری بھائی یا بہن کو ملے گا۔ صرف ایک بہن $\frac{1}{2}$ حصہ فرض کے ساتھ اور باقی رد کے ساتھ لے گی جس طرح لڑکی کے لئے مذکور ہو چکا ہے اسی طرح صرف مادری بھائی یا بہن تنہا وارث ہونے کی صورت میں فرضی حصہ کے علاوہ باقی بطور رد لیں گے۔

مسئلہ ۳:- اگر تینوں قسموں کے بھائی بہنیں متعدد ہوں تو صرف پدری محروم ہوں گے اور مادریوں کو $\frac{1}{3}$ دیا جائے گا جو ان پر زن و مرد میں برابر تقسیم ہوگا اور مادری پدری بھائی بہنوں کو باقی دیا جائے گا جس کو وہ آپس میں عورت و مرد ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۴:- اگر ایک بہن پدری و مادری اور ایک بہن صرف مادری موجود ہوں تو پدری کو $\frac{1}{2}$ اور مادری کو $\frac{1}{6}$ اور باقی بحق قرابت صرف پدری بہن پر رد ہوگا کیونکہ قرابت میں مادری و پدری اعلیٰ ہے صرف مادری سے اور رد میں صرف قرابت کی اولویت کا لحاظ ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر مادری کلالہ متعدد ہو تو وہ $\frac{1}{3}$ کو آپس میں تقسیم کریں گے لیکن رد ان پر نہ ہوگا بلکہ باقی بچا ہوا صرف پدری بہن پر رد ہوگا و علیٰ ہٰذا القیاس۔

مسئلہ ۵:- اگر پدری و مادری بہن کی بجائے صرف پدری بہن اور اس کے ساتھ صرف مادری بھائی یا بہن ہوں تو کیا فرض سے بچا ہوا بحق قرابت فریقین پر تقسیم ہوگا یا صرف پدری پر تقسیم ہوگا۔ اس میں اختلاف ہے۔ لیکن قوت اس قول میں ہے کہ صرف پدری کو رد ملے کیونکہ فروض کی زیادتی کے وقت نقص بھی صرف پدری رشتہ پر وارد ہوا کرتا ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے منقولہ روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔

مسئلہ ۶:- اگر دادا دادی نانا نانی اور تینوں قسم کے بھائی بہنیں موجود ہوں تو صرف پدری بھائی بہنیں محروم ہوں گے اور اس کے بعد ترکہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ مادری قرابت کو $\frac{1}{3}$ دیا جائیگا جس کو نانا نانی و مادری بھائی بہنیں آپس میں برابر تقسیم کریں گے۔ اور پدری قرابت کو $\frac{2}{3}$ حصہ ملے گا کہ دادا دادی اور بھائی بہنیں مذکر و مؤنث ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔ گویا نانا نانی مادری بھائی بہنوں کے برابر اور دادا دادی پدری بھائی بہنوں کے برابر شمار ہیں۔

مسئلہ ۷:- دادا دادی اور نانا نانی موجود نہ ہوں تو پردادوں اور پرنانوں کو اسی دستور سے حصہ دیا جائے گا لیکن قریبی کی موجودگی دور والے کے لئے مانع ہوگی یعنی دادا کی یا دادی کی موجودگی میں پرنانا اور پرنانی محروم ہوں گی اور نانا یا نانی کی موجودگی میں پردادا اور پردادی محروم ہوں گے لیکن اگر دادے یا نانے قریب کے نہ ہوں بلکہ دور کے ہوں مثلاً پردادے یا پرنانے تو

میت کے بھائیوں کے ساتھ وہ شریک ہوں گے اور میت کے بھائی ان کے لئے مانع نہیں ہو سکتے۔

مسئلہ ۸:- اگر بھائی موجود نہ ہوں تو ان کی اولاد ان کی قائم مقام ہو گی اور اولاد میں سے ہر کو وہی حصہ ملے گا جو اس کے ماں باپ کی موجودگی میں ان کو ملنا چاہیئے تھا اور ان کی تقسیم باہمی بھی اسی رشتہ کے لحاظ سے ہو گی یعنی اگر پدری بھائی بہنوں کی اولاد ہیں تو حاصل شدہ حصہ ایک اور دو کی نسبت سے زن و مرد میں تقسیم ہو گا اور اگر مادریوں کی اولاد ہیں تو برابر تقسیم ہو گی۔

مسئلہ ۹: قریب کی موجودگی میں بعید محروم ہو گا یعنی بھائی یا بہن کی موجودگی میں کسی بھائی کی اولاد حصہ دار نہ ہو سکے گی۔ خواہ موجود بھائی مادری ہو اور اولاد پدری کی ہو۔ ہاں دادا دادی اور نانا نانی کا قرب بھائیوں کی اولاد کے لئے مانع نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ ۱۰:- اگر اس طبقہ میں زوج یا زوجہ بھی شامل ہو جائیں تو ان کو اصل جائداد سے اپنا اعلیٰ حصہ دیا جائے گا اور بعد میں دوسرے وارثوں پر تقسیم ہو گی۔ یعنی $\frac{1}{2}$ شوہر اور $\frac{1}{4}$ زوجہ کو ملے گا کیونکہ اولاد کی عدم موجودگی میں ان کا فرضی حصہ یہی ہے۔

مسئلہ ۱۱:- فروض کی زیادتی کی صورت میں نقص پدری قرابت پر وارد ہو گا جس طرح ایک پدری بہن ایک مادری بہن اور ایک شوہر کی صورت میں مادری بہن اور شوہر اپنا اپنا حصہ پورا لیں گے اور کمی پدری بہن پر پڑے گی۔ اسی طرح ایک دادی ہو اور ایک نانی ہو اور شوہر بھی ہو تو نانی کو $\frac{1}{3}$ اور شوہر کو $\frac{1}{2}$ دیا جائے گا باقی جو بچے گا وہ دادی کا ہو گا۔ کلیات بیان کر دیئے گئے ہیں ان کے ماتحت جزئیات کو دریافت کیا جا سکتا ہے۔

طبقہ ثالثہ کی وراثت

اس سے وہ وارث مراد ہیں جو آیت اُولُوا الْاَرْحَامِ کے حکم سے استحقاق وراثت رکھتے ہیں اگرچہ اس مقام پر ان کا بیان بے ربط ہے لیکن تتمہ کے طور پر ان کا ذکر خالی از فائدہ نہیں۔

مسئلہ ۱:- جب میت کے بھائی بہنیں وغیرہ موجود نہ ہوں تو اس کے باپ کے بھائی بہنیں اور اس کی ماں کے بھائی بہنیں یا ان کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد وارث قرار دی جائے گی۔ اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر دادا دادی اور نانا نانی کے بھائی بہنیں یا ان کی اولاد وارث ہو گی۔ اور بالترتیب یہ سلسلہ آگے چلے گا لیکن قریب کی موجودگی میں بعید ہر سلسلہ میں محروم قرار دیا جائیگا

مسئلہ ۲:- چچے پھوپھیاں میت کے باپ کے بھائی بہنیں ہیں اور ماموں اور ان کی بہنیں میت کی ماں کے بھائی بہنیں ہیں۔ لہٰذا انفرادی طور پر ان میں سے جو بھی ہو خواہ چچا ہو پھوپھی ہو ماموں ہو یا خالہ ہو میت کی تمام جائداد کی حسبِ سابق وارث ہو گی خواہ باپ کا پدری بھائی یا بہن ہو یا مادری اور اسی طرح ماں کا پدری بھائی یا بہن ہو یا مادری۔

مسئلہ ۳:- اگر صرف میت کے چچے پھوپھیاں تینوں قسم کے جمع ہو جائیں یعنی میت کے باپ کے پدری مادری بھائی بہنیں اور صرف پدری اور صرف مادری تو صرف پدری محروم اور پدری مادریوں کو $\frac{2}{3}$ زن و مرد ایک اور دو کی نسبت سے اور صرف مادریوں کو $\frac{1}{3}$ زن و مرد برابر تقسیم کریں گے اور اسی طرح اگر صرف میت کی ماں کی تینوں قسم کی برادری موجود ہو تو پدری ساقط اور پدری مادریوں کو $\frac{2}{3}$ اور مادریوں کو $\frac{1}{3}$ دیا جائے گا لیکن یہ سب کے سب خواہ پدری ہوں خواہ مادری ہوں زن و مرد کی تقسیم میں برابر حصہ لیں گے۔ مادری قرابت میں ایک اور دو کی تقسیم نہیں ہوا کرتی۔

مسئلہ :- اگر میت کے تینوں قسموں کے چچے پھوپھیاں اور تینوں قسموں کے ماموں اور ان کی بہنیں جمع ہو جائیں تو دونوں میں سے صرف پدریوں کو محروم کیا جائے گا۔ اس کے بعد جائداد تین حصوں میں تقسیم ہوگی $\frac{2}{3}$ چچے اور پھوپھیاں لیں گی اور $\frac{1}{3}$ ماموں اور ان کی بہنیں لیں گی۔ پھر چچوں اور پھوپھیوں میں سے جو صرف مادری ہیں اس حاصل شدہ میں سے $\frac{1}{6}$ لیں گے اور برابر آپس میں تقسیم کریں گے اور باقی $\frac{5}{6}$ پدریوں کے لئے ہوگا جو ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور اصل جائداد سے جو ماموں کو $\frac{1}{3}$ ملا تھا اس میں سے صرف مادری قرابت کو $\frac{1}{3}$ ملے گا جو آپس میں برابر تقسیم کریں گے۔ اور اس میں سے $\frac{2}{3}$ پدری قرابت کو دیا جائے گا جس کو وہ بھی برابر تقسیم کریں گے مثلاً ترکہ کے ۳۶ حصے کئے جائیں گے، ۲۴ پدری قرابت اور ۱۲ مادری قرابت کو دیئے جائیں گے، ۲۴ میں سے ۴ میت کے باپ کے پدری بھائیوں کو اور ۸ مادری بھائیوں کو اور ۱۲ میں سے ۸ میت کی ماں کے پدری بھائیوں کو اور ۴ مادریوں کو دیئے جائیں گے

مسئلہ ۵ :- پدری و مادری قرابت کی عدم موجودگی میں صرف پدری قرابت ان کے قائم مقام ہوگی۔

مسئلہ ۶ :- اگر زوج یا زوجہ اس طبقہ میں آ جائیں تو ان کو اپنا اعلیٰ حصہ شوہر کو $\frac{1}{2}$ یا زوجہ کو $\frac{1}{4}$ دیا جائے گا۔

مسئلہ ۷ :- اس طبقہ میں بھی اگر فرض زیادہ ہو جائیں تو کمی پدری قرابت پر وارد ہوگی مثلاً چچے ماموں اور زوج یا زوجہ موجود ہو تو ماموں اور زوج یا زوجہ کو اپنا فرض دیا جائے گا۔ اور باقی جو بچے گا۔ وہ چچوں کے لئے ہوگا اور وہ آپس میں بدستور سابق تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۸ :- طبقہ ثالثہ کی وراثت کے کلیات بیان ہو چکے ہیں اور ہر جزئی مسئلہ کو ان سے معلوم کیا جا سکتا ہے اگر ہر ہر جزئی کو بمعہ مثال درج کیا جائے تو ایک بڑی کتاب بن جائے گی جس کا ہمارے موضوع سے ربط نہیں ہے۔

مسئلہ ۹ :- وراثت کی مانع تین چیزیں ہیں ایک کفر، دوسرا قتل اور تیسرے غلامی۔ پس کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا اور اسی طرح قاتل جس نے عمداً ظلماً قتل کیا ہو وہ اپنے مقتول کا وارث نہیں ہو سکتا خواہ بیٹا ہی کیوں نہ ہو اور نیز غلام آزاد کا وارث نہیں ہو سکتا۔

تنبیہ قانونِ وراثت میں بعضوں کو زیادہ اور بعضوں کو کم دینا۔ اس میں ہماری قیاس آرائیاں بے سود ہیں پس خداوند کریم نے جو حصص مقرر فرمائے اور جناب رسالتمآب اور ان کے اوصیائے طاہرین علیہم السلام نے ان کی جو جو تفاصیل بیان فرمائی ہیں۔ ہمیں ان کو تسلیم کرنا چاہیئے۔ یہاں ہمارے جذباتی خیالات کو کوئی دخل نہیں ہے۔ چنانچہ خداوند کریم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا یعنی تمہارے باپ اور بیٹوں کے رشتوں میں تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے لئے دنیا میں یا عقبیٰ میں کون زیادہ نفع رساں ہے (تاکہ حقوق وراثت میں ان کے حصص کی کمی یا بیشی کے متعلق سوچو) یہ اللہ کی طرف سے فریضہ اور اللہ ہی علیم و حکیم ہے یعنی ان حصص کی مصالح کو اللہ ہی جانتا ہے اور اس نے اپنے علم و حکمت کے پیشِ نظر ان کے حصص میں فرق اور کمی و زیادتی مقرر فرمائی ہے۔ پس صاحب ایمان کو صرف تسلیم کرنا چاہیئے اور اس کی حکمت و مصلحت کو علمِ خدا پر چھوڑ دینا چاہیئے اور یہی طریق نجات ہے۔

وراثت از روئے عقل

اس میں شک نہیں کہ انسان کی اجتماعی تمدنی زندگی کی تنظیم میں قانون وراثت ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ ہم جب تاریخ عالم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وراثت انسانی زندگی میں ایک قدیم ترین سنت ہے جو ہمیشہ سے چلی آرہی ہے۔ اور اگر فطرت و جبلت انسانیہ کا جائزہ لیا جائے تو نظرِ غائر اس نظریہ تک پہنچتی ہے کہ تمدنِ انسانی اور ناموس بشری کی حفاظت قانونِ وراثت کے بغیر ممکن ہی نہیں کیونکہ مال اور جملہ ضروریاتِ زندگی فطری طور پر انسان کے لئے جاذبِ طبع چیزیں ہیں اور جس چیز کو انسان غیر مملوک اور آوارگی کے عالم میں دیکھے اس پر اپنے اولین لمحاتِ فرصت میں اپنی ملکیت کی مہر لگانا چاہتا ہے بلکہ جلبِ منفعت کا جذبہ تو اس حد تک کارفرما ہے کہ ہر محبوب شئے کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا ہے اور کسی صورت میں اس پر کسی غیر کے قبضہ کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ اور مملوکات کے ایک سے دوسرے کی طرف انتقال کے بغیر بھی تمدنِ انسانی برقرار نہیں رہ سکتا پس دورانِ زندگی میں تو ملکیتوں کی تبدیلی کے ذرائع موجود ہیں لیکن کسی فردِ انسانی کی موت کے بعد جب اس کی مملوکہ اشیاء سے اس کا حقِ ملکیت سلب ہو جاتا ہے تو اس صورت میں اگر اس کے متبادل مالک بالکل قرار نہ دیئے جائیں تو انسانوں میں جنگ و جدال کا ایک طوفان برپا ہو کر انسانیت کی ناؤ کو ڈبو کر رکھ دے گا اور میزانِ عقل سے جب متبادل وارثوں کے انتخاب پر رائے زنی کی جائے تو جو لوگ متوفی کی زندگی میں اس کے اموال سے منتفع ہونے کے حق دار تھے یا جن لوگوں سے اس کا خونی یا نسبی رشتہ قائم تھا وہ سب سے زیادہ اس کے اموال کے حقدار نظر آئیں گے اور انسان جب کسی کی زندگی میں اس کی ملکیت پر قبضہ جمانے کا خواہاں ہوتا ہے وہ اس کی موت کے بعد کیونکہ اس خواہش سے دست بردار ہوگا لہٰذا ضروری ہے کہ جو لوگ ایک شخص کی زندگی میں اس کے مال سے منتفع ہونے کا حق رکھتے تھے انہیں اس کے مرنے کے بعد سب انسانوں سے زیادہ حقدار سمجھا جائے تاکہ انسانیت باہمی تساوات کا شکار نہ ہونے پائے اور فطری طور پر قرابت میں بھی قرب و بعد کا فرق اور یگانے و بیگانے میں امتیاز ضروری ہے لہٰذا وراثت انہیں کا حق ہے جو زیادہ سے زیادہ قریب ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ قانونِ وراثت انسان کی زندگی کا جزوِ اعظم ہے اور اسے عالم کے انسانوں نے دامنِ قبولیت میں جگہ دی ہوئی ہے۔

اور جو لوگ اشتراکیت کا علم اٹھا کر حقوقِ ملکیت کے خلاف نعرہ لگاتے پھرتے ہیں، وہ درحقیقت فطرت کے اصولوں سے بغاوت کا اعلان کرتے ہیں۔ بہر کیف ہر قوم و ملت میں قانونِ وراثت جاری رہا ہے۔ البتہ جزئیات مسائل میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہیں اور انسانی وضع شدہ قوانین ظلم و استبداد سے تو بری ہو نہیں سکتے لہٰذا اس مسئلہ میں کمزور طبقہ عورتیں یتیم اور بے طاقت لوگ ہمیشہ ظلم کے شکنجہ میں کھیلے جاتے رہے۔ روم کی قدیمی تاریخ اور اسی طرح یونان و ہند کے حالاتِ قدیم سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عورت کے لئے حقِ وراثت کے قائل نہیں تھے خواہ زوجہ ہو یا ماں یا بیٹی تاکہ ان کی جائیداد ان کے ذریعہ سے دوسرے قبائل میں کہیں نہ چلی جائے۔ اور ان کی رسوم جداگانہ تھیں ان کے نزدیک محارم سے نکاح کرنا بھی جائز تھا۔ زوجات میں سے جو شوہر کی زیادہ محبوب ہوتی تھی اس کو بیٹے کی طرح وراثت کا حقدار سمجھا جاتا تھا اور باقیوں کو محروم کیا جاتا تھا۔ اسی طرح شادی شدہ لڑکی محروم اور کنواری لڑکیوں کو لڑکوں کے حصوں سے نصف دیا جاتا تھا۔ عرب جاہلیت میں مطلقاً

maablib.org

عورت کو محروم از ارث کرنے کا رواج تھا (میزان)

اسلام کا احسان عظیم ہے انسانیت پر اور خصوصاً صنفِ نازک پر کہ اس نے ان کو مردوں کی طرح وراثت کا حق دار بنایا اور اس کے وقار کی سطح کو بلند کیا اور یہ ثابت کیا کہ جس طرح انسانی تمدن میں مرد حصہ دار ہے اسی میں عورت بھی اس کے دوش بدوش ہے۔ ہاں مرد کو اگر عورت سے دگنا حصہ دیا ہے یعنی مرد کے لئے ۲ اور عورت کے لئے ۱ تو پھر عورت کے اخراجات بھی اس کے سر پہ رکھ دیئے ہیں. گویا مرد کا حق ملکیت دو حصوں پر ہے لیکن ان کو کھانے اور تصرف میں لانے کیلئے اسکی عورت اس کی آدھ کی حصہ دار ہے اور عورت اپنے ملکیتی حصہ میں بھی تصرف کی خود واحد مالکہ ہے. پس ملکیت اور تصرف کے دونوں پہلوؤں پر نظر کی جائے تو مرد کی ملکیت عورت سے دگنی ہے لیکن عورت کا تصرف مرد کے تصرف سے دو گنا ہے. ایک مرد کے حصے کے نصف میں اور دوسرا اپنے ملکیتی حصے میں۔ پس عورت و مرد میں اس طرح یکسانیت ہو گئی۔

گویا خانگی زندگی کو کنٹرول میں لانے اور برقرار رکھنے کے لئے چونکہ خدا نے مردوں کو عورتوں کا حاکم قرار دیا اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ الخ تو اس کا حق ملکیت بھی دوگنا قرار دیا. لیکن چونکہ یہ دونوں کتاب انسانیت کے دو اہم باب ہیں تو عورت کو تصرف میں دگنا حصہ دے دیا اور یہ عدل خداوندی ہے جو اس کے حکیمانہ تدبر کا نتیجہ ہے. اسی طرح عورت کو اطاعتِ شوہر کا حکم دے دیا تاکہ نظامِ زندگی درہم برہم نہ ہو تو اس کے بدلہ میں اس کو ازدواجی زندگی میں حق مہر کا مالک بنا دیا۔

بہرکیف یہ قانونِ وراثت تمام انسانوں پر حاوی ہے اور اس سے کسی کو مستثنا نہیں قرار دیا گیا خواہ رئیس ہوں یا رعایا اور خواہ امتی ہوں یا نبی۔ ہاں اسلام میں سابق تاریخ جاہلی کو دہراتے ہوئے پہلے پہلے جناب رسالتمآبؐ کی دخترِ نیک اختر کو اپنے باپ کی وراثت سے محرومی کا منصوبہ تیار کیا گیا جس کی بناء پر آج تک مسلمانوں کے دلوں پر لڑکیوں کی وراثت کا مسئلہ ایک سنگِ گراں کی حیثیت رکھتا ہے

خاتونِ جنت کے مقدمۂ وراثت کے متعلق فخر الدین رازی کا فیصلہ

تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ مصر فرماتے ہیں آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ الخ کی تفسیر میں کہ یہ آیت عام نہیں رہی بلکہ مخصص ہے اس حکم سے کہ انبیاء علیہم السّلام کی وراثت نہیں ہوا کرتی. اور شیعہ اس تخصیص کے خلاف ہیں. مروی ہے کہ جناب فاطمہ علیہا السّلام نے جب وراثت کا دعوے دائر کیا تھا تو جواب میں انہوں نے مقابل کی یہ حدیث پڑھی تھی نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ یعنی ہم گروہ انبیاء کا وارث کوئی نہیں ہوتا بلکہ ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے تو بی بی نے ان کی رد اور اپنے دعویٰ کے اثبات میں یہ آیت مجیدہ تلاوت فرمائی لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۔ اور اس آیت کے عموم کو انہوں نے اپنے دعویٰ کی دلیل قرار دیا تھا اور گویا بی بی یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ عموم قرآن کو خبر واحد سے تخصیص نہیں دی جا سکتی. اور شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ بالفرض اگر عموم قرآن کو خبر واحد سے تخصیص دینا جائز ہو بھی تاہم اس جگہ نہیں ہو سکتی جس کی کئی وجوہات ہیں

(۱) خداوند کریم ذکریا علیہ السلام کے قول کو نقل فرمایا ہے۔ یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۔ یعنی اپنے لئے فرزند کی دعا مانگتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہوگا۔ نیز فرماتا ہے۔ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ اور سلیمانؑ داؤدؑ کا وارث ہوا۔ اور ان آیتوں میں علم اور دین کی وراثت یقیناً مراد نہیں کیونکہ علم اور دین وراثت میں کسی کو منتقل نہیں ہو سکتا بلکہ یہ کسبی چیز ہے اور وراثت میں منتقل ہونے والی چیز مال ہی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ پیش کردہ حدیث غلط ہے کیونکہ خلاف قرآن ہے۔

(۲) وراثت نبوی کا تعلق حضرت عباس جو آپ کے چچا تھے اور حضرت علی جو چچازاد اور داماد تھے اور حضرت فاطمہؑ جو دختر تھی ان سے تھا اور یہ لوگ عالم بھی تھے زاہد بھی تو اگر آپ نے یہ فرمانا تھا تو ان لوگوں کو فرماتے جن کو اس چیز سے واسطہ تھا ایک ایسے شخص کو فرمانا جو درمیان میں کوئی واسطہ نہ رکھتا ہو ایک بے معنی سی بات ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ کی وراثت سے ناقل حدیث کو کوئی تعلق و واسطہ نہ تھا پس معلوم ہوا کہ حدیث اعتبار سے ساقط ہے۔

(۳) اگر بالفرض حدیث کو درست تسلیم کیا بھی جائے تو ممکن ہے مَا تَرَکْنَا لَا نُوْرَثُ کا مفعول ہو یعنی ہم گروہ انبیاء جس چیز کو بطور صدقہ چھوڑ جائیں اس کا کوئی وارث نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا سارے مال کی وراثت کی نفی نہ ہوگی

اس تمام مطلب کو ذکر کرنے کے بعد جواب میں صرف ایک جملہ پیش فرماتے ہیں کہ اس مناظرہ کے بعد جناب فاطمہ ابوبکر پر راضی ہوگئی تھی اور اجماع قائم ہو چکا ہے کہ جو کچھ ابوبکر نے کیا تھا وہ درست تھا۔ لہٰذا یہ اعتراضات ساقط ہیں۔

انصاف کا خون دیکھئے۔ روایت تسلیم ہے۔ اور بی بی پاک کا احتجاج بھی تسلیم ہے نیز بی بی پاک کے استدلال پر بھی نکتہ چینی نہیں اس کے بعد نحن معاشر الانبیاء والی فرضی حدیث پر شیعوں کی طرف سے پیش کردہ اعتراضات بھی تسلیم ہیں لیکن کس قدر جرأت و جسارت سے کہہ دیا کہ بی بی راضی ہوگئی۔ میں پوچھتا ہوں کہ بی بی اس کے غلط فیصلہ پر راضی ہوگئی جب کہ اس کی فرضی حدیث کو غلط ثابت کرنے کے لئے آپؑ آیت قرآنی پیش فرما چکی تھیں جس کے جواب سے وہ عاجز تھے تو اس کے بعد رضا کا محل کونسا باقی رہتا ہے جب کہ آپ کا لقب صدیقہ مسلّم بین الفریقین ہے۔ کیا حضرت ابوبکر نے بی بی کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کر کے معافی طلب کی تھی اور حقوق الناس میں معافی مانگنے کی صورت یہ ہے کہ گذشتہ اپنے فعل سے معذرت اور اپنے پاس باقی ماندہ حقوق مالیہ کی واپسی ادائیگی۔ کیا بی بی کو حق وراثت دے کر سابق غلطی سے معذرت طلب کی گئی تھی اور اگر ایسا نہیں ہوا تو بی بی کی رضامندی کیسی؟ یعنی رضامندی کی دو صورتیں ہیں یا اس کے فیصلہ پر رضامندی اور یا اس کے جرم کی معافی فیصلہ پر رضامندی ناممکن ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ بی بی نے قرآن مجید کے فیصلہ کے خلاف رضامندی کا اظہار کیا جو ان کی عصمت کے منافی ہے۔ اور ان کے جرم کی معافی کی صورت اس لئے نہیں کہ انہوں نے نہ اس جرم کا اقرار کیا اور نہ مال مطلوبہ واپس دے کر معذرت پیش کی جس طرح بی بی پاک کے استدلال کا مدعی علیہم کے پاس جواب نہ تھا اسی طرح بی بی پاک کے مقدمہ کے وکلا علمائے شیعہ رضوان اللہ علیہم کے استدلالات کا جواب مدعی علیہ کے وکیل نام نہاد علامہ رازی کے پاس بھی نہیں تھا لیکن بی بی پاک کے دعووں کی اہمیت کو کم کرنے

اور مدعی علیہ کی لاج رکھنے کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا کہ کہہ دیا۔ بس وہ راضی ہو گئیں۔

اب ذرا خاتون جنّت کی رضامندی ملاحظہ فرمائیے۔ صحیح بخاری کتاب الخمس اور باب غزوہ خیبر میں ہے جب بی بی نے اپنا حق طلب کیا اور اس کے مقابلہ میں وہ مفروضہ حدیث پڑھی گئی اور بی بی کو خالی پلٹایا گیا تو بی بی غضبناک واپس پلٹی اور پھر مرتے دم تک حضرت ابوبکر سے بائیکاٹ کئے رہیں اور باپ کے بعد کل چھ ماہ زندہ رہیں، باب غزوہ خیبر میں یہ لفظ زیادہ ہیں کہ جب بی بی کا انتقال ہوا تو حضرت علیؑ نے ان کو رات کے وقت دفن کیا اور ابوبکر کو جنازہ و دفن میں شرکت کی اطلاع تک نہ دی! تفصیلی بحث تفسیر کی جلد اوّل یعنی مقدمہ میں ص۱۵۱ یا ص۱۵۴ ملاحظہ فرمائیے۔

نیز ابن قتیبہ دینوری اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر و حضرت عمر دونوں مل کر بی بی پاک کے پاس برائے معذرت پہنچے تو بی بی نے اپنا منہ دیوار کی طرف پھیر لیا اور جب انہوں نے سلام کہا تو بی بی نے ان کو سلام کا جواب تک نہ دیا حالانکہ ردّ سلام واجب ہوا کرتا ہے گویا بی بی ان کو ردّ سلام کے قابل نہ سمجھتی تھی! اس کے بعد بی بی نے اپنی وراثت کے مقدمہ کو دہرایا اور فرمایا کیا اسلام کی رُو سے تیرے قریبی تیرے وارث ہوں اور ہم اپنے باپ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے وارث نہ ہوں؟ لیکن پھر وہی مفروضہ حدیث دہرائی گئی۔ اور بی بی پاک نے ناراضگی کی اور باتیں بھی کہیں اور آخر میں فرمایا کہ میں اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو گواہ کر کے کہہ رہی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کیا ہے اور تم نے مجھے راضی نہیں کیا اور اپنے بابا کے پاس پہنچ کر تم دونوں کی شکایت کروں گی اور نیز فرمایا ہر نماز میں میں تمہارے لئے بددعا کروں گی یہ پوری روایت تفسیر کی پہلی جلد یعنی مقدمۂ تفسیر میں ص۱۷۳ یا ص۱۷۶ پر درج ہے۔

اور اسی مطلب کی تائید کرنے والی ایک روایت اسی مضمون کی صحیح مسلم میں بھی موجود ہے کہ یہ معذرت خواہی کے لئے گئے اور بی بی نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ ہر نماز میں یا ہر نماز کے بعد تمہارے لئے بددعا کرتی رہوں گی

کاش! دامن خلافت بچانے اور بی بی کے دعوے کی اہمیت کو ساقط کرنے سے قبل تاریخی واقعات کا جائزہ لے لیا ہوتا اور نہیں تو کم از کم صحاح ستہ کا مطالعہ کر لیا ہوتا تاکہ بی بی پاک کی رضامندی کا فیصلہ ہو جاتا۔ ہاں کیوں نہیں مصنف کو اس قسم کی باتیں بھولی ہوئی نہیں ہوتیں اور خصوصاً اس قسم کے مختلف فیہ مسائل زیر نگاہ ہوتے ہیں جبھی تو آیت وراثت کی تفسیر میں بی بی پاک کی وراثت کے مقدمہ کو ذکر کر ہی دیا۔ اور اپنی پارٹی کے حق میں فیصلہ سنا کر خاموش ہو گیا۔ ضرور بخاری و مسلم کے یہ مقامات بار بار پڑھے ہوں گے اور اس موقعہ پر تو ضرور گہری نظر سے ان کا مطالعہ کیا ہوگا اور صفحاتِ تاریخ بھی پلٹے ہوں گے کہ کہیں یہ مل جائے کہ بی بی راضی ہو گئی تھی لیکن کہیں ہوتا تو ملتا اور بی بی کی رضامندی کی صورت بھی ہو سکتی تو کوئی لکھتا کیونکہ میں عرض کر چکا ہوں بی بی کی رضامندی محالات میں سے ہے اس لئے کہ غلط فیصلہ پر رضامندی شانِ عصمت طہارت اور صداقت کے منافی ہے اور مجرم پر رضامندی بعید از عقل ہے کیونکہ نہ اس نے حق دیا نہ معافی ہوئی لیکن اس نام نہاد علامہ بلکہ امام بے چارے کے پاس اور تو کوئی حیلہ نہ تھا پس لکھ دیا کہ وہ راضی ہو گئی تھیں لیکن یہ کھٹک دل میں باقی رہی کہ یہ جواب کافی نہیں اس کو تاریخ و حدیث

بلکہ عقل و نقل قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تو دل میں سوچا کہ اس سے مُکر جاؤں پس فوراً دوسری بات کہہ دی کہ چونکہ اجماعِ امت قائم ہے کہ جو کچھ خلیفہ نے کیا ہے وہ درست ہے لہٰذا اعتراضات سب بے کار ہیں۔

ہاں ایسے ہی لوگ تو امام کہلاتے ہیں جن کے نظریہ جات اس قسم کے ہوں۔ کہ حاکمِ وقت کا فیصلہ قرآن کے خلاف ہو عقل کے منافی ہو اور حقدار کا حق تلف ہوتا رہے اور وہ بیچارہ چیختا چلاتا رہے لیکن اکثریت اس کے حکم کے سامنے دب کر خاموشی اختیار کرلے یا اس کی کسی مصلحت کی بناء پر ہاں میں ہاں ملا دے اور پھر کوئی مولوی اور خصوصاً علامہ کہہ دے کہ وہ حقدار پہلے چیختا چلاتا رہا اور بعد میں وہ خاموش اور راضی ہو گیا تھا یا یہ کہ دے کہ خواہ وہ کتنا ہی فریاد کرتا رہے اور روتا رہے لیکن حاکمِ وقت کا جو فیصلہ ہو چکا ہے خلافِ قرآن ہو تو ہو عقل نہ مانے تو نہ مانے لیکن چونکہ عوام نے تسلیم کر لیا ہے اور اجماع ہو چکا ہے تو پس صحیح ہے۔ اب عوام کیوں نہ کہیں اسے علامہ اور کیوں نہ امامت کا لقب ملے۔

یہاں پر ایک حدیث مجھے یاد آتی ہے کہ بہترین جہاد کلمۂ حق ہے جو سلطانِ جابر کے سامنے کہا جائے اور اسی حدیث کو تقیہ کے بطلان کی دلیل بنا کر بھی پیش کیا جاتا ہے لیکن جب وہ کلمۂ حق اہلبیت عصمت کے کسی دعویٰ کی دلیل بنتا ہو تو اس وقت یہ جہاد ساقط ہے بلکہ حاکمِ وقت کی ہاں میں ہاں ملانا ہی ایمان ہے۔ حق تو یہ ہے کہ مدعی کی دلیل کو باطل ثابت کیا جائے اور اگر نہیں تو پھر اس کو مان لینا چاہیئے کیا انصاف کا خوف نہیں کہ دلیل بھی ناقابلِ تردید ہے اور ماننا بھی نہیں کیونکہ سارے لوگ راضی ہو چکے ہیں۔ پس اکثریت کی ہاں میں ہاں ملانی ہی ہے۔ یہ ہے تحقیق اور بالغ النظری کی شان۔

ان سے پوچھنے والا کوئی نہیں کہ آیا حضرت علی امت کا فرد نہیں تھا کیا جناب بتول معظمہ امت کی فرد نہیں تھیں۔ کیا حضرت سلمان مقداد اور ابوذر وغیرہ امت کے افراد نہیں تھے اور کیا مدینہ میں یہ لوگ موجود نہیں تھے۔ کیا یہ لوگ اس فیصلہ پر راضی تھے؟ جب ایسا نہیں تو عوام کو دھوکا دینے کے لئے یہ بہانہ کیوں؟

ہاں اس دھاندلی کا پتہ اس وقت چلے گا جب ایک طرف میدانِ محشر میں جناب بتول معظمہ اپنا دعویٰ دائر کریں گی اور دوسری طرف مدعا علیہم ہوں گے۔ اگر اس وقت تم نے یہ کہا کہ بی بی راضی ہو گئی تھی تو ضرور جناب بتول معظمہ حضرت محسن کو پیش فرماویں گی اور وہ دروازہ خود گواہی دے گا جس پر لکڑیاں جمع کی گئی تھیں۔ نیز قرآن کی میراث کی یہی آیات پکار پکار کر خاتون کی صداقت کی گواہی دیں گی یقیناً جب اس میدان میں اس مفسرِ قرآن کو جواب دہی کے لئے کھڑا کیا گیا تو سمجھ آجائے گی کہ اکثریت کی آڑ ہو کے دب کر دلیل کا ساتھ چھوڑنا کیسا ہوا کرتا ہے۔

ہاں بی بی تیرا دعوےٰ سچا تھا اور تو حق پر تھی۔ جن لوگوں نے تیرا حق چھینا یا تیرے حق پر پردہ ڈالا وہ واقعی قیامت کے روز تیرے جوابدہ ہوں گے۔ اور ہم دنیا و آخرت میں ان سے بری ہیں۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ۔ احکام میراث بیان فرمانے کے بعد ان کو اپنی حدود قرار دیا ہے۔ اور اطاعت گذاروں کو جنت کی بشارت اور تجاوز کرنے والوں کے لئے جہنم کی دھمکی ہے کیونکہ مال کے حصول کی خاطر بے راہ روی کرنا ابدی عذاب کا مستحق بناتا ہے۔ اور خدا کے بیان کردہ طریق کے مطابق صرف حلال پر صبر کرنا ابدی نعمتوں کا سزاوار کرتا ہے اور عقلمند کو چاہیئے کہ عارضی منافع کی خاطر ابدی وبال نہ خریدے بلکہ فانی چیز کی قربانی کرکے ابدی راحت کے حصول کی کوشش کرے۔

رکوع ۱۴

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ

یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو اطاعت کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی داخل کرے گا اس کو

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ

بہشتوں میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں اور یہ

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۳ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ

بڑی کامیابی ہے اور جو نافرمانی کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی اور تجاوز

حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۱۴

کرے گا اس کی حدود سے اسے داخل کرے گا جہنم میں کہ ہمیشہ رہنے والا ہوگا اس میں اور اس کے لئے

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَاۗىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا

عذاب ذلیل کن ہوگا اور وہ جو کریں بدکاری تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ قائم کرو ان

عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْھُنَّ فِي

پر چار مرد اپنے سے پس اگر گواہی دیں تو روک رکھو ان کو اپنے گھروں میں

الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىھُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ

یہاں تک کہ لے لے ان کو موت یا مقرر کرے اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ:۔ وہ اول میں جب عورت کی بدکاری چار گواہوں کے ذریعہ سے ثابت ہوجاتی تھی تو اسے ایک کوٹھری میں قید کیا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ مرجاتی تھی۔ پھر یہ حکم منسوخ ہوا اور شادی شدہ مرد وعورت کا زنا اگر ثابت ہوجائے تو اسے سنگسار کرنے کا حکم ہوا اور کنوارے مرد وعورت کا زنا ثابت ہوجائے تو ان کے لئے کوڑوں کی سزا مقرر ہوئی۔

اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا تفسیر صافی بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور سبیل سے مراد حدود ہیں ایک اور روایت میں فرمایا کہ سبیل سے مراد کوڑے اور سنگسار کرنا ہے۔

بروایت غوالی جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ یہ لو خدا نے سبیل مقرر فرما دیا ہے کہ کنوارا مرد کنواری لڑکی سے زنا

کرے تو اس کے لئے ایک سو تازیانہ اور ایک سال کی جلا وطنی کی سزا ہے اور شادی شدہ شادی شدہ سے زنا کرے تو اس کے لئے کوڑے بھی اور
سنگسار کرنے کی سزا بھی ہے۔ اور صاحب مجمع البیان نے فرمایا ہے کہ اکثر علمائے امامیہ کا فتوے یہ ہے کہ اس پر صرف سنگسار کرنے کی ہی سزا ہو
وَالَّذٰنِ۔ اسلام کے دور اوّل میں جب مرد و عورت زنا کرتے تھے تو مرد کو ایذا دی جاتی تھی زبان سے یا جوتوں کی مار سے اور عورت

سَبِیۡلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ یَاۡتِیٰنِہَا مِنۡکُمۡ فَاٰذُوۡہُمَا ۚ فَاِنۡ تَابَا وَاَصۡلَحَا
اور جو دو آدمی کریں بدکاری تم میں سے تو ان کو اذیت دو پس اگر توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر
فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡہُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوۡبَۃُ
تو درگذر کرو ان سے تحقیق اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے سوائے اس کے
عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السُّوۡٓءَ بِجَہَالَۃٍ ثُمَّ یَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ
نہیں کہ توبہ قبول کرنا تو اللہ پر ان کے لئے ہے جو کریں برائی جہالت سے پھر توبہ کریں جلدی سے
قَرِیۡبٍ فَاُولٰٓئِکَ یَتُوۡبُ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا
پس یہ لوگ توبہ خدا قبول کرتا ہے ان کی اللہ ہے اللہ علم و حکمت والا
حَکِیۡمًا ﴿۱۷﴾ وَلَیۡسَتِ التَّوۡبَۃُ لِلَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ ۚ
اور نہیں توبہ ان کے لئے جو کریں بدکاریاں یہاں تک کہ جب
حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَہُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ اِنِّیۡ تُبۡتُ
پہنچ جائے ان پر موت تو کہہ دے کہ میں اب تائب ہوں اور نہ
الۡـٰٔنَ وَلَا الَّذِیۡنَ یَمُوۡتُوۡنَ وَہُمۡ کُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعۡتَدۡنَا
ان کے لئے جو مرتے ہیں بحالت کفر ایسے لوگوں کے لئے ہم نے
لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۱۸﴾
تیار کیا ہے دردناک عذاب

کو ایذا دی جاتی تھی کہ اس کو تا دم
مرگ حبس میں رکھا جاتا تھا لیکن
بعد میں یہ حکم آیت رجم سے منسوخ
ہو گیا۔

اِنَّمَا التَّوۡبَۃُ: تفسیر
مجمع البیان و برہان میں فقیہ سے
منقول ہے کہ جناب رسالتمآب
نے آخری خطبہ میں فرمایا جو شخص
مرنے سے ایک سال قبل توبہ کرلے
خدا قبول کرے گا پھر فرمایا مہینہ
زیادہ ہے جو شخص ایک دن پہلے
توبہ کرے خدا قبول فرمائے گا
پھر فرمایا ایک دن زیادہ ہے جو
شخص ایک گھنٹہ پہلے توبہ کرلے
خدا قبول کرے گا۔ پھر فرمایا گھنٹہ
زیادہ ہے پس اپنے ہاتھ سے
حلق کی طرف اشارہ کرکے فرمایا
جب روح یہاں تک پہنچ
جائے اور توبہ کرے تب بھی خدا
قبول فرماتا ہے۔

مروی ہے ابلیس نے کہا تھا کہ میں بنی آدم کو تا دم مرگ گمراہ کرتا رہوں گا۔ تو خدا نے فرمایا تھا کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں بھی اس
تک توبہ قبول کروں گا جب روح حلق تک پہنچ جائے۔

تفسیر برہان میں عیاشی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جب روح حنجرہ تک پہنچ جائے تو اس وقت عالم کی توبہ قبول نہیں ہوتی اور جاہل کی توبہ اس وقت بھی قبول ہوتی ہے۔ بہر کیف توبہ کو خدا قبول فرماتا ہے لیکن حقوق الناس کی توبہ کے وقت ادائیگی ضروری ہے یا ان سے معافی لے اور حقوق اللہ کی قضا لازم ہے اور وقت کم ہو تو اپنے ورثاء کو وصیت کرے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ الآن قبول نہیں توبہ میں عالم و جاہل کے فرق کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص حق کو پہچانتے ہوئے ضد پر ڈٹا رہے اور مرتے وقت خدا کے عذاب کو دیکھ کر توبہ کرے تو اس کی قبول نہیں جیسے فرعون اور جو شخص نہ پہچانتا ہو اور جہالت کی وجہ سے حق کا انکار کرتا رہے لیکن مرنے سے تھوڑا سا قبل بھی اگر وہ حق کی معرفت حاصل کرے اور اپنی سابقہ غلطی سے توبہ کرے تو اس کی توبہ مقبول ہے۔ واللہ اعلم۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے شان نزول کے متعلق لکھا ہے کہ ایک شخص ابوقیس مر گیا تو اس کے بیٹے محصن نے ابوقیس کی عورت کبیشہ پر حسب دستور جاہلی اپنی چادر ڈال دی اس کے نکاح کا وارث بن بیٹھا اس کے بعد نہ اس کے ساتھ ہم بستری کی اور نہ اس کو کہیں اور جگہ نکاح کرنے دیا پس وہ عورت حضرت رسالتمآب کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی آقا! نہ مجھے شوہر کی وراثت ملی ہے اور نہ مجھے آزادی نصیب ہوتی ہے کہ کہیں اور جگہ نکاح کر سکوں تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی مروی ہے۔ اور کہتے ہیں

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ
اے ایمان والو تمہیں جائز نہیں کہ وارث بنو عورتوں کے

كَرْهًا ؕ وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْ
زبردستی سے اور نہ روکو ان کو اس غرض سے کہ حاصل کرو بعض وہ جو ان کو دے چکے ہو۔

هُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَ عَاشِرُوْهُنَّ
مگر یہ کہ کریں بدکاری ظاہر اور ان کے ساتھ گذران رکھو

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا
ساتھ نیکی کے پس اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے کہ تم ناپسند کرو ایک چیز کو اور

وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ۝۱۹
رکھی ہو اللہ نے اس میں خیر کثیر۔

جب جاہلی کا دستور تھا کہ مرنے والے کا بیٹا یا اس کا دوسرا ولی جس طرح مرنے والے کے باقی مال کا وارث ہوتا تھا اس کی عورت کا بھی وہ وارث ہوتا تھا پس اس پر اپنی چادر ڈال دیتا تھا۔ اگر چاہتا تو اسے متوفی کے ادا کردہ حق مہر سے ہی اپنی زوجہ بنا لیتا اور اگر چاہتا تو اس کی دوسری شادی کر کے اس کا حق مہر خود وصول کر لیتا پس اس آیت نے ان کو اس فعل شنیع سے روک دیا۔

بعض کہتے ہیں کہ ایک شخص کی عورت ہوتی تھی اور اس نے اس کا حق مہر بھی ادا کرنا ہوتا تھا لیکن بجائے اس کے ساتھ ہم بستری کرنا

پسند نہ کرتا تھا تو اس کو اذیت دیتا تھا تاکہ وہ مہر بخش دے پس ان کو اس آیت مجیدہ کے بعد روکا گیا۔

نیز کہتے ہیں مرد جن عورتوں کو ناپسند کرتے تھے ان کو زبردستی اپنے گھروں میں روکے رہتے تھے تاکہ ان کے مرنے کے بعد ان کی وراثت کے حقدار بنیں۔ پس یہ آیت اتری۔ اور حضرت باقر علیہ السلام سے یہ بھی مروی ہے۔ اور آیت کے عموم کے پیش نظر بیان کردہ تمام صورتیں مراد ہو سکتی ہیں اور روایت میں بھی غالباً مصداق آیت کے ایک فرد کو بطور مثال کے پیش کیا گیا ہے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ

اور اگر تم چاہو تبدیل کرنا ایک عورت بدلے ایک عورت کے اور دے چکے ہو ان میں

قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا

ایک کو مال کثیر تو نہ لو اس سے کچھ بھی کیا لینا چاہتے ہو باطل اور ظاہر

وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۲۰ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ

باہر گناہ کے طریقے سے؟ اور کیسے لیتے ہو اس کو حالانکہ مل چکا ہے تمہارا بعض طرف

اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝۲۱ وَلَا

بعض کے اور لے چکی ہیں تم سے عہد سخت اور نہ نکاح کرو

تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ

ان عورتوں سے کہ نکاح کر چکے ہیں تمہارے باپ ان سے مگر وہ جو گذر چکا ہے۔ تحقیق

كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝۲۲

یہ برائی اور غضب ہے اور برا راستہ ہے۔

اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ۔

تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ فاحشہ سے مراد ہر قسم کی نافرمانی ہے تو پس ایسی صورت میں عورت سے پیسے وصول کر کے اسے خلع کر سکتا ہے۔ اور اگر ایسی صورت نہ ہو تو پھر عورت سے اچھے سلوک کے ساتھ بسر کرنا ضروری ہے جس طرح کہ آیت مجیدہ کے مضمون سے ظاہر ہے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ۔

اگر ایک عورت کو طلاق دے کر اس کی بجائے کسی دوسری سے نکاح کرنا چاہو تو پہلی عورت کا مال اس سے چھین کر نہ رکھ لو کہ دوسری اس کی مالک بنے کیونکہ یہ بہتان کی طرح گناہ کبیرہ ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جب بھی عورت کو طلاق دے تو اس کو دیا ہوا مال اس سے حاصل کرنے کا حقدار نہیں ہے۔ خواہ کسی دوسری عورت سے شادی کا ارادہ رکھتا ہو یا نہ۔ (مجمع)

مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا۔ اس میثاق سے مراد وہ عہد ہے جو بزبان حال یا مقال بوقت نکاح کیا جاتا ہے کہ عورت کے ساتھ حسن سلوک سے برتاؤ کیا جائے گا ورنہ احسان اور خوش اسلوبی سے اس کو آزاد کر دیا جائے گا اور ایسا ہی حضرت امام محمد باقر

علیہ السلام سے مروی ہے (مجمع البیان)

وَلَا تَنْكِحُوْا: عرب جاہلی میں بیٹے باپ کی منکوحہ عورتوں کے ساتھ نکاح کر لیا کرتے تھے یعنی جو انکی ماں کی سوکنیں ہوتی تھیں۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کی خواستگاری کی تو اس نے جواب دیا کہ میں تجھے اپنا فرزند سمجھتی ہوں اور تو اپنی قوم میں نیک معلوم ہوتا ہے لہٰذا اس بارہ میں میں رسولِ خدا سے دریافت کرتی ہوں چنانچہ وہ آئی اور دریافت کیا تو یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ

حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں

وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىٓ

اور ماسیاں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور وہ مائیں جنہوں نے

أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضٰعَةِ وَأُمَّهٰتُ

تمہیں اپنا دودھ پلایا ہے اور دودھ کی بہنیں اور تمہاری عورتوں

نِسَآئِكُمْ وَرَبٰٓئِبُكُمُ الّٰتِى فِى حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ

کی مائیں اور ان کی وہ بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن عورتوں سے تم

الّٰتِى دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ

دخول کر چکے ہو پس اگر تم نے دخول نہ کیا ہو ان سے تو پھر کوئی

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلٰٓئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ

گناہ نہیں تم پر اور عورتیں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری صلب

أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ

سے ہیں اور یہ کہ اکٹھی دو بہنیں (نکاح میں) کرو مگر وہ جو گذر چکا

سَلَفَ ط إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۲۳)

ہے تحقیق اللہ غفور رحیم ہے۔

مسئلہ: باپ کی منکوحہ بیٹے پر حرام مؤبد ہے خواہ باپ نے اس کے ساتھ مجامعت کی ہو یا نہ لیکن آیا وہ عورت جس کیساتھ باپ کے ناجائز تعلقات رہ چکے ہوں اس حکم میں داخل ہوگی؟ تو آیت قرآن کا حکم اس کو ناجائز کہہ رہا ہے کیونکہ نکاح کا لغوی معنی ہے مجامعت پس جس عورت سے باپ مجامعت کر چکا ہو وہ بیٹے پر حرام ہوگی اور اسی پر علمائے امامیہ متفق ہیں

محرمات ابدیہ

رکوع ۱۵

حُرِّمَتْ: حرمت کا متعلق جس نوع سے ہوگا اسی کا مخصوص نفع حرام ہوگا مثلاً اگر کھانے والی چیزوں پر اس لفظ کا اطلاق ہو تو مراد ہوگا کھانا حرام ہے۔ اور عورتوں پر اطلاق کی صورت میں مراد ہے کہ ان سے نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ حرمت کا تعلق ذات سے نہیں ہوا کرتا

بلکہ اس کے منافع سے ہوا کرتا ہے اُمَّھٰتُکُمْ :- یعنی ہر وہ عورت کہ سلسلۂ ولادت میں آپ کی نسبت اس تک پہنچے پس ماں کی ماں اور باپ کی ماں اور پھر جس قدر سلسلہ اوپر چلا جائے گا۔ سب اسی لفظ کی رو سے حرام ہوں گی کیونکہ وہ سب مائیں ہیں۔ بَنٰتُکُمْ :- یعنی ہر وہ عورت کہ سلسلہ ولادت میں اس کا نسب آپ پر منتہی ہو۔ پس بیٹی کی بیٹی اور بیٹے کی بیٹی اور اس کے بعد جس قدر سلسلہ نیچے چلا جائے گا وہ سب اسی لفظ کا مصداق ہوں گی کیونکہ اولاد کی اولاد بھی اولاد کہلاتی ہے۔

عَمّٰتُکُمْ :- جمع ہے عَمَّۃ کی یعنی ہر وہ عورت جو بہن ہو ایسے شخص کی جس کی طرف آپ کا سلسلہ نسبت پہنچتا ہو پس اس لفظ میں باپ دادا پردادا وغیرہ کی بہنیں اور نانا پرنانا وغیرہ کی بہنیں سب داخل ہیں۔

خٰلٰتُکُمْ :- جمع ہے خالہ کی یعنی ہر وہ عورت جو بہن ہو ایسی عورت کی جس کی طرف آپ کا سلسلۂ نسب پہنچتا ہو تو ماں نانی اور پرنانی وغیرہ کی بہنیں سب اس لفظ میں داخل ہیں۔

بَنٰتُ الْاَخِ :- اس سے مراد بھائی کی مؤنث اولاد کا سلسلہ ہے جہاں تک نیچے چلا جائے گا۔

بَنٰتُ الْاُخْتِ :- اس سے مراد بہن کی مؤنث اولاد کا سلسلہ ہے جہاں تک نیچے چلا جائے گا۔

پس یہ سات قسم کی عورتیں ہیں جن کی نسبی قرابت نکاح سے مانع ہے۔ (۱) ماں (۲) بیٹی (۳) بہن (۴) پھوپھی (۵) خالہ (۶) بھتیجی (۷) بھانجی۔ اور اس کا مختصر طور پر قاعدہ کلیہ یہ سمجھنا چاہیے کہ چار قسم کی عورتیں حرام ہیں (۱) ہر وہ عورت جو اصول میں داخل ہے۔ (۲) ہر وہ عورت جو فروع کے سلسلہ میں داخل ہے (۳) ہر اصل کی پہلی فرع (۴) پہلی قریبی اصل کی ہر فرع یا یوں کہہ دیجئے کہ قرابت طولیہ کی فوقانی و تحتانی ہر عورت حرام ہے اور قرابت عرضیہ میں قرابت طولیہ فوقانیہ کی پہلی فرع اور پہلی اصل کی ہر فرع حرام ہیں۔

مجمع البیان میں بروایت ابن عباس منقول ہے کہ خداوند کریم نے عورتوں میں سے سات قسموں کو نسب سے حرام قرار دیا ہے اور سات قسموں کو سبب سے حرام کیا اور وہ یہ ہیں (۱) رضاعی ماں (۲) رضاعی بہنیں (۳) زوجہ کی ماں (۴) زوجہ مدخولہ کی بیٹیاں (۵) منکوحۂ فرزند (۶) دو بہنوں کو اکٹھے نکاح میں لانا (۷) گذشتہ آیت میں باپ کی زوجہ

رضاعی محرمات

جو عورتیں قرابت نسبی کی وجہ حرام ہوا کرتی ہیں۔ وہی قرابت رضاعی سے بھی حرام ہوں گی چنانچہ جناب رسالت مآبؐ کا فرمان ہے اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَۃِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ یعنی خدا نے رضاع سے وہی عورتیں حرام کی ہیں جو نسب سے حرام کی ہیں۔

اُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَکُمْ :- تمہاری وہ مائیں حرام ہیں جنہوں نے تمہیں دودھ دیا ہے۔ پس اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل عورتیں داخل ہیں۔

(۱) وہ عورت جس نے دودھ دیا ہے۔

(۲) وہ عورت جو دودھ پلانے والی عورت کی ماں ہو خواہ نسب سے خواہ رضاع سے اسی طرح اس کی دادیاں اور نانیاں نسبی و رضاعی

سب حرام ہوں گی۔

(۳) دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کی جو اس کا رضاعی باپ ہے، مائیں، داویاں نانیاں خواہ نسبی ہوں یا رضاعی

(۴) دودھ پینے والے کی نسبی ماں یا نانی کی رضاعی مائیں اور پھر اوپر کا یہ سب سلسلہ

(۵) دودھ پینے والے کے نسبی باپ یا دادے دادی کی رضاعی مائیں اور لہٰذا القیاس۔

وَاَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَۃِ: تمہاری رضاعی بہنیں یعنی دودھ پینے والے کے نسبی والدین کی جو رضاعی اولاد ہو گی وہ اس کے بھائی بہنیں شمار ہوں گے اور ان کی نسبی یا رضاعی اولاد اس کے رضاعی بھانجے اور بھتیجے ہوں گے پس ان سب سے اس کا نکاح حرام ہو گا نیز اسی قاعدہ کے ماتحت نسبی بھائی بہنوں کی رضاعی اولاد اور پھر ان کی نسبی یا رضاعی اولاد آخر تک اسی حکم میں ہے اور اس مقام پر چند مسائل اور بھی ہیں جن کا ذکر ضروری ہے۔

مسئلہ: رضاعی لڑکیاں اور ان کی نسبی یا رضاعی اولاد اور یہ سلسلہ نیچے کی طرف جہاں تک چلا جائے اسی حکم میں ہے۔

مسئلہ: نسبی فرزند یا بیٹی کی رضاعی لڑکیاں اور پھر ان کی اولاد۔ خواہ رضاعی خواہ نسبی جہاں تک چلی جائے۔ سب حرام ہے

مسئلہ: رضاعی فرزند کی لڑکیاں خواہ رضاعی ہوں یا نسبی اور اسی طرح انکی اولاد کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ: رضاعی پھوپھیاں اور رضاعی خالائیں بھی اسی طرح حرام ہیں جس طرح نسبی سلسلہ میں حرام ہیں پس اس سلسلہ میں باپ دادا پر دادا وغیرہ کی رضاعی بہنیں اور ماں نانی پر نانی کی رضاعی بہنیں سب داخل ہیں۔

رضاع کے شرائط

(۱) دودھ نکاح سے ہو خواہ دائمی ہو یا متعہ ہو۔ بنا بریں اگر دودھ دینے والی عورت نکاح سے خالی ہو تو اس کے دودھ کا کوئی اعتبار نہیں۔ نیز منکوحہ ہونے کے علاوہ وہ حاملہ ہو یا بچے کی ماں ہو پس اگر بچہ جننے کے بغیر اور حمل کے زمانہ کے علاوہ اس کا دودھ ہو جائے تو وہ رضاع نہ بنے گا۔

(۲) اس قدر دودھ پئے کہ اس سے بچہ کا گوشت پیدا ہو اور ہڈی مضبوط ہو لہٰذا اس مقدار سے کم کا کوئی اعتبار نہ ہو گا یا ایک دن رات مکمل دودھ پیتا رہے یا۔ پندرہ مرتبہ پلے در پے دودھ پئے چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ رضاع حرمت کا موجب نہیں بنتا جو ایک دن رات سے کم ہو یا پندرہ مرتبہ سے کم ہو بشرطیکہ پندرہ مرتبہ پے در پے کر درمیان میں کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پیا ہو اور ایک ہی نسل کا دودھ ہو ورنہ اگر ان پندرہ مرتبہ کے درمیان کسی اور عورت کا دودھ پئے گا تو رضاع محرم نہ ہو گا اور بعض علمائے امامیہ دس مرتبہ پے در پے دودھ پینے کو کافی سمجھتے ہیں نیز دودھ پستان سے منہ لگا کر پیئے۔ اگر دودھ کر پلایا جائے تو وہ بھی حرمت کا موجب نہ ہو گا۔

(۳) دودھ پینے والا بچہ دو سال کے اندر ہو ورنہ رضاع کی حرمت نہ ہو گی۔

(۴) فحل ایک ہو یعنی ایک عورت جس قدر لڑکوں کو دودھ پلائے گی بشرائط سابقہ وہ سب ایک دوسرے کے بھائی بہنیں رضاعی ہوں گے بشرطیکہ عورت اسی ایک ہی شوہر کا دودھ سب کو پلاتی رہی ہو۔ ورنہ جس قدر بچے عورت کا دودھ ایک شوہر کے نکاح کے

دوران میں پئیں گے۔ وہ ایک دوسرے کے رضاعی بھائی بہنیں ہوں گے اور جو بچے اسی عورت کا دودھ دوسرے شوہر کے نکاح کے دوران
میں پئیں گے وہ آپس میں تو رضاعی بھائی بہنیں بنیں گے لیکن اسی عورت کے پہلے شوہر کی رضاعی اولاد سے ان کا رشتہ ہو سکے گا۔
البتہ اسی عورت کی نسبی اولاد کا رشتہ نہ اس کے پہلے شوہر کی رضاعی
اولاد سے ہوگا اور نہ دوسرے شوہر کی رضاعی اولاد سے ہوگا۔

مسئلہ:۔ جس بچے نے ایک عورت کا دودھ حسب شرائط پیا ہو اس پر عورت کی نسبی اولاد سب حرام ہوگی اور رضاعی اولاد صرف وہی حرام ہوگی جو اسی ایک شوہر کے نکاح کے ماتحت اس کا دودھ پی چکی ہو اور اسی طرح اس بچہ پر رضاعی ماں کے اس شوہر کی اولاد بھی حرام ہوگی جس کے نکاح میں اس نے دودھ پیا تھا خواہ اس شوہر کی اولاد اسی عورت سے ہو یا کسی اور عورت سے ہو۔

مسئلہ:۔ دودھ پینے والے بچے کے نسبی بھائی بہنیں بچے کے رضاعی ماں باپ کی اولاد میں رشتہ کر سکتے ہیں خواہ اس بچے سے بڑے ہوں یا چھوٹے۔

مسئلہ:۔ دودھ پینے والے بچے کا نسبی باپ بچے کے رضاعی باپ کی اولاد نسبی و رضاعی میں نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اس کے لئے بمنزلہ اولاد کے ہو چکے ہیں۔ اسی طرح بچہ کا باپ دودھ پلانے والی عورت کی نسبی اولاد سے بھی نکاح نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اخبارِ صحیحہ میں وارد ہے۔

مسئلہ:۔ مسئلہ سابق کی رو سے اگر نانی یا نانے کی منکوحہ بچے کو دودھ پلائے تو چونکہ بچے کی نسبی ماں اس کی رضاعی بہن بن جاتی ہے لہٰذا بچے کے باپ پر وہ حرام ہو جائے گی۔

مسئلہ:۔ جس طرح اگر رضاع پہلے ثابت ہو تو نکاح نہیں ہو سکتا اسی طرح اگر نکاح ہو چکنے کے بعد رضاع آجائے تو نکاح باطل ہو جائے گا۔ مثلاً اگر ایک بچے یا بچی کو نکاح کے بعد اس کی ساس دودھ پلائے تو ان کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اس مسئلہ کی جزئیات بہت نکالی جا سکتی ہیں۔

مسئلہ:۔ اگر ایک شخص چھوٹی بچی سے نکاح کرے اور اس کی دوسری مدخولہ عورت اسی بچی کو دودھ پلائے تو وہ عورت چونکہ اس کی چھوٹی منکوحہ عورت کی رضاعی ماں ہو کر اس کی ساس ہو جائے گی لہٰذا اس پر حرام ہو جائے گی اور چھوٹی بچی بھی حرام ہوگی کیوں کہ وہ اس کی رضاعی بیٹی ہو چکی ہے ہاں اگر اس کی دو عورتوں نے اس چھوٹی بچی کو یکے بعد دیگرے دودھ دیا ہو تو پہلی دودھ دینے والی حرام ہوگی اور دوسری حرام نہ ہوگی کیونکہ اس نے رضاعی بیٹی ہو چکنے کے بعد اس کو دودھ دیا ہے اور چھوٹی بچی بہر صورت حرام ہو جائے گی۔

وَاُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ الخ:۔ یعنی تمہاری عورتوں کی مائیں (تم پر حرام ہیں)، اس میں ہر وہ عورت داخل ہے جس کی طرف زوجہ کا نسب پہنچتا ہو یعنی اس کی مائیں دادیاں نانیاں خواہ نسبی ہوں یا رضاعی وہ سب حرام ہیں۔ اس میں فرق نہیں کہ عورت سے دخول کیا ہو یا نہ۔

maablib.org

مسئلہ: بنابریں اگر کوئی شخص کسی مرد سے لواطہ کرے تو اس پر مفعول کی ماں بہن اور بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے۔

وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي الخ: یعنی زوجہ کی وہ اولاد جو تمہاری پرورش میں ہے اور پرورش میں ہونے کا ذکر اس لئے ہے کہ عام دستور یہی ہے کہ زوجہ کی سابق شوہر کی اولاد اس کے ہمراہ ہو کر دوسرے شوہر کے ہاں پرورش پاتی ہیں ورنہ نکاح کی حرمت میں اس وصف کو کوئی دخل نہیں اگر بالفرض زوجہ کی سابق شوہر کی لڑکیاں اس کی پرورش میں نہ بھی ہوں۔ تاہم اس مرد کا ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔ بشرطیکہ اس زوجہ سے دخول کر چکا ہو ورنہ اگر دخول کئے بغیر اس کو طلاق دے دے یا عورت قبل از دخول مر جائے تو اس کی سابق شوہر کی لڑکیاں اس کے نکاح میں آسکتی ہیں۔ نیز زوجہ کی سابق شوہر کی لڑکیاں اور ان کی اولاد اسی طرح زوجہ کے سابق شوہر کے لڑکے کی اولاد یہ سب رَبَائِبُكُمُ میں داخل ہیں۔

وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الخ: یعنی تمہارے صلبی لڑکوں کی بیویاں (تم پر حرام ہیں) بیٹوں پوتوں نواسوں کی بیویاں سب اس میں داخل ہیں خواہ بیٹے یا پوتے و نواسے نسبی ہوں یا رضاعی۔ بنابریں صلبی قید رضاعی بیٹے کے اخراج کے لئے نہیں بلکہ پرورش پانے والے ادعائی بیٹوں کی نفی کے لئے ہے کہتے ہیں چونکہ رسالتمآبؐ نے زید کی عورت سے نکاح کیا تھا تو مشرکین نے زبان طعن دراز کی تھی کہ دیکھو رسولؐ نے اپنی بہو سے شادی کر لی ہے تو یہ آیت اتری اور نیز خدا نے فرمایا وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ: خدا نے تمہارے ادعائی بیٹوں کو حقیقی بیٹوں کا مقام نہیں دیا یعنی متبنّٰی ابن نہیں ہوا کرتا اور جس طرح باپ پر بیٹے کی حلیلہ (زوجہ) حرام ہے اسی طرح بیٹے پر بھی باپ کی اور دادا و نانا وغیرہ کی حلیلہ (زوجہ) سے نکاح کرنا حرام ہے چنانچہ اس سے قبل فرما چکا ہے۔ وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ۔

وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ: یعنی دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے) قرآن مجید میں جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے جو عورتیں اس تفصیل سے باہر ہیں ان سے نکاح کی حرمت نہ ہو گی۔ پس خالہ اور بھانجی اور اسی طرح پھوپھی اور بھتیجی بیک وقت ایک شخص کے نکاح میں جمع ہو سکتی ہیں۔ ہاں البتہ بھانجی یا بھتیجی سے پہلے نکاح ہو تو ان کی پھوپھی یا خالہ سے بلا اجازت زوجہ نکاح کر سکتا ہے لیکن اگر پہلے خالہ یا پھوپھی سے نکاح ہو تو ان کی بھانجی یا بھتیجی سے نکاح کرنے کے لئے ان سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے اور مذہب امامیہ کا یہی فتویٰ ہے جو اہلبیت رسالت کے فرامین سے اخذ کیا ہوا ہے اگر یہ بھی حرام ہوتیں تو قرآن مجید میں جہاں دو بہنوں کے بیک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع وارد ہوئی ہے ان سے بھی منع ہو جاتی تو چونکہ خدا نے محرمات ابدیہ کے تفصیلی ذکر میں ان کو ذکر نہیں کیا تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں صاف طور پر فرما رہا ہے أُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ یعنی ان بیان شدہ عورتوں کے علاوہ ہر قسم کی عورتیں تم پر حلال ہیں۔

maablib.org

پاره ۵

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برّ صغیر
maablib.org

وَالْمُحْصَنٰتُ ۔ اس کا عطف پیچھے ہے یعنی جو عورتیں مرد پر حرام ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شادی شدہ یعنی منکوحہ عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا جب تک کہ پہلا شوہر اسے اپنی قید نکاح سے آزاد نہ کردے اور اس کی عدت نہ گذر جائے یا پہلے کی موت کے بعد اس کی عدت گذر جائے ۔ اگر کوئی شخص منکوحہ عورت سے زنا کا مرتکب ہو جائے تو وہ عورت اپنے شوہر سے آزاد ہونے کے بعد بھی اس کے نکاح میں نہیں ہو سکتی اور اس پر حرام موبد ہو جاتی ہے ، بلکہ عدت کے اندر زنا کرنے سے بھی وہ حرام ہو جاتی ہے

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ
اور (شادی شدہ عورتیں، مگر وہ جن کے مالک ہوں تمہارے ہاتھ یہ فرض اللہ کا ہے

عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ
تم پر اور حلال کی گئیں تمہارے لئے وہ جو ان کے علاوہ ہیں کہ طلب کرو بذریعہ اپنے مال کے

مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ
شادی کے لئے نہ زنا کے لئے پس جو متعہ کرو بذریعہ مال کے عورتوں سے

فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا
تو دو ان کو ان کے اجر (حق مہر) فرضی طور پر اور نہیں گناہ تم پر اس میں جو باہمی

تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
رضامندی سے طے کرو بعد مقرر شدہ کے تحقیق اللہ

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○
علیم حکیم ہے

نکاح متعہ

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ ۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ اس جگہ استمتاع سے مراد نکاح متعہ ہے اور وہ نکاح جو مہر معلوم کے ساتھ مدت معلوم تک کے لئے کیا جائے ۔ آیت مجیدہ میں اس جگہ نکاح متعہ کا مراد ہونا مسلمات میں سے ہے کیونکہ یہ سورہ مدینہ ہے اور اس دور میں مسلمانوں میں متعہ کا عام رواج تھا اور عامی و خاصی تمام روایات اس کو متفق طور پر تسلیم کرتی ہیں چنانچہ فخر الدین رازی نے بھی تفسیر کبیر جلد ثالث مطبوعہ مصر ص ۱۹۶ پر تسلیم کیا ہے کہ واقعی یہ آیت نکاح متعہ کے جواز پر دلالت کرتی ہے ۔ اور اس میں ہمارا کوئی انکار نہیں ۔ البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم بعد میں منسوخ ہو چکا ہے ۔ اور اس کے نسخ کے قائل بعض کہتے ہیں کہ دوسری آیات قرآنیہ اس کی ناسخ ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ احادیث نبویہ اس کی ناسخ ہیں ۔ جو لوگ آیات قرآنیہ کو ناسخ قرار دیتے ہیں ان میں باہمی زبردست اختلاف ہے ۔

بعض کہتے ہیں کہ آیت طلاق اس کی ناسخ ہے کیونکہ بالعموم عورتوں کی علیحدگی کی صورت طلاق سے ہوتی ہے اور نکاح متعہ

ہیں طلاق نہیں پس منسوخ ہے۔ بعض کہتے ہیں آیتِ میراث اس کی ناسخ ہے کیونکہ زوجہ مرد کی وارث قرار دی گئی ہے اور متعہ میں ایسا نہیں ہوتا پس منسوخ ہے۔ اور بعض آیت عدد سے جس میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ چار عورتوں تک نکاح کی اجازت ہے اور متعہ اس سے خارج ہے وغیرہ۔ لیکن تامّل و غور کرنے کے بعد صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات میں سے کوئی نکاح متعہ کے لئے ناسخ نہیں ہو سکتی۔ قطع نظر اس سے کہ قائلینِ نسخ خود ایک دوسرے سے اتفاق نہیں رکھتے کہ کس آیت کو ناسخ قرار دیا جائے۔ اسی طرح سنّت سے نسخ کے قائل بھی متفق نہیں ہیں بلکہ بعض کہتے ہیں فتح خیبر کے سال اور بعض کہتے ہیں فتح مکہ کے وقت اور بعض حجۃ الوداع کے موقعہ پر نکاح متعہ کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں اور علاوہ بریں خبرِ واحد حکمِ قرآنی کی ناسخ نہیں ہو سکتی بلکہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ اخبار کو قرآن کے سامنے رکھا جائے جو کتاب اللہ کے موافق ہو وہ قابلِ عمل ہے ورنہ مردود۔ تو دریں حالات کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ اس قسم کی اخبار کو لے کر حکم قرآنی کا ناسخ قرار دیا جائے جو ایک عرصہ دراز تک معمول رہا ہو اور تواتر سے اس پر عمل ثابت ہے۔

چنانچہ علامہ فخر الدین رازی اسی مقام پر قائلینِ متعہ کے استدلال کو اس طرح نقل کرتے ہیں (اس میں شک نہیں کہ متعہ اسلام میں جائز تھا البتہ اس کے منسوخ ہونے میں شک ہے تو ہم کہیں گے کہ اس کا نسخ تواتر سے ثابت ہے یا خبرِ واحد سے اگر تواتر سے ثابت ہوتا تو حضرت علیؑ اور ابن عباس جیسے بزرگوار کیسے اس سے بے خبر رہتے؟ اور اگر خبرِ واحد سے نسخ مانا جائے تو غلط ہے کیونکہ حکم متعہ کا ثبوت قطعی ہے اور خبرِ واحد ظنی ہوا کرتی ہے اور قطعی کو ظنی کے ذریعہ سے منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔

نیز جن روایات میں ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے یوم خیبر متعہ کی حرمت کا حکم دیا تھا وہ اس لئے ناسخ نہیں بن سکتی کیونکہ اکثر روایات میں یہ ہے کہ حضورؐ نے حجۃ الوداع یا فتح مکہ کے وقت متعہ کی حلّیت کا فرمان صادر کیا تھا۔

نیز حضرت عمر کا کہنا ہے کہ دو متعے جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں جائز تھے اور میں ان کو حرام قرار دیتا ہوں ایک متعہ حج اور دوسرا متعہ نساء گویا ان کا صاف اقرار ہے کہ رسالتمآبؐ کے زمانہ میں یہ حلال تھا اور منسوخ نہ تھا اور میں ہی اس کو منسوخ کر رہا ہوں اور عمران بن حصین نے یہی دلیل پیش کی تھی جب اس پر متعہ کے متعلق اعتراض کیا گیا تھا کہ حضرت رسالتمآبؐ نے ہمیں متعہ کا حکم دیا تھا اور ہم کرتے رہے اور آخر تک آپ نے منع نہ فرمایا۔ پھر ایک شخص نے اپنی مرضی سے جو چاہا کر دیا یعنی حضرت عمر نے ہی اس سے منع کیا ہے (ملخصاً)

علامہ رازی نے ان روایات اور اعتراض کو بلا جواب چھوڑ دیا۔ گویا دبی زبان سے دلائلِ جوازِ متعہ کو تسلیم کر لیا لیکن آخر میں یہ کہہ دیا کہ چونکہ حضرت عمر نے صحابہ کے سامنے متعہ کی حرمت کا اعلان کیا اگر یہ منسوخ نہ ہو چکا ہوتا تو صحابہ پر اس سے جہاد کرنا واجب تھا اور چونکہ انہوں نے چپ اختیار کر لی لہٰذا حضرت عمر کا کہنا درست ہے۔ اور یہ اس سے کاشف ہے کہ حضورؐ نے ضرور منع کیا ہو گا۔ (ملخصاً)

تفسیر میزان میں کنز العمال سے منقول ہے کہ ایک شخص شام سے مدینہ میں وارد ہوا اور ایک عورت سے متعہ کر کے کچھ مدت مقیم رہا بعد میں حضرت عمر کو اطلاع ہوئی تو اس کو بلوایا گیا اور پوچھا گیا کہ کیا تو نے ایسا کیا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ سوال کیا گیا

کہ تو نے ایسا کیوں کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہم نے جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں کیا ہے اور کرتے رہے ہیں اور حضورؐ نے تادم وفات منع نہیں فرمایا، پھر حضرت ابوبکر کے زمانہ میں بھی کرتے رہے ہیں اور آپ کے دورِ خلافت میں بھی آج تک ہو رہا ہے اور آپ نے منع نہیں کیا تو حضرت عمر نے قسم کھا کر فرمایا کہ اگر اس سے پہلے میں منع کر چکا ہوتا تو ضرور تجھے سنگسار کرتا۔ نیز حرمتِ متعہ کو جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اولیاتِ عمر میں سے لکھا ہے اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے حرام نہ تھا ورنہ متعہ کی حرمت اولیاتِ عمر سے کیوں کر بن سکتی۔

صحیح مسلم اور مسند احمد سے بروایتِ عطا منقول ہے کہ جابر بن عبداللہ عمرہ کے لئے آیا تو ہم اس کے پاس جمع ہو گئے، پس لوگوں نے مختلف موضوعات پر کلام کرنے کے بعد متعہ کی بحث کو چھیڑا تو جابر نے جواب دیا کہ ہم جناب رسالتمآبؐ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانہ میں خود کرتے رہے ہیں۔ ایک اور روایت میں جابر سے مروی ہے کہ ہم نے رسالتمآبؐ کے زمانہ اور حضرت ابوبکر کے زمانہ اور حضرت عمر کے نصف دورِ خلافت تک متعہ کیا ہے اور اس کے بعد حضرت عمر نے منع کیا ہے۔

محاضراتِ راغب سے منقول ہے کہ عبداللہ بن عباس چونکہ متعہ کے جواز کا فتویٰ دیا کرتے تھے تو عبداللہ بن زبیر نے ابن عباس پر اس بارہ میں طعن کیا تو ابن عباس نے کہا کہ اپنی ماں سے دریافت کرو چنانچہ جب اس نے اپنی ماں سے دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے تجھے متعہ سے جنا تھا (عبداللہ بن زبیر کی والدہ حضرت ابوبکر کی صاحبزادی تھی اور حضرت عائشہ کی بہن تھی اور اس کا حضرت زبیر (جو عشرۂ مبشرہ میں سے شمار ہوتا ہے) سے متعہ تھا اور اسی سے حضرت عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے تھے۔

نیز صحیح ترمذی میں بھی ہے ایک شخص نے ابن عمر سے متعہ کے متعلق سوال کیا تو اس نے جواز کا فتویٰ دیا تو سائل نے کہا کہ تیرا باپ تو حرمت کا حکم دیتا ہے۔ اس کے جواب میں ابن عمر نے کہا کہ جس چیز کو جناب رسالتمآبؐ نے سنّت قرار دیا ہو اگر میرا باپ اس سے روکے تو کیا تم سنّتِ رسولؐ پر عمل کرو گے یا میرے باپ کا کہا مانو گے؟

پس روایات صاف بتلاتی ہیں کہ نکاحِ متعہ نہ کتاب سے منسوخ ہے نہ سنّت سے بلکہ حضرت عمر ہی نے اس کو حرام قرار دیا تھا اور متعہ کرنے والوں کو سنگسار کرنے کی دھمکی دی تھی۔

تفسیر میزان میں مستدرک حاکم سے مروی ہے کہ ابونضرہ کہتا ہے میں نے ابن عباس کے سامنے آیتِ متعہ تلاوت کی تو ابن عباس نے کہا فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی، راوی کہتا ہے ہم تو ایسا نہیں پڑھا کرتے تو ابن عباس نے کہا خدا کی قسم اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ غالباً مقصد یہ ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں اس آیت کو اس تفسیر کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور جبرئیل اس کا یہی مطلب لے کر آیا تھا۔ بہرکیف منصف مزاج انسان کے لئے تو ان روایات کے دیکھنے کے بعد کوئی شک و شبہ کی گنجائش تک نہیں رہتی کہ متعہ جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں جائز اور مروّج تھا اور قطعاً منسوخ نہیں ہوا تھا لہٰذا آپ کے بعد کسی آپ کے جانشین کو حق نہیں پہنچتا کہ شریعتِ مقدسہ کے کسی حکم میں ترمیم یا تنسیخ کرے۔ اور اسی بنا پر تو حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ عمر نے متعہ کو حرام نہ کیا ہوتا تو کوئی بدنصیب ہی زنا کا مرتکب ہوتا اور اس روایت کو

تفسیر کبیر میں محمد بن جریر طبری کی تفسیر سے نقل کیا گیا ہے۔

متعہ کے جواز بلکہ سنّت ہونے کے متعلق اہلبیت اطہار علیہم السلام سے احادیث بحد تواتر موجود ہیں اور شہید ثانی اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ تقیہ کے پیش نظر ہماری احادیث میں بسا اوقات اختلاف رونما ہو جایا کرتا ہے لیکن متعہ کا حکم اگرچہ باقی فرق اسلامیہ میں سے شیعہ کا امتیازی فتویٰ ہے لہٰذا اس بارے میں احادیث میں اختلاف کا ہونا بعید نہ تھا اور بایں ہمہ ایک حدیث بھی آئمہ الطاہرین علیہم السلام سے ایسی منقول نہیں جس میں متعہ کی حرمت کا فتویٰ دیا گیا ہو۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ:- بروایت تفسیر عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے۔ اگر متعہ کی میعاد ختم ہو جائے اور زن و مرد اس کو بڑھانا چاہیں تو مرد مہر کو بڑھا دے اور عورت مدّت کی زیادتی کی اجازت دے پس مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ کا مطلب یہ ہے کہ مدت ختم ہو جانے کے بعد ہر دو کی رضامندی سے مہر اور مدّت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ البتہ متعہ کی حرمت کا فتویٰ دینے والے ایک عذر پیش کرتے ہیں کہ جس وقت جناب رسالتمآبؐ نے متعہ کی اجازت دی تھی اس وقت ضرورت لاحق تھی یعنی صحابہ گھروں سے دور ہونے کی وجہ سے مزید صبر نہیں کر سکتے تھے پس اس ضرر کو رفع کرنے کے لئے یہ حکم عارضی طور پر دیا گیا اور بعد میں منع کیا گیا اس کا جواب صاحب تفسیر میزان نے یوں دیا ہے کہ اگر متعہ کو زنا سے تعبیر کیا جائے تو کیا ایسی صورتوں میں زنا کی اجازت دی جا سکتی ہے؟ اور نیز کیا جناب رسالتمآبؐ کے دور کے بعد وہ ضرورت برطرف ہو گئی تھی جبکہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کی فوجیں مشرق سے مغرب تک جایا کرتی تھیں اور کافی عرصہ کے لئے مجاہدین کو گھروں سے غائب رہنا پڑتا تھا اور نیز حضرت عمر کی ابتدائی خلافت اور اس کے آخری حصہ میں ضرورت کسی طرح تبدیل ہو گئی؟

اور پھر زمان حاضر میں ضرورت کا جائزہ لیجئے جب کہ جذبات شہوانیہ کے مظاہرے ناموس انسانیت کو داغدار کر رہے ہیں اور دن بدن روز افزوں ترقی پر ہیں یہاں تک کہ نوجوان طبقہ میں بدکاری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ خدا کی پناہ یہ زنا اور لواطہ کیوں ہمہ گیر ہو رہا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ زیادہ شادیاں کرنا بعض ملکوں میں تو قانوناً ممنوع ہیں اور جہاں ممنوع نہیں وہاں نکاح دائمی کے اخراجات کے بوجھ برداشت کرنے کی طاقت کم ہے یا ایسی رکاوٹیں موجود ہوتی ہیں مثلاً تحصیل علم یا ملازمتیں وغیرہ کہ انسان شادی نہیں کر سکتا پس جذبات کے مقابلہ سے عاجز ہو کر زناکاری اور لواطہ کو ہی باعث تسکین کر لیا جاتا ہے۔

ان ضروریات کے پیش نظر اگر متعہ جائز ہوتا تو کیوں یہ بدکاری ہمہ گیر طوفان بن کر اہل عالم پر چھا جاتی۔

نیز یہ اعتراض بھی ہوتا ہے کہ عورت و مرد کی ازدواجی زندگی صرف نسل انسانی کو برقرار رکھنے کیلئے ہے نہ کہ خواہشات کا انسداد کرنے کے لئے اور نکاح متعہ چونکہ صرف جذبات شہوانیہ کی تسکین کے لئے ہوتا ہے للہٰذا یہ غرض خلقت کے منافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی احکام شرعیہ مصلحتوں کے ماتحت ہوا کرتے ہیں اور نکاح کی مصلحت حقیقہ ہے نسل انسانی کو برقرار رکھنا لیکن اس سلسلہ کو جاری کرنے کے لئے جب تک عورت و مرد میں ایک دوسرے کی طرف کشش نہ ہو یہ خواب کیوں کر شرمندہ تعبیر ہو پس خداوند کریم نے عورت و مرد میں کشش پیدا کرنے کے لئے ان کو اپنی حکمت تامہ کی رُو سے

قوّتِ شہوانیہ عطا فرمائی تاکہ ان کا باہمی جذب سلسلۂ نسلِ انسانی کی بقاء کا پیش خیمہ ہو۔ پس فطری طور پر انسان بقاءِ نسل کی طرف اقدام کرتا ہے لیکن شہوانی کشش کے ماتحت ورنہ اگر یہ کشش نہ ہوتی تو قطعاً یہ غرض پوری نہ ہو سکتی دیکھئے نکاح سنّت ہے اور خداوند کریم کی طرف سے انسان پر عائد شدہ احکام واجبات و محرمات جن کو شریعت مقدسہ نے رائج فرمایا ہے۔ کس قدر زیادہ ہیں اور انسان اور خصوصاً مسلمانوں کا طبقہ ان پر کس حد تک عمل پیرا ہے؟ اور یہ اس لئے کہ ان پر عمل کرنے سے انسان کو لذّت نہیں آتی اور جن چیز دل میں نفس لذّت محسوس کرتا ہے خواہ ان کو خدا حرام بھی کہے ان سے باز نہیں آتا۔ اور نکاح باوجودیکہ سنّت ہے لیکن چونکہ اس میں لذّت ہے اس لئے اس کی طرف خوشی سے بلکہ لڑ بھڑ کر اقدام کرتا ہے۔ بلکہ اس راہ میں ہزار رکاوٹیں ہوں تب بھی ان کے دفع کرنے کے لئے ہمہ تن تیار ہوتا ہے بلکہ اس کی خاطر جان و مال تک کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ پس یقینی بات ہے کہ اگر خواہش و شہوت نہ ہوتی نسلِ انسانی کی برقراری کی غرض صرف عورت و مرد کی خلقت سے پوری نہیں ہو سکتی تھی۔

پس عورت و مرد کی ازدواجی زندگی صرف نسلِ انسانی کی بقا کے لئے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ انسان حیوانیت کی ہمجنسیت سے بچ سکے اور افراط و تفریط سے یکسو ہو کر تمدّنِ انسانی کا ضامن ہو جس کے لازمی نتیجہ میں نسلِ انسانی کی بقاء سے زمین آباد ہو اور عالم سکون و اطمینان کا گہوارہ ہو۔ پس خواہشات کا پورا کرنا غرضِ خلقتِ انسانی کے منافی نہیں ہاں ان کی آوارگی اور بے راہ روی منافی فطرت بھی ہے اور مصادمِ غرض بھی۔

یہ ضروری نہیں کہ ہر شادی کرنے والا جوڑا صاحبِ اولاد ہو تو کیا ایسی صورت میں ان کا شادی کرنا ناجائز قرار دیا جائے کیوں کہ ان کی شادی سے نسلِ انسانی پر کچھ اثر نہیں پڑتا اسی طرح بانجھ عورت سے شادی کرنا اور اسی قسم کی ہزاروں شقیں سامنے لائی جا سکتی ہیں۔ بہر کیف شہوت کی تکمیل حرام نہیں بلکہ تکمیلِ شہوت میں بے راہ روی اور آوارگی شریعتِ مقدسہ نے ناجائز قرار دی ہے۔ بنا بریں نکاحِ متعہ کو شریعت مقدسہ نے اسی آوارگی اور بے راہ روی کے سدِ باب کے لئے ایجاد کیا تھا جبھی تو مولائے کائنات فرمایا کرتے تھے۔ اگر متعہ کو حرام نہ کیا گیا ہوتا تو کوئی بدنصیب ہی بدکاری کا مرتکب ہوتا۔ بس اس باب میں اتنا لکھنا کافی ہے اس کے بعد یہ سمجھنا ضروری ہے کہ متعہ انہی عورتوں سے ہو سکتا ہے جن سے نکاح دائمی ہو سکتا ہے اور متعہ کی مدّت ختم ہو جانے کے بعد اس کو بڑھایا بھی جا سکتا ہے۔ مدّت ختم ہو جانے کے بعد عورت کے لئے طلاق کی نصف عدت تک انتظار کرنا ضروری ہے اس کے بعد وہ کسی دوسرے سے نکاح متعہ یا نکاح دائمی کر سکتی ہے۔ نیز متعہ کی اولاد اس مرد کی صحیح اولاد ہو گی اور وہ اپنے ماں باپ کی وارث ہو گی جس طرح دوسری اولاد وارث ہوا کرتی ہے۔ نیز متعہ کے صیغے نکاح کے صیغوں کی طرح پڑھے جاتے ہیں اور مجبوری کی صورت میں ان کے اپنی زبان میں ترجمہ سے بھی متعہ ہو سکتا ہے اور متعہ میں تعداد کی کوئی پابندی نہیں حتّٰی کہ اگر چار منکوحہ عورتیں گھر میں ہوں تب بھی ایک یا زیادہ عورتوں سے متعہ کیا جا سکتا ہے۔

وَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ: یعنی اگر آزاد عورت کے حق مہر اور اخراجات کا بوجھ نہ برداشت کر سکو تو کنیزوں سے شادی کر لو کیونکہ ان کے مہر و اخراجات میں تخفیف ہوتی ہے یعنی دوسروں کی کنیزوں سے انکی اجازت کے ماتحت ورنہ اپنی کنیز تو بغیر نکاح کے حلال ہوا کرتی ہے اور شرط یہ ہے کہ کنیز بھی مومن ہو معلوم ہوا کہ کافرہ سے نہیں ہو سکتا۔

وَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ مِنۡکُمۡ طَوۡلًا اَنۡ یَّنۡکِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ

اور جو نہ طاقت رکھے تم سے مال کی کہ نکاح کرے پاک دامن مومن عورتوں سے تو ان

فَمِنۡ مَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ مِّنۡ فَتَیٰتِکُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَاللّٰہُ

سے کہ مالک ہوں تمہارے ہاتھ کنیزیں مومنہ اور اللہ خوب جانتا

اَعۡلَمُ بِاِیۡمَانِکُمۡ ؕ بَعۡضُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَانۡکِحُوۡہُنَّ بِاِذۡنِ

ہے تمہارا ایمان کہ تمہارا بعض بعض سے ہے پس ان سے نکاح کرلو ان کے

اَہۡلِہِنَّ وَاٰتُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ مُحۡصَنٰتٍ

مالکوں کی اجازت سے اور دو ان کو ان کے مہر ساتھ نیکی کے جو پاک دامن

غَیۡرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ

ہوں نہ ظاہر بدکار اور نہ بنانے والی ہوں پوشیدہ یار پس جب شادی شدہ

فَاِنۡ اَتَیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ فَعَلَیۡہِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَی الۡمُحۡصَنٰتِ

ہو جائیں تو اگر کریں بدکاری تو ان پر آدھی ہوگی اس کی جو (آزاد) شادی شدہ

مِنَ الۡعَذَابِ ؕ ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ الۡعَنَتَ مِنۡکُمۡ ؕ وَاَنۡ

عورتوں پر ہے سزا یہ (کنیزوں سے شادی) اس کے لئے ہے جو ڈرے زنا سے تم میں سے

تَصۡبِرُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝۲۵

اور اگر صبر کرو تو تمہیں اچھا ہے اور اللہ غفور رحیم ہے۔

بَعۡضُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ۔ اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ تم سب بنی آدم ہو اور ایک ہی جنس سے ہو۔

یا یہ کہ تم سب آپس میں ایمانی بھائی ہو لہذا کنیزوں سے شادی کرنا عار نہ سمجھو۔

وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ۔ عرب جاہلی میں بعض لوگ ایسے تھے جو اعلانیہ زنا کو گناہ سمجھتے تھے اور خفیہ زنا کو وہ جائز جانتے تھے۔ اس لئے خداوند کریم نے دونوں کو الگ الگ ذکر کر کے منع فرمایا نہ وہ مسافحات ہوں یعنی علانیہ زنا کرنے والی اور نہ متخذات اخدان ہوں یعنی خفیہ یار رکھنے والیں۔

نِصۡفُ مَا عَلَی الۡمُحۡصَنٰتِ۔ یعنی اگر آزاد منکوحہ عورت زنا کرے تو اس کی سزا کی نصف سزا کنیز منکوحہ کو دی جائے گی اگر زنا ثابت ہو جائے یعنی پچاس کوڑے۔

لِمَنۡ خَشِیَ الۡعَنَتَ: یعنی اگر غلبہ شہوت سے مجبور ہو کر زنا میں پڑنے کا ڈر ہو تو کنیزوں سے شادی کرے ورنہ اگر صبر کر سکے تو اور زیادہ بہتر ہے

maablib.org MAAB 1431

رکوع ۲

يُرِيدُ اللّٰهُ :- یعنی خدا چاہتا ہے کہ گذشتہ نیک لوگوں کے طریق پر چلو تاکہ جس طرح وہ انجام کار خدا کی رحمت سے واصل ہوئے۔ اسی طرح تم بھی انہی جیسی نعمات حاصل کرو لیکن خواہش پرست لوگ تمہیں خدا کی رحمت سے دور کرنے پر آمادہ ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تم خدا کی حدود شکنی کر کے مستحق عذاب ہو جاؤ۔

أَنْ يُخَفِّفَ :- یعنی آزاد عورتوں سے نکاح نہ کر سکنے کی صورت میں اس نے کنیزوں سے نکاح کر لینے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ انسان کمزور ہے اور وہ صبر نہ کر سکے گا۔ یا یہ کہ تمہارے گناہوں کے بعد اس نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے کیونکہ وہ انسان کی کمزوریوں کو جانتا ہے۔

بِالْبَاطِلِ :- مجمع البیان

اس سے مراد سود خوری، جوا، دھوکا اور ظلم ہیں اور یہی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ

چاہتا ہے خدا کہ بیان کرے تمہارے لئے (احکام) اور بتائے رستے ان لوگوں کے جو تم سے

قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝٢٦ وَاللّٰهُ

پہلے تھے اور رجوع رحمت کرے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور اللہ

يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۖ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ

چاہتا ہے کہ تم پر رجوع رحمت کرے اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو پیچھے پڑتے ہیں

الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ۝٢٧ يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ

شہوتوں کے یہ کہ تم کج روی کرو زیادہ۔ چاہتا ہے اللہ کہ تخفیف

يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ۝٢٨ يَا أَيُّهَا

کرے تم سے اور پیدا ہوا ہے انسان کمزور اے ایمان والو

الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا

نہ کھاؤ ایک دوسرے کے مال آپس میں غلط طریقے سے مگر یہ کہ تجارت

أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا

ہو باہمی رضامندی تمہاری سے اور نہ قتل کرو آپس میں

أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝٢٩

تحقیق اللہ تم پر رحم کرنے والا ہے۔

لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ :- یعنی خدا کی نافرمانی سے اپنے نفسوں کو ہلاک نہ کرو یا بعض بعض کو قتل نہ کرو۔ اور قتل نفس سے باز رکھنے

کا حکم خدا کا رحم ہے ورنہ اگر اس کی منع نہ ہو تو انسان بلکہ انسانیت تباہ ہو جائے گی۔

گناہانِ کبیرہ سے بچنے کا حکم

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس کے متعلق خداوند کریم نے قرآن کریم میں جہنم کی وعید کی ہے اور دنیا میں اس کے لئے حد مقرر فرمائی ہے اور ابن عباس سے منقول ہے کہ ہر وہ چیز جس سے خدا نے منع فرمایا ہے اس کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے۔ صاحب مجمع البیان فرماتے ہیں ہمارے علماء کا مسلک یہی ہے کہ گناہ سب کبیرہ ہیں لیکن چونکہ بعض بعض سے اکبر ہیں اس لئے ان کو صغیرہ و کبیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نیز آیت کا ترجمہ کیا گیا ہے کہ اگر تم گناہانِ کبیرہ سے باز رہو گے جو نکاح میراث اور یتیموں کے اموال اور سود خوار وغیرہ کے متعلق اسی سورہ میں بیان کئے جاچکے ہیں تو اس سے پہلے کی اس قسم کی تمہاری برائیاں معاف کردی جائیں گی اسی بناء پر ابن مسعود سے منقول ہے کہ اس سورہ میں اوّل سے لے کر آیت ۳۱ تک جن چیزوں سے خدا نے منع فرمایا ہے ان کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور علامہ طبرسی نے اسی کو پسند فرمایا ہے۔ لیکن میرے خیال میں اس کو مخصوص کرنے کی ضرورت نہیں جب کہ آیت کے عمومی الفاظ بھی اس سے انکاری ہیں۔ پس مقصد یہ ہوا کہ اگر انسان گناہانِ کبیرہ سے رک جائے تو اس کے گناہانِ صغیرہ معاف کر دیئے جائیں گے تو بہتر ہوگا اور روایات ائمہ بھی اس کی مؤید ہیں۔ ہاں علامہ طبرسی کے نزدیک چونکہ گناہ سب کبائر ہیں اس لئے انہوں نے شائد اس معنے کو اختیار نہ فرمایا ہو۔ لیکن وہ بھی اپنے مقام پر گناہوں میں فرق تو کرتے ہیں اور معنی ان کے مختار کے مطابق بھی اسی نہج پر ہو سکتا ہے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ

اور جو ایسا کرے ازراہِ سرکشی و ظلم تو عنقریب اس کو جلائیں گے ہم دوزخ میں

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا

اور یہ اللہ پر آسان ہے اگر بچو گناہانِ کبیرہ سے جن سے

تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا

منع کئے گئے ہو تو ہم دور کر دیں گے تم سے برائیاں تمہاری اور داخل کریں گے پاکیزہ

كَرِيْمًا ۝ ۳۱

جگہ میں

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے گناہانِ کبیرہ کی فہرست یہ نقل کی گئی ہے کہ عمرو بن عبید البصری نے آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی اور چپ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا خاموش کیوں ہوا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ حضور گناہانِ کبائر میں معلوم

کرنا چاہتا ہوں پس آپ نے فرمایا ⑩ سب کبائر سے اکبر گناہ ہے شرک کرنا چنانچہ اس کے متعلق فرماتا ہے وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ۔ جو شرک کرے گا اس پر اللہ نے جنت حرام کی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے ② اللہ کی رحمت سے ناامیدی چنانچہ فرماتا ہے لَا يَيْاَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ③ اللہ کی گرفت سے بے خوف ہونا فرماتا ہے لَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ④ والدین کی نافرمانی ⑤ نفسِ محترم کا قتل ⑥ پاک دامن شادی شدہ عورتوں کو زنا کی تہمت دینا ⑦ یتیم کا مال کھانا ⑧ جہاد سے بھاگنا ⑨ سود کھانا ⑩ جادو کرنا ⑪ زنا ⑫ جھوٹی قسم کھانا ⑬ دھوکا ⑭ زکوٰۃ ادا نہ کرنا ⑮ جھوٹی گواہی دینا ⑯ شہادتِ حق پر پردہ ڈالنا ⑰ شراب پینا ⑱ نماز ادا نہ کرنا ⑲ کوئی دوسرا فرض نہ ادا کرنا ⑳ عہد شکنی ㉑ قطع رحمی اور آپ نے ان تمام گناہوں کے اثبات میں آیاتِ قرآنیہ تلاوت فرمائیں جن کو ہم نے اختصار کے پیش نظر چھوڑ دیا ہے پس جب عمرو بن عبید بصری نے سُنا تو چیخیں مارتا ہوا باہر نکلا اور یہ کہہ رہا تھا کہ جو شخص اپنی رائے سے کچھ کہے یا آپ سے فضل میں برابری کا دعویٰ کرے تو وہ ہلاک و برباد ہے۔ تفسیر برہان میں فقیہ سے منقول ہے کہ امام رضا علیہ السلام سے حاکمِ جابر کی ملازمت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے سلیمان راوی حدیث سے فرمایا (۲۲) اے سلیمان ان کے اعمال میں داخل ہونا۔ ان کی امداد کرنا اور ان کی حوائج میں جدوجہد کرنا کفر کے برابر ہے ㉓ اور ان کی طرف عمداً نگاہ اٹھا کر دیکھنا گناہِ کبیرہ ہے جس سے انسان دوزخ کا سزاوار ہو جاتا ہے دممکن ہے اس کے مصادیق اس زمانہ کے سلاطین بنی عباس ہوں جو آئمہ اہلبیتؑ اور جملہ سادات بنی فاطمہ کے قتل و آزار کے لئے ہر وقت آمادہ تھے پس چونکہ ان کے کاروبار میں شریک ہونا اور ان کی امداد کرنا قتلِ آئمہ اور ایذاء سادات میں شرکت کا موجب تھا اس لئے معصوم نے اسے کفر سے تعبیر فرمایا۔ واللہ اعلم) ایک روایت میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے ㉔ مطلق نشہ اور مستی گناہِ کبیرہ ہے ㉕ اور اسی طرح وصیت میں باقی ورثاء پر زیادتی کرنا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت فقیہ اور تہذیب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تمام گناہان کبیرہ میں سے اکبر کل سات ہیں ① شرک ② قتلِ نفس ③ مال یتیم کا کھانا ④ والدین کی نافرمانی ⑤ پاکدامن عورت پر تہمت ⑥ جنگ سے فرار ⑦ اللہ کی نازل کردہ چیز کا انکار۔ ● شرک کے متعلق تو تم لوگ سن چکے ہو کہ کیا کچھ خدا اور رسول نے ہمارے حق میں فرمایا لیکن لوگوں نے اس بارے میں خدا و رسولؐ کو جھٹلایا (پس وہ شرک کے مرتکب ہوئے) ● قتلِ نفس کے بارے میں امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کا قصہ اظہر من الشمس ہے ● یتیم کا مال سو ہم یتیم ہیں اور ہمارا مال فئے ہضم کیا گیا ● والدین کی نافرمانی۔ تو رسول بفرمان خدا امت کا باپ تھا تو اس کی ذریت کے حق میں اس کی نافرمانی کی گئی ● پاک دامن پر تہمت۔ سوانہوں نے جناب فاطمہؑ کے متعلق منبروں پر بہت کچھ کہا ● جہاد سے فرار۔ تو حضرت امیر علیہ السلام کی بیعت کر کے فرار کر گئے ● خدا کی نازل کردہ اشیاء کا انکار تو ہمارا حق ہے جس کا انکار کیا گیا۔ اور یہ وہ گناہ ہیں جن سے کسی کو معاف نہ کیا جائے گا اور پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی مقصد یہ ہے کہ جو شخص ان گناہوں سے بچ جائے۔ اس کے باقی گناہ عفو کے قابل ہوا کرتے ہیں لیکن ان کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ صرف اہلبیتِ عصمت کی ولایت و محبت کافی ہے اور باقی اعمال کی ضرورت نہیں ورنہ ایسے لوگوں سے آئمہ الطاہرینؑ بری الذمہ ہیں

چنانچہ ہم نے تفسیر کی جلد اول میں بھی اس کی کافی وضاحت کی ہے۔ پہلی روایت میں جن گناہانِ کبیرہ کا ذکر تھا وہ تھی آیت مجیدہ کی ظاہری تفسیر اور آخری حدیث میں گناہانِ کبیرہ کے جن افراد اور ان کے ارتکاب کرنیوالوں کا تذکرہ ہے۔ اس سے مراد ہے آیت مجیدہ کی باطنی تاویل۔ اور قرآن کے ظاہر پر جس طرح عمل کرنا واجب ہے اسی طرح قرآن کے باطن پر بھی ایمان رکھنا واجب ہے اور نیز معصوم کی اس باطنی تاویل کو صرف انہی افراد تک محدود بھی نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ تاویل کا سلسلہ تا قیامت جاری ہے اور قیامت تک کے لئے جو لوگ اس قسم کے کام کریں گے وہ بھی اسی آیۂ مجیدہ کے ماتحت گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہو کر سزاوارِ جہنم ہوں گے۔ پس وعدۂ اول کے بعض لوگوں پر آیت کو چسپاں کر کے اپنے اعمال و کردار کو فراموش کرنا شیطانی دھوکا ہے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا۔ یعنی دوسرے کے پاس مال نعمت اور خوبصورت عورت دیکھ کر یہ نہ کہنا چاہیئے کہ کاش یہ میری ہوتی کیونکہ یہ حسد ہے۔ ہاں یہ کہنا چاہیئے کہ میرے اللہ مجھے بھی اس جیسی عطا فرما۔ مجمع البیان۔ عن الصادق علیہ السلام لِلرِّجَالِ کہتے ہیں ام سلمہ نے عرض کی تھی یا رسول اللہ مردوں کے لئے جہاد ہے جو عورتوں پر نہیں اور میراث میں بھی عورت کا حصہ آدھا ہے کاش ہم مرد ہوتے تاکہ مردوں کی طرح فضیلت ہمیں ملتی۔ تو یہ آیت اتری کہ اعمال صالحہ میں سے جو مرد کمائے گا وہ مرد کو ملے گا اور جو عورت کمائے گی اس کا بدلہ عورت کو ملے گا۔ اللہ کے نزدیک جزا و سزا کے لحاظ سے عورت و مرد برابر ہیں گو یا عورت و مرد کے درمیان احکام میں جو فرق کئے گئے ہیں وہ مخلوق کی دنیاوی نظام کے قائم کرنے کے لئے مبنی بر مصلحت ہیں ورنہ بعد از مرگ جزا و سزا دونوں کی یکساں ہے

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ

اور نہ خواہش کرو اس کی کہ زیادتی دی ہے اللہ نے اس شے کی بعض کو بعض پر مردوں کے لئے ہے

نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ

حصہ اس سے جو کمائیں اور عورتوں کے لئے ہے حصہ اس سے جو کمائیں اور

وَسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ ۳۲

مانگو اللہ سے اس کی زیادتی تحقیق اللہ ہے ہر شے کو جاننے والا

وَاسْئَلُوا اللّٰهَ۔ احادیث میں مروی ہے کہ خداوندِ کریم نے ہر شخص کے لئے رزق کا ایک معیار مقرر فرمایا ہے۔ پس جو شخص اپنے رزق میں حرام کی ملاوٹ کرے اسی قدر اس کے رزق حلال سے اس کو کم دیا جاتا ہے اگر وہ شخص حرام نہ ملاتا تو اسے اپنا پورا حلال ملتا

تفسیر برہان میں بروایت ابن شہر آشوب حضرت باقر و حضرت صادق علیہما السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے حق میں اتری ہے

مَوَالِيَ۔ مولیٰ کی جمع ہے اور اس جگہ اس سے مراد قریبی اور وارث ہے چنانچہ حضرت صادق علیہ السلام سے بھی یہی منقول ہے۔

وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ۔ اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ علیحدہ ہے اور پھر اس کے معنی کے متعلق اقوال چند ہیں ○ ایامِ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ دو شخص آپس میں ہم قسم ہو کر یہ باہمی عہد کرتے تھے تیرا خون میرا خون۔ تیری جنگ میری جنگ۔ تیری صلح میری صلح اور

maablib.org

تو میرا وارث اور میں تیرا وارث ہوں گا۔ اور تو میری اور میں تیری دیت ادا کروں گا۔ پس اس صیغہ کے جاری ہونے کے بعد جب ان میں سے ایک پہلے مرتا تھا تو دوسرا اس کا حلیف اس کی جائداد میں سے ۱/۶ حصہ کا وارث قرار دیا جاتا تھا۔ پس یہ آیت اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ ان کو اپنا مقررہ حصہ دے دو لیکن اس کے بعد آیت اُولُوا الْاَرْحَامِ کے ذریعہ سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ (۲) وہ لوگ مراد ہیں کہ مدینہ میں آنے کے بعد جناب رسالتمآبؐ نے ان کے درمیان صیغۂ مواخات جاری فرمایا تھا پس وہ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے اور بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

(۳) لوگ جاہلیت کے زمانہ میں متبنّیٰ بناتے تھے جیسے کہ زید جناب رسالتمآبؐ کا متبنّیٰ تھا پس ان کے متعلق حکم تھا کہ بوقت مرگ ان کے لئے کچھ نہ کچھ وصیت کر جایا کرو اور یہ آیت اسی حکم پر عمل کرنے کا امر دھرا رہی ہے کہ انہیں اپنا حق دے دو (مجمع البیان)

یہ آیت مجیدہ بھی جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے دعویٰ فدک کی تصدیق کر رہی ہے۔ کیونکہ آیت مجیدہ کے الفاظ عمومی بیانگ دہل کہہ رہے ہیں کہ ہر شخص کے لئے وارث واقربین ہوا کرتے ہیں جو اس کے متروکہ کے مالک ہوا کرتے ہیں خواہ وہ نبی ہوں یا غیر نبی پس حدیث مفروضہ کہ نبیوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا محض جھوٹ اور بے حقیقت بہانہ تھا۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ

اور ہر ایک کے لئے بنائے ہم نے وارث اس کے جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور صاحبان قرابت اور وہ لوگ

عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى

جو تمہارے ہم قسم ہو چکے ہیں پس دو ان کو ان کا حصہ تحقیق اللہ ہر شے پر

كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝

حاضر ناظر ہے

رکوع ۳

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاۗءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ

مرد حاکم ہیں عورتوں پر بوجہ اس کے کہ فضیلت دی اللہ نے بعض کو

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ: خداوند کریم نے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا ہے اور اس آیت مجیدہ میں اس کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں ایک تو یہ کہ مرد کو عورت پر خدا نے فضیلت دی ہے۔ اور وہ علم و عقل اور عزم و تدبیر ہے کہ عورتوں میں یہ صفات بہ نسبت مرد کے یقیناً بہت کم ہوتی ہیں اور خانگی نظام میں جب تک مرد کو حاکم نہ قرار دیا جائے کبھی تدبیر منزل میں کامیابی نہیں ہو سکتی اور دوسری وجہ مرد کی حکومت کی جو خدا نے بیان کی ہے وہ ہے مرد کا خرچ کرنا یعنی عورت کے حق مہر کی ادائے گی اور اس کے بعد اس کے جملہ اخراجات بذمہ مرد کے ہوا کرتے ہیں لہٰذا حکومت کا حق بھی اسی کو ہی حاصل ہونا چاہیے۔ اس کی مزید وضاحت تیسری جلد میں ہو چکی ہے صـ ۶۳ تا صـ ۶۶ و صـ ۹۵ تا صـ ۱۰۹۔

حفظت: یعنی مرد کی غیر حاضری کے زمانہ میں بھی وہ اپنی ناموس اور مرد کے اموال کی محافظ رہتی ہیں جس طرح خداوند کریم نے

ان کے حقوق کو محفوظ فرمایا ہے کہ ان کے جملہ اخراجات کا بوجھ مردوں کے کندھوں پر رکھ دیا ہے۔

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ: یعنی جن عورتوں سے نافرمانی کے آثار نمودار ہونے لگیں اور تمہیں خطرہ محسوس ہو کہ یہ اور آگے بڑھ کر فساد کا پیش خیمہ بنیں گے تو ابھی سے ان کو نصیحت کرو۔ اگر زبانی نصیحت کارگر نہ ہو تو سونے میں ان سے یکسوئی کرو کیونکہ اگر عورت کی مرد کے ساتھ محبت ہو گی تو قطعاً اس مفارقت پر صبر نہ کر سکے گی اور اگر محبت کم ہو گی تو وہ پرواہ تک نہ کرے گی اور جب عورت اس نوبت سے آگے بڑھ جائے تو پھر اس کو سزا دے یعنی کم سزا سے رفتہ رفتہ زیادہ کی طرف قدم بڑھائے اور مارتے وقت اتنا بھی نہ مارے کہ اس کو زخمی کر دے۔

فَابْعَثُوْا حَکَمًا: مجمع البیان، اس امر کا مخاطب سلطانِ وقت ہے جس کی طرف عورت و مرد نے اپنا مقدمہ پہنچایا ہو چنانچہ صادقین علیہما السلام سے ایسا ہی مروی ہے۔

تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ سائل نے دریافت کیا کہ دو نو حکم اگر عورت و مرد سے صاف اجازت لے لیں کہ کیا تم دونوں نے اپنا معاملہ ہمارے سپرد کر دیا ہے اگر ہم چاہیں تو تمہیں ملا دیں اور اگر چاہیں تو تمہیں الگ کر دیں؟ پس عورت و مرد اجازت دے دیں اور اس پر گواہ بھی قائم ہو جائیں تو کیا اب یہ دونوں حکم عورت و مرد کے درمیان طلاق واقع کر کے ان کو جدا بھی کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں لیکن شرط یہ ہے کہ عورت حیض میں نہ ہو اور اس طہر میں عورت و مرد نے ہمبستری نہ کی ہو۔ پھر سائل نے پوچھا اگر ایک حکم ان میں جدائی کرنا چاہے اور دوسرا ان کو ملانا چاہے تو پھر؟ آپ نے فرمایا جدائی

عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ

بعض پر اور بوجہ خرچ کرنے ان کے اپنے مالوں میں سے پس نیک عورتیں اطاعت گذار ہوتی ہیں

حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ

پاسدار ہیں پیٹھ پیچھے بوجہ پاسداری اللہ کے اور جو عورتیں ڈرتے ہو تم ان کی نافرمانی سے

فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ

تو ان کو نصیحت کرو اور ان سے یکسوئی کرو سونے میں اور ان کو مارو پس اگر اطاعت کریں تو

فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ○

نہ طلب کرو ان پر کوئی راہِ الزام تحقیق اللہ بلند و بزرگ ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ

اور اگر ڈرو ان کے باہمی اختلاف سے تو بھیجو ایک مرد کے خاندان سے

وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ

اور ایک عورت کے خاندان سے اگر چاہیں گے وہ دونو اصلاح تو میل دے گا خدا

بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ○

ان دونوں کو تحقیق اللہ دانا بینا ہے۔

MAAB 1431
maablib.org

نہ ہو گی جب تک دونوں کا اتفاق جدائی پر نہ ہو۔

پس روایات معصومین علیہم السلام میں بکثرت وارد ہے کہ دونوں فیصل عورت و مرد کی تفریق کا حکم نہیں دے سکتے جب تک کہ عورت و مرد سے اجازت نہ حاصل کریں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ دونو حکم خود مختار ہیں خواہ ان میں تفریق کا فیصلہ کریں خواہ ان کو ملا دیں لیکن یہ مذہب امامیہ کے فیصلہ کے خلاف ہے جیسا کہ بعض روایات کا مضمون گذر چکا ہے۔

محمد بن مسلم نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا جب تک عورت و مرد سے اجازت نہ لیں حکمین کے لئے ان کی تفریق جائز نہیں۔ نیز زید شحام نے بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے جس کے الفاظ مثل حدیث سابق کے ہیں اور اس قسم کی بہت سی احادیث خانوادہ عصمت سے صادر ہوئی ہیں اور اجازت حاصل کرنے کے بعد وہ حکم وکیل طلاق ہو جائیں گے لہٰذا ان کی تفریق جائز ہو گی۔ اور آیت مجیدہ قرآنیہ میں صرف یہ ہے کہ وہ دونوں اصلاح کی کوشش کریں اور اگر دونوں کی نیت درست ہو گی تو ممکن ہے کہ خدا توفیق صلح دے دے۔ اب آیا عورت و مرد کے درمیان صلح نہ ہو سکے تو دونوں خود بخود ان میں طلاق کا حکم بھی نافذ کر دیں تو آیت قرآن اس سے خاموش ہے پس اس سلسلہ میں بجائے قیاس کرنے کے ناطق قرآن کے فیصلہ کو دیکھنا چاہتے اور وہ ہی قرآنی نکات کو تمام امت سے بہتر سمجھنے والے ہیں اور ان کے فرامین ذکر ہو چکے ہیں۔

مردوں کی حکومت پر ایک نظر

آیت مجیدہ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ علی الاطلاق عورتوں پر مردوں کی حکومت کا اعلان کر رہی ہے تدبیر منزل میں بھی اور سیاست مدینہ میں بھی اور عورت و مرد کی جدا جدا وضع ساخت بھی اسی کی متقاضی ہے۔ ہاں اخروی سزا و جزا میں عورت و مرد مساوی ہیں۔ اور اللہ کے نزدیک اکرم وہ ہے جو متقی ہو خواہ مرد ہو یا عورت چنانچہ تفسیر میزان میں تفسیر درِ منثور سے مروی ہے کہ ایک روز جناب رسالتمآبؐ مجمع اصحاب میں رونق افروز تھے کہ اسماء بنت یزید انصاریہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی حضور! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں صنفِ نساء کی طرف سے بصورتِ وفد خدمت بابرکت میں حاضر ہوئی ہوں اور میں جو کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں مشرق سے لے کر مغرب تک کی تمام عورتیں میری آواز سے متفق ہیں۔

آپ کو خداوندِ حکیم نے مردوں اور عورتوں کی طرف رسول بالحق بنا کر بھیجا ہے۔ پس آپ کی رسالت اور آپ کے بھیجنے والے خدا کی الوہیت پر ہمارا ایمان ہے ہم عورتیں گھروں میں پابند۔ مردوں کی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ اور تمہاری اولاد کی حامل ہیں اور تم مردوں کو جمعہ جماعت بیمار پرسی جنازہ خوانی اور حج وغیرہ کے لئے خدا نے ہم پر فضیلت دی ہے اور جہاد ایک افضل عمل ہے وہ بھی مردوں کے حصہ میں ہے لیکن جب مرد حج عمرہ اور جہاد وغیرہ کے لئے گھر سے باہر جائے تو ہم ان کے لباس کی اصلاح اور مال کی تربیت میں مصروف ہوتی ہیں تو کیا اجر میں ہم مردوں کے ساتھ شریک نہیں۔

حضورؐ یہ سنتے ہی صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا امورِ دینیہ کے متعلق تم نے کبھی کسی عورت کو اس سے بہتر سوال کرتے سنا ہے انہوں نے عرض کی نہیں حضور! ہمیں تو خیال ہی نہیں پڑتا تھا کہ کبھی کوئی عورت اس سنجیدگی سے ایسی بات کرے پس آپ اس عورت

کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے عورت تو واپس جا اور باقی عورتوں کو بھی میرا پیغام پہنچا دے کہ تم میں سے کسی عورت کا مرد کے ساتھ حسن سلوک اور اس کی امور خانہ داری میں فرمانبرداری اور رضا جوئی مردوں کے ان تمام امور خیر کے برابر ثواب رکھتی ہے۔ پس وہ عورت یہ سنتے ہی خوشی سے نعرۂ تکبیر پڑھتی اور ہنستی ہوئی واپس چلی گئی۔

بے شک اسلامی عورت ہمیشہ سے اس طریق اور دین پر کاربند رہی اور امور خانہ داری کی اصلاح اور مرد کی اطاعت کو ہی بہترین جہاد سمجھتی رہی اور کبھی عورت کو مردوں کے دوش بدوش گھر سے باہر نکل کھڑے ہونے کا خیال تک نہیں آیا اور اپنی عفت وحیا کو رونا عورت اپنے لئے منافیٔ شرافت سمجھے رہی لیکن جب سے مغرب کی جانب سے نام نہاد نسوانی آزادی کی مسموم ہوا چلی ہے۔ اس نے اپنی ہمہ گیر تباہ کن لہروں سے اسلامی عورت کو بھی متاثر کر دیا جس کی بدولت حسن اخلاق عفت اور شرم وحیا کا جنازہ نکل گیا اور مردوں نے عورتوں کی لاابجالی کو اپنی شہوت رانی اور نفس پرستی کا آلۂ کار بناتے ہوئے اس تحریک کو اور اچھالا اور ان دونوں کی آزادانہ میل جول کی حیا سوز روش نے انسانیت کے پاک وصاف چہرہ کو ایسا داغدار کیا کہ روح حیوانی بھی اپنے مقام پر دم بخود نظر آتی ہے خداوند کریم مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کی توفیق دے تاکہ ان کے ماتحت اپنے کردار کی اصلاح کر سکیں۔

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَ
اور عبادت کرو اللہ کی اور نہ شریک کرو اس کا کسی شے کو اور ماں باپ سے احسان کرو اور
بِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ
قرابت دار سے اور یتیموں اور مسکینوں اور ہمسایہ قرابت دار اور ہمسایہ
الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ
اجنبی اور پہلو کے ساتھی اور مسافر اور اپنے غلاموں کنیزوں کے ساتھ
أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ۝ ۳۶
تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا ہے اترانے والے فخر کرنے والے کو

نبی و علی امت کے باپ ہیں

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا۔ اس آیت مجیدہ کے ذیل میں تفسیر برہان میں متعدد احادیث خانوادہ عصمت سے مروی ہیں کہ جناب رسالتمآب اور حضرت علیؑ تمام امت کے باپ ہیں اور جناب رسالتمآب سے بھی مروی ہے کہ أَنَا وَعَلِيٌّ أَبَوَا هٰذِهِ الْأُمَّةِ۔ اور کتاب مناقب محمد بن جریر سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآب نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ منادی کرو جو شخص اپنے اجیر پر اجرت کے متعلق ظلم کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو اپنے مولیٰ کے علاوہ کسی اور کی ولا رکھے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو اپنے ماں باپ کو سب کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے پس حضرت امیرؑ نے منادی کی تو صحابہ کی ایک جماعت جن میں حضرت عمر بھی تھے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور منادی کے ان کلمات کی تفسیر دریافت کی آپ نے آیت مودت پڑھ کر فرمایا جو اس بارہ میں ہم پر

ظلم کرے گا وہ اللہ کی لعنت کا حقدار ہے پھر اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ الخ۔ آیت پڑھ کر حدیث غدیر مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ پڑھی اور فرمایا جو اس کی اور اس کی ذریت کی ولا چھوڑ کر کسی اور کو مولا بنائے گا اس پر لعنت ہے اس کے بعد فرمایا اَنَا وَعَلِیٌّ اَبُوْ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی میں اور علیؑ مومنوں کے باپ ہیں جو ہم میں سے ایک کو سب کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ جب باہر نکلے تو حضرت عمر نے باقی صحابہ سے فرمایا کہ غدیر خم یا دوسرے مقامات کی بہ نسبت ولاءِ علی کے متعلق حضور کا آج کا تاکیدی فرمان بہت شدید ہے۔ حسان بن ثابت کہتا ہے کہ یہ واقعہ جناب رسالتمآبؐ کی وفات سے سترہ روز پہلے کا ہے۔

وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی مدّ تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ ہمسائے تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) وہ جن کے حقوق تین ہوتے ہیں ہمسائیگی کا حق۔ قرابت کا حق اور اسلام کا حق (۲) وہ جن کے حقوق دو ہوتے ہیں ہمسائیگی اور اسلام کا حق (۳) وہ جن کا حق صرف ایک ہوتا ہے اور وہ ہے حق ہمسائیگی اور ان سب سے احسان کرنے کا حکم ہے بعض روایات میں اپنے گرد کے چالیس گھروں تک اور بعض روایات میں اپنے گھر سے ہر طرف چالیس ذراع تک حق ہمسائیگی ہوتا ہے۔

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ مدّ پہلو کا ساتھی خواہ رفیق سفر ہو خواہ زوجہ ہو خواہ کوئی دوسرا اجنبی غلام ہو اور خواہ مہمان نو وارد ہو آیت کے عموم کے لحاظ سے اس میں سب داخل ہیں اور ان سے حسن سلوک کرنے کا حکم ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ
جو بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے لوگوں کو بخل کا اور چھپاتے ہیں اس کو جو دیا ان

اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۳۷
کو اللہ نے اپنے فضل سے اور ہم نے تیار کیا ہے کافروں کے لئے عذاب ذلیل کن

وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُوْنَ
اور ان کے لئے جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال دکھلاوے لوگوں کے لئے اور نہیں ایمان رکھتے

بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ یَّكُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ
اللہ اور یوم قیامت پر اور جس کا ہو شیطان ساتھی تو وہ برا ساتھی

اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ۔ یہ آیت عام ہے اور اس کا ربط پچھلی آیت کے ساتھ ہے۔ اگر عالم علم کا بخل کرے یا کوئی صاحب نعمت اس عطا شدہ نعمت کا بخل کرے تو اس آیت کا مصداق ہو گا یعنی البیول کو خدا دوست نہیں رکھتا۔

وَیَکْتُمُوْنَ: یہ بھی عام ہے یعنی خدا کو نہیں پسند کہ وہ جسے اپنی نعمت عطا کرے وہ اسے پوشیدہ کرے خواہ علم ہو یا دولت یا کوئی اور نعمت۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ جب خدا اپنے بندے پر کوئی نعمت بھیجتا ہے تو وہ اپنے بندے پر اس نعمت کا اثر دیکھنا چاہتا ہے۔

مَاذَا عَلَیْهِمْ مدّ۔ اس سے عقیدہ جبر کا بطلان ظاہر ہے کہ خدا فرماتا ہے انہیں کیا نقصان ہے اگر ایمان لائیں تو معلوم ہوا کہ

کہ انسان ایمان لائے اور نہ لائے میں مختار ہے جبھی تو ایمان نہ لانے والوں کی مذمت فرما رہا ہے۔
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ۔ مثقال ثقل سے ہے اور اس کا معنی ہے مقدار اور ذرہ سرخ رنگ کی چھوٹی چیونٹی کو کہتے ہیں جو بمشکل نظر آتی ہے یا یہ کہ مکان میں سورج کی شعاع پڑتے وقت جو اس میں چھوٹے چھوٹے اجزاء دکھائی دیتے ہیں ان کو ذرہ کہتے ہیں یعنی خدا اس قدر بھی اپنے بندوں پر ظلم روا نہیں رکھتا۔

قَرِيْنًا ۝۳۸ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اور کیا نقصان تھا ان کو اگر ایمان لاتے اللہ اور یوم قیامت پر

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۝۳۹ اِنَّ

اور خرچ کرتے اس سے جو رزق دیا ان کو اللہ نے اور اللہ ان کو خوب جانتا ہے تحقیق

اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا

اللہ نہیں ظلم کرتا ذرہ برابر اور اگر ہو نیکی تو اس کو چند در چند کرتا

وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۴۰ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ

اور اپنی جانب سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے پس کیا حال ہوگا جب لائیں گے

كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰي هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ۝۴۱ يَوْمَىِٕذٍ

ہم ہر امت سے گواہ اور آپ کو لائیں گے اوپر ان کے گواہ اس دن

يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ

خواہش کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی رسول کی کاش ان کو برابر

الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝۴۲ع

کیا جاتا زمین سے اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات

فَكَيْفَ اِذَا۔ یعنی ہر نبی اپنی اپنی امت پر گواہ ہوگا اور حضرت رسالتمآبؐ اپنی امت پر گواہ ہوں گے۔ بلکہ اس وقت ہر انسان کے اپنے اعضاء و جوارح بھی گواہ ہوں گے اور بمطابق روایات کے زمان و مکان بھی گواہ ہوں گے اور ابن مسعود سے روایت ہے کہ جب آپ کے سامنے یہ آیت میں نے پڑھی تو آپ کے آنسو نکلے پس جب شاہد کی یہ حالت ہے کہ اس مقام کی ہولناکی کو یاد کر کے روتے ہیں تو جن کے خلاف گواہی ہوگی ان کا کیا حال ہوگا؟ مجمع البیان
تفسیر برہان میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت بالخصوص امت محمدیہ کے حق میں ہے اور ہر زمانہ میں ہم میں سے ایک امام ہوگا جو اپنے زمانہ والوں پر شاہد ہوگا اور جناب رسالتمآبؐ ہم پر شاہد ہوں گے اور حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اوصیا صراط پر موجود ہوں گے اور جنت میں ان کا عارف ہی داخل ہوگا اور فرمایا خدا نے انہی کے متعلق فرمایا ہے۔ يَعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ یعنی وہ گواہ اپنے دوستوں

کو پہچانتے ہوں گے۔ الحدیث۔

اور بروایت عیاشی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہر نبی کی امت پر اس نبی کا وصی گواہ ہوگا اور اس امت پر حضرت علی گواہ ہوں گے۔

یَوْمَئِذٍ یَوَدُّ الَّذِیْنَ: تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ جن لوگوں نے حضرت امیر علیہ السلام کو ناراض کیا وہ تمنا کریں گے کہ کاش جس دن ہم نے علیؑ کو ناراض کیا تھا اس دن ہمیں زمین نگل گئی ہوتی اور فرمان رسول کو نہ چھپایا ہوتا۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ خواہش کریں گے کہ کاش تمام اہل محشر ہمیں اپنے قدموں سے روندیں جس طرح زمین کو روندا جاتا ہے اور اس کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہول محشر اور اپنی کرتوتوں کا عذاب سامنے دیکھ کر وہ تمنا کریں گے کہ ہمیں زمین کے برابر اور زمین جیسا کر دیا جاتا اور نیز مروی ہے کہ چوپاؤں کو قیامت کے دن محشور کر کے پھر انہیں موت دے کر مٹی کر دیا جائے گا تو یہ لوگ بھی کہیں گے کاش ہمارے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا اور دائمی عذاب سے بچ جاتے۔ (مجمع البیان)

وَلَا یَکْتُمُوْنَ اللّٰہَ: اس کے معنی میں کئی قول ہیں۔ ایک معنی تو وہی ہے جو آیت کے نیچے موجود ہے اور وہ اس لئے نہ چھپا سکیں گے کہ ان کے اعضاء و جوارح بھی گواہی دے دیں گے (۲) اس کا عطف تُسَوّٰی پر ہو یعنی کاش اللہ کے ساتھ معاملہ کھرا کیا ہوتا اور منافقت نہ کی ہوتی (۳) اللہ کا دین نہ چھپایا ہوتا اور جناب رسالتمآبؐ کے فرمان پر پردہ نہ دیا ہوتا۔

رکوع ۴

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى
اے ایمان والو نہ نزدیک جاؤ نماز کے بحالت بے ہوشی
حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ
یہاں تک کہ جان سکو وہ جو کہتے ہو اور نہ حالت جنابت میں مگر یہ کہ راہ عبور کرنے والے ہو
حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ
یہاں تک کہ غسل کر لو اور اگر ہو بیمار یا سفر میں یا آیا ہو

وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى: تفسیر مجمع البیان میں امام محمد علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہاں بے ہوشی سے مراد نیند کی غشی ہے یعنی اچھی طرح ہوشیار ہو کر نماز پڑھو اور تفسیر برہان میں متعدد احادیث آئمہ طاہرین علیہم السلام سے اسی مضمون کی وارد ہیں۔

زمخشری سے ربیع الابرار میں مروی ہے کہ خداوند کریم نے شراب کی حرمت کے متعلق قرآن مجید میں تین آیات نازل فرمائیں پہلی دفعہ نازل فرمایا۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ الخ۔ تو بعض مسلمان پیتے رہے اور حضرت عمر نے بھی ایک دفعہ پیا اور اس نشہ کے عالم میں عبدالرحمن بن عوف کا سر پھوڑ دیا اور پھر بدر کے مقتولین پر بیٹھ کر نوحہ پڑھنے لگا اور اسود بن یعفر کے اشعار پڑھے جب یہ خبر حضرت رسالتمآبؐ

تک پہنچی تو غضبناک ہو کر روانہ ہوئے کہ آپ کی ردا مبارک زمین پر خط دے رہی تھی اور یہ آیت نازل ہوئی اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اِلٰی قَوْلِہٖ فَہَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَہُوْنَ۔ جب آپ نے پڑھی تو حضرت عمر نے کہا کہ بس آئندہ میں نہ پیئوں گا۔ اور تفسیر کبیر جلد ۳ میں فخر الدین رازی نے ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ افضل ترین صحابہ کی عبد الرحمن بن عوف نے دعوت کی اور شراب اس زمانہ میں جائز تھا اس نے بھی طعام کے ساتھ شراب تیار کیا چنانچہ سب نے خوب کھایا اور پیا جب حالت نشہ میں آئے تو ادھر مغرب کا وقت آپہنچا تو انہوں نے ایک کو آگے کھڑا کر دیا تاکہ امامت کے فرائض انجام دے تو اس نے قراءت میں سورۂ کافرون کی تلاوت کی اور اس طرح پڑھی۔ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَاَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ۔ تب یہ آیت اتری کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھی کرو چنانچہ اس کے بعد نمازوں کے اوقات میں شراب نہ پیتے تھے۔ اور عشاء کی نماز کے بعد شراب پی لیا کرتے تھے کیونکہ تا صبح تک اس کا نشہ اتر جاتا تھا۔ اس واقعہ کے بعد مطلقاً شراب کی حرمت کا حکم آیا۔ سبحان اللہ! جب رہبر ایسے ہوں تو مقتدیوں کا کیا مقام ہوگا۔

اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا

کوئی تمہارا پیشاب پاخانہ سے یا جماع کیا ہو عورتوں سے پس نہ پاؤ

مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْہِکُمْ

پانی تو قصد کرو زمین پاک کا پس مسح کرو اپنے منہ کا

وَاَیْدِیْکُمْ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝

اور ہاتھوں کا تحقیق اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے

تفسیر برہان میں بروایت عیاشی امام موسےٰ کاظم علیہ السلام سے حلبی نے نقل کیا ہے کہ میں نے آپ سے اسی آیت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اس بے ہوشی سے مراد نیند کی بے ہوشی ہے یعنی جب تمہیں نیند آرہی ہو اور تم اونگھ رہے ہو اور تمہیں پتہ نہ ہو کہ رکوع سجود و تکبیر وغیرہ میں کیا کچھ کہہ رہے ہو تو ایسی حالت میں نماز نہ پڑھا کرو اور اس سے وہ معنی ہرگز مراد نہیں جو لوگ کہتے ہیں کیونکہ مومن شراب نہیں پیا کرتا اور نہ مومن نشہ دار چیز استعمال کرتا ہے۔ اور اسی کی تائید حضرت عائشہ سے نقل شدہ ایک روایت بھی کرتی ہے آپ فرماتی ہیں کہ حضور نے فرمایا جب تم اونگھ رہے ہو تو نماز کو چھوڑ کر چلے جایا کرو کیونکہ شاید بے شعوری کے عالم میں اپنے لئے بددعا ہی نہ کر رہے ہو۔ بہر کیف اہلبیت عصمت سے وارد شدہ روایات میں اس جگہ بے ہوشی سے مراد نیند کی بے ہوشی ہے لیکن چونکہ دوسرے مسلمانوں کے نظریہ کے ماتحت صحابہ کرام دورِ اوّل میں خوب شراب کے عادی تھے اور شراب کی منع کے بعد بھی نوش فرمالیا کرتے تھے لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ اس جگہ شراب کا نشہ مراد ہے چنانچہ فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں کہا ہے کہ تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ اس جگہ نشہ سے مراد شراب کا نشہ ہے۔

maablib.org

وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ ۔ یعنی جنبی حالت میں بھی نماز نہ ادا کرو مگر یہ کہ مسافر ہو اور پانی نہ دستیاب ہوتا ہو تو پھر تیمم کر کے نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اَلصَّلٰوۃ سے مراد مَوْضِعُ الصَّلٰوۃ ہے یعنی مسجد۔ پس معنی یہ ہوگا کہ نماز کے لئے حالت بے ہوشی میں بھی مسجد میں نہ جاؤ اور نہ جنبی حالت میں مساجد میں جاؤ مگر صرف عبور کے لئے یعنی ایک جانب سے دوسری جانب کی طرف عبور کرنے کے لئے مسجد سے جا سکتا ہے اور مسجد میں ٹھہر نہیں سکتا اور امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ تفسیر برہان میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کیا جنبی آدمی مسجد میں بیٹھ سکتا ہے آپ نے فرمایا نہیں۔ البتہ مسجد سے گذر سکتا ہے لیکن مسجد الحرام اور مسجد النبی سے گذر بھی نہیں سکتا۔

تیمم کا بیان

اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ :۔ اس مقام پر اَوْ بمعنی واؤ کے ہے۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر انسان بیمار ہو اور پانی کا استعمال اس کے لئے باعث ضرر و نقصان ہو یا انسان سفر پر ہو اور پانی دستیاب نہ ہوتا ہو اور ہر دو صورت میں پیشاب پاخانہ پھر چکا ہو یا عورت سے ہمبستر ہو چکا ہو تو نماز کے لئے مٹی سے تیمم کرے۔

پیشاب پاخانہ پھرنا اسباب وضوء میں سے ایک سبب کو بطور مثال ذکر کیا گیا ہے یعنی تمہیں وضوء کرنا ہو اور پانی کے استعمال سے بیماری یا نایابی کی مجبوری ہو تو وضو کے بدلے تیمم کر لیا کرو۔ اور اسباب غسل میں سے لمس نساء کو ذکر کیا گیا ہے اور مراد یہ ہے کہ اگر تمہیں غسل کرنا ہو اور پانی کے استعمال سے بوجہ بیماری یا اس کی نایابی معذوری ہو تو غسل کے بدلے تیمم کر لیا کرو۔

نیز پانی کے نہ ملنے کی قید سفر کے ساتھ لگائی گئی ہے کیونکہ عام طور پر سفروں میں ہی پانی کی نایابی کا شکوہ ہوا کرتا ہے ورنہ اگر گھر میں ہوتے ہوئے بھی کبھی ایسا اتفاق ہو جائے تو وہاں بھی تیمم قائم مقام وضوء یا غسل کے ہوگا

صَعِيْدًا طَيِّبًا :۔ صعید کا معنی مطلق روئے زمین ہے اور طیب کا معنی پاک ہے۔ بنا بریں مطلقاً روئے زمین جو پاک ہو سے تیمم کرنا جائز ہے بشرطیکہ ایسی چیز نہ ہو جس پر استحالہ کی وجہ سے زمین کا نام صادق نہ آتا ہو جیسے سیمنٹ چونا۔ پختہ اینٹ۔ راکھ کوئلہ اور شورہ وغیرہ۔

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ :۔ دونوں ہاتھوں کو ملا کر اگر انگوٹھی چھلا وغیرہ ہو تو اتار کر اکٹھے زمین پر مارے اور پھر آپس میں ہاتھوں کو جھاڑ کر پہلے منہ کا مسح کرے۔ بایں طور کہ دونوں ہاتھ ملائے اور انگوٹھے پھیلائے اور پیشانی کے اوپر سر کے بال اگنے کی جگہ پر رکھے کہ انگوٹھے پیشانی کی دونوں طرفوں کو گھیر لیں پھر دونوں ہاتھوں کو نیچے کی طرف سرکائے اس طرح کہ ہتھیلیاں بلکہ ہاتھوں کا باطنی حصہ پیشانی کے چمڑے سے جدا نہ ہو جائے پس ابروں تک ہاتھوں کو لائے پھر اس کے نیچے کا حصہ تیمم میں داخل نہیں البتہ دونوں چھوٹی انگلیوں کو ناک کی بلند جگہ تک لے آئے۔ اس کے بعد بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کی پشت کا کلائی سے لے کر انگلیوں کے سرے تک مسح کرے ہاتھوں کے لئے وہ پہلی منہ والی ضرب کافی ہے۔ زمین پر دوسری ضرب کی ضرورت نہیں۔ نیز وضو اور غسل کے تیمم میں کوئی فرق نہیں بعض علماء تیمم بدلے غسل کے اگر ہو تو دوسری ضرب ہاتھوں کے لئے کہتے ہیں یعنی سابقہ طریق سے پہلی ضرب سے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرے اور پھر ایک ضرب زمین پر مار کر صرف ہاتھوں کا مسح کرے اور بعض فرماتے ہیں کہ اس احتیاط میں بھی وضو اور غسل برابر ہیں

لہٰذا ہر تیمم میں اس طریق کو اختیار کرے تو خوب ہے۔

مسئلہ: تیمم کر لینے کے بعد حکمی طہارت حاصل ہو جاتی ہے پس انسان تمام وہ کام انجام دے سکتا ہے جو طہارت سے مشروط تھے لیکن پانی دستیاب ہونے کے بعد یا ضرر رفع ہونے کے بعد تیمم خود بخود باطل ہو جائے گا اور اس سے حاصل شدہ حکمی طہارت باطل ہو جائے گی

مسئلہ: پانی نہ ملنے یا پانی کے استعمال میں ضرر کی صورتوں کے علاوہ پانی مہنگا ملنے کی صورت میں جب کہ اس کی قیمت ادا نہ کر سکتا ہو یا پانی موجود ہو لیکن وہاں جا کر لانے میں عزت جان مال وغیرہ کا خطرہ ہو یا پانی نکالنے کا آلہ موجود نہ ہو یا یہ کہ پانی استعمال کر سکتا ہو لیکن وضوء یا غسل کرنے سے نماز فریضہ کے قضا ہو جانے کا ڈر ہو اس قسم کی صورتوں میں بھی وضوء یا غسل کے بدلے میں تیمم کرنے کا حکم ہے

تنبیہ: تیمم کی آیت وضو میں پاؤں کے مسح کو خوب ثابت کرتی ہے کیونکہ پانی دستیاب ہونے یا بے ضرر ہونے کی صورت میں یہاں وضو کا حکم ہے وہیں مجبوری اور معذوری کی حالت میں تیمم اس کے قائم مقام ہے یعنی مٹی پانی کا بدل ہے۔ پس وضو میں جن جن اعضاء کے پانی سے دھونے کا حکم تھا مٹی کی قائم مقامی کی صورت میں انہی اعضاء کا مسح چاہیئے اور وہ خدا نے صرف دو بتلائے۔ ایک منہ اور دوسرے ہاتھ اور اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اگر وضو میں پاؤں کا دھونا واجب ہوتا تو پانی کی عدم موجودگی میں پاؤں کا تیمم میں بھی حصہ ہوتا۔ لیکن پس پاؤں کا تیمم میں نہ داخل ہونا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا واجب نہ تھا بلکہ وہاں پاؤں کا مسح تھا

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یَشۡتَرُوۡنَ
کیا تم نہیں دیکھتے ان کو جو دیئے گئے ایک حصہ کتاب سے خرید کرتے پھرتے ہیں
الضَّلٰلَۃَ وَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا السَّبِیۡلَ ؕ۝ وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ
گمراہی کو اور چاہتے ہیں تم بھی رستہ بھٹک جاؤ اور اللہ خوب جانتا ہے
بِاَعۡدَآئِکُمۡ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیًّا ٝ۫ وَّ کَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیۡرًا ۝
تمہارے دشمنوں کو اور کافی ہے اللہ ولی اور کافی ہے اللہ مدد گار

کیونکہ وضو میں جو مسح کے اعضا تھے وہ تیمم میں مستثنا قرار پائے ہیں اور جو دھونے کے اعضا تھے وہ تیمم میں مسح کے نیچے لائے گئے ہیں

مسئلہ: تیمم چونکہ وضو یا غسل کا قائم مقام ہے لہٰذا جو عبادات تیمم سے واقع کی جائیں ان کی قضا واجب نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے مقام پر صحیح شمار ہوتی ہیں۔

اَلَمۡ تَرَ: تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ یہاں ضلالت سے مراد حضرت علیؑ کی ولاء سے انحراف ہے یعنی وہ لوگ خود بھی حضرت علیؑ سے منحرف ہیں اور لوگوں کو بھی ان کی ولاء سے انحراف کی ترغیب دیتے ہیں۔

یَشۡتَرُوۡنَ: چونکہ یہودی علماء کے عوام کی جانب سے وظائف مقرر تھے پس یہ لوگ ان کی مرضی کے مطابق تورات کی آیات

میں ردو بدل کر لیا کرتے تھے چنانچہ جناب رسالتمآبؐ کی جو تعریف تورات میں موجود تھی صرف اپنے وظائف کے طمع کی خاطر ان کو ظاہر نہ کرتے تھے۔ کیونکہ خواہ عوام یہود مسلمان ہوں یا نہ ہوں دونوں صورتوں میں ان کے وظائف پر اثر پڑتا تھا۔ اگر وہ مسلمان ہو جاتے جناب رسالتمآبؐ کی تعریفیں تورات میں دیکھ کر تو پھر ان کو کیا ضرورت تھی کہ ان کو پیسہ دیتے اور اگر وہ مسلمان نہ ہوتے تو پھر بھی ان کے وظائف بند ہو جاتے کیونکہ اس صورت میں یہ لوگ ان کے ناکام مناظر ثابت ہوتے۔ اور عوام میں مناظر کا کمال یہ ہے کہ مجمع میں دوسرے کو جھوٹا ثابت کرے۔ اور اپنا جھوٹا ہونا قطعاً تسلیم نہ کرے پس ایسے لوگ ہی عوام کی مدح و ثنا کے قابل اور ان کی عطا کے سزاوار ہوا کرتے ہیں اور ان کی نظروں میں عالم کہلانے کے مستحق بھی صرف وہی ہوتے ہیں۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ
یہودیوں میں سے بعض ایسے ہیں جو بدل دیتے ہیں لفظوں کو اپنی جگہ سے اور
وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا
کہتے ہیں ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور سن نہ سننے پائے اور راعنا
لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا
موڑتے ہوئے اپنی زبانوں کو اور طعنہ زنی کرتے ہوئے دین میں اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا
وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ
اور اطاعت کی اور سن اور نظر کر ہم پر تو خوب تھا ان کے لئے اور بہتر
وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ۴۶
لیکن ان پر اللہ کی لعنت ہے بوجہ ان کے کفر کے پس وہ ایمان نہیں لاتے مگر کم

وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ۔ یہ بد دعا کا کلمہ ہے جس طرح کسی کو کہا جائے یہ بات سن خدا تجھے سننے کی توفیق نہ دے اور تو نہ سننے پائے اسی طرح راعنا آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہتے تھے اور مراد گالی لیتے تھے اور بولتے وقت زبان کو موڑ دیتے تھے تاکہ اس کا انصراف اس طرف کوئی نہ سمجھے یہ سب یہودیوں کے متعلق ہیں جو اطراف مدینہ میں رہتے تھے اور جناب رسالتمآبؐ اور مسلمانوں کے لئے باعث اذیت بنے رہتے تھے۔

فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَا۔ صفحہ ۱۸۰ امام محمد باقر علیہ السلام سے اس کا معنی یہ منقول ہے کہ اس کو ہدایت سے منحرف کر دے جس طرح اور مقام پر فرمایا کہ ان پر مہر لگ گئی اور یہ ان کی اپنی سرکشی اور بے اعتدالی کا ہی نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ اور تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک طویل روایت میں منقول ہے کہ یہ عذاب حضرت حجت علیہ السلام کے ظہور کے وقت ہو گا۔ اور دشمنان خدا اس عذاب میں ظاہری طور پر گرفتار ہوں گے۔

اَصْحٰبَ السَّبْتِ صفحہ ۱۸۰ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں مچھلی کے شکار سے سنیچر کے روز منع کیا گیا تھا اور پھر انہوں نے

maablib.org

حیلہ سازی کی تھی جس کے بدلہ میں بشکل بندر ان کو مسخ کیا گیا۔ چنانچہ تفسیر کی دوسری جلد میں اس کو ذکر کیا جا چکا ہے۔

مغفرت خدا

اِنَّ اللّٰہَ ۔ آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں کلبی سے منقول ہے کہ حضرت حمزہؓ کے قاتل غلام سے مشرکین نے وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہیں قتل حمزہ کے بدلہ میں آزاد کر دیں گے لیکن جب واپس مکہ پہنچ کر انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو وہ اپنے فعلِ بد پر نادم ہوا اور حضرت رسالتمآبؐ کی طرف اپنی ندامت کا پیغام بھیجا اور اسلام کی خواہش ظاہر کی اور کہلا بھیجا کہ چونکہ اسلام میں شرک اور قتل نفس اور زنا کا جرم قابلِ بخشش نہیں ہے۔ ہم اسی ڈر سے اسلام نہیں لاتے تب توبہ اور عمل صالح والی آیت نازل ہوئی اور آپ نے ان کو بھجوائی تو انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ عملِ صالح کی شرط بھی سخت ہے شاید ہم پورے نہ اتر سکیں تو یہی آیت اتری کہ شرک کے علاوہ خدا چاہے تو باقی تمام گناہ بخش دے تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ شاید ہم مشیتِ خداوندی سے باہر ہو جائیں۔ لہٰذا ہمیں اطمینان نہیں ہے تب آیت اتری لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا یعنی اللہ کی رحمت سے مایوس

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا

اے وہ لوگ جو دیئے گئے کتاب ایمان لاؤ ساتھ اس کے جو ہم نے نازل کی

مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا ع ١٤

کہ تصدیق کرنیوالی ہے اسکی جو تمہارے پاس ہے پہلے اس سے کہ مٹا دیں ہم چہروں کو کہ کر دیں ان کو

عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ

پشت کی طرف یا ان پر لعنت کریں جس طرح ہم نے لعنت کی اصحاب سبت کو اور اللہ امر

مَفْعُوْلًا ۝٤٧ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ

ہو کر رہتا ہے۔ تحقیق اللہ نہیں بخشتا شرک کو اور بخشتا ہے وہ جو علاوہ ہو اس کے

ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝٤٨

جسے چاہے اور جو شرک کرے ساتھ اللہ کے تحقیق اس نے افترا باندھا گناہِ عظیم کا

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَھُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ

کیا تم نہیں دیکھتے طرف ان کے جو پاکیزگی بیان کرتے ہیں اپنی بلکہ اللہ پاک کرتا ہے

مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝٤٩ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي

جسے چاہے اور نہ ظلم کئے جائیں گے کچھ بھی دیکھئے کیسے افترا باندھتے ہیں اللہ پر

اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝٥٠ ع

جھوٹ کے اور کافی ہے یہ گناہِ صریح

نہ ہو۔ خدا سب گناہ بخش دے گا جب یہ آیت ان کے پاس پہنچی تو وہ فوراً مسلمان ہو گئے اور مشرف بزیارت ہوئے تو حضور نے قاتلِ حمزہ سے حمزہ کے قتل کی کیفیت پوچھی جب اس نے واقعہ بیان کیا تو حضورؐ نے فرمایا میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ چنانچہ وہ شام چلا گیا اور وہاں ہی اس کا انتقال ہوا مخلصاً

قرآن مجید کی یہ آیت گنہگار مومنین کے لئے بخشش کا سہارا ہے کیونکہ فرماتا ہے شرک کے علاوہ باقی تمام گناہ بخشے جا سکتے ہیں۔ پس مومن کو کسی صورت میں بخشش خداوندی سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے اگر مومن کی امید مغفرت اور خوفِ عذاب کو تولا جائے تو وہ ہموزن اتریں گے۔ کیونکہ ناامید ہونے والے کے متعلق فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ یعنی رحمتِ پروردگار سے صرف گمراہ ہی مایوس ہوا کرتے ہیں اور عذابِ خدا سے نڈر لوگوں کے متعلق فرماتا ہے۔ وَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ یعنی اللہ کی گرفت سے خسارہ پانے والے ہی نڈر ہوا کرتے ہیں۔

آیت مجیدہ سے مغفرت عامہ کا استدلال اس طرح کیا جاتا ہے کہ خدا اگر چاہے تو تمام گناہ بلا توبہ کئے ہی بخش دے کیونکہ توبہ کے بعد تو شرک کا گناہ بھی معاف ہو سکتا ہے اس آیت میں شرک اور دوسرے گناہوں کے درمیان فرق کرنے کا مطلب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ اگر انسان توبہ کئے بغیر مر جائے تو شرک کے علاوہ جس قدر گناہ ہوں گے اگر وہ چاہے گا بخش دے گا اور شرک کا گناہ قطعاً قابلِ بخشش ہی نہیں اور اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ شرک کے علاوہ جو گناہ ہیں۔ وہ ہر ایک کے معاف نہ ہوں گے بلکہ بعضوں کے معاف ہوں گے کیونکہ اگر سب کے معاف ہوتے تو فرماتا کہ ہر ایک کے بخش دوں گا۔ یہ نہ فرماتا کہ جس کے چاہوں گا معاف کروں گا۔ اور یہ بات عدل کے منافی بھی نہیں کیونکہ بلا استحقاق کسی کو سزا دینا منافیٔ عدل ہوتا ہے لیکن بلا استحقاق کسی کو انعام و اکرام کرنا۔ منافی عدل نہیں بلکہ عین تفضل ہے اور وہ اپنے افعال میں مجبور نہیں جس پر اپنا فضل و کرم کرنا چاہے اسے کوئی پابندی نہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے فضل و کرم کے لئے کوئی ترجیح کی بھی تو وجہ ہو گی کیونکہ فعل حکیم حکمت سے خالی نہیں ہوا کرتا تو اس کے متعلق تفسیر برہان میں فقیہ سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ مومن جس حال میں مرے جس دن مرے اور جس ساعت میں اس کا روح قبض ہو۔ وہ صدیق اور شہید ہو کر مرتا ہے۔ میں نے اپنے حبیب جناب رسولخداؐ سے سنا ہے آپ نے فرمایا اگر مومن دنیا سے کوچ کرے درحالیکہ اس کے اوپر اہل زمین کے گناہوں کے برابر بوجھ ہو تو موت اس کے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی۔ پھر فرمایا کہ جو شخص خلوص کے ساتھ کلمۂ توحید زبان پر جاری کرے وہ شرک سے بری ہو گا۔ اور جو بھی شرک سے بری ہو کر دنیا سے جائے وہ داخل جنت ہو گا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ مُحِبِّيكَ وَشِيعَتِكَ يَا عَلِيُّ۔ یعنی اے علی یہ تیرے شیعوں کے لئے ہے۔ حضرت فرماتے ہیں میں نے عرض کی حضور! یہ میرے شیعوں کے لئے ہے تو آپ نے فرمایا ہاں مجھے اپنے پروردگار کی قسم یہ تیرے شیعوں کے لئے ہے اور وہ لوگ قبروں سے نکلیں گے۔ یہ کہتے ہوئے لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ عَلِيُّ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ حُجَّةُ اللَّهِ پس جنت کے سبز حلے ان کی خدمت میں لائے جائیں گے۔ پس وہ پہنیں گے اور تاجِ ملک اور دستارِ کرامت سر پر رکھیں گے اور ناقہ ہائے

جنت پر سوار ہوں گے جو انہیں پرواز کر کے جنت میں پہنچائیں گی۔ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ هٰذَا یَوْمُکُمُ الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ ان کو قیامت کی سخت گھبراہٹ محزون نہ کرے گی اور ملائکہ ان کی استقبال کریں گے اور کہیں گے۔ یہ تمہارا وہی دن ہے جس کا تم وعدہ کئے گئے تھے۔ اسی بناء پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے شرک سے مراد لیا ہے۔ کفرِ ولایت علی اور یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ کا مصداق وہ لوگ ہیں جو حضرت علی علیہ السلام سے ولا رکھتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ: یہود و نصاریٰ اپنے متعلق کہتے تھے کہ ہم اللہ کے دوست اور خالص جنتی ہیں۔ آیت مجیدہ ان کے قول کی تردید کر دی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ
کیا نہیں دیکھتے ان لوگوں کو جو دیئے گئے حصہ کتاب سے ایمان رکھتے ہیں

بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ
جبت اور طاغوت پر اور کہتے ہیں کافروں کے متعلق کہ یہ لوگ

اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ۞ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ
زیادہ راہ پانے والے ہیں بہ نسبت مومنوں کے راہِ ہدایت کو ایسے لوگوں کو لعنت کی ہے

اللّٰهُ ۚ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا ۞ اَمْ لَهُمْ
اللہ نے اور جس کو لعنت کرے اللہ تو ہرگز نہ پاؤ گے اس کا کوئی مددگار کیا ان کا حصہ

نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْکِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا ۞ ۵۳
ہے سلطنت سے؟ پھر تو وہ نہ دیں گے لوگوں کو نقیر برابر بھی

فَتِیْلًا: فتیلا کھجور کی گٹھلی پر اندر کی طرف جو شگاف ہوتا ہے اور نقیر گٹھلی پر جو پشت کی طرف درمیان میں ایک لکیر ہوتی ہے اور نقیر جو گٹھلی کے اوپر باریک جھلی سی ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں بدن پر انگلیوں سے رگڑنے سے جو بدن کی میل باریک تاگوں کی طرح آجاتی ہے اسے فتیل کہتے ہیں

رکوع ۵

اَلَمْ تَرَ: تفسیر مجمع البیان میں اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق ہے کہ کعب بن اشرف یہودی ستر یہودیوں کے ہمراہ واقعہ احد کے بعد مکہ پہنچا تا کہ جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ منعقدہ معاہدہ کو توڑ کر ان کے خلاف کفارِ قریش سے معاہدہ قائم کرے۔ پس کعب ابو سفیان کے ہاں ٹھہرا اور باقی یہودی دوسرے قریشیوں کے ہاں فروکش ہوئے۔ ابو سفیان نے اس کی اچھی طرح مہمان نوازی کی۔ جب آپس میں بات چیت ہوتی تو اہل مکہ نے کہا کہ اے گروہ یہود تم بھی اہل کتاب ہو اور حضرت محمدؐ کا بھی صاحب کتاب ہونے کا دعویٰ ہے۔ ممکن ہے تمہارا آپس میں گٹھ جوڑ ہو اور ہمیں دھوکا میں پھنسانا چاہتے ہو

maablib.org

پس اگر تم واقعی طور پر ہمارے ساتھ ہو تو ہمارے ساتھ چل کر ان دو بتوں کا سجدہ کرو تو کعب بن اشرف نے ان بتوں کا سجدہ کر لیا۔ جس کے متعلق قرآن فرما رہا ہے کہ وہ جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس کعب نے کہا اے اہل مکہ تیس تیس آدمی ہم اور تم میں سے دیوار کعبہ کے ساتھ چھاتی ملا کر حضرت محمدؐ کے برخلاف آپس میں جنگی اور تجارتی معاہدہ کریں اور رب بیت کے ساتھ عہد کریں چنانچہ ایسا کیا گیا۔ رسم معاہدہ کے بعد ابوسفیان نے کعب سے کہا کہ تو کتاب کا عالم ہے۔ اور ہم لوگ جاہل ہیں ہمیں سچ سچ بتاؤ کہ ہم سچے ہیں یا محمدؐ تو کعب نے کہا میرے سامنے تم اپنے دین کی وضاحت کرو۔ ابوسفیان نے کہا ہمارا دین یہ ہے کہ ہم حاجیوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ ان کو پانی پلاتے ہیں قیدیوں کو رہا کرتے ہیں اور صلہ رحمی کرتے ہیں اور بیت اللہ کی تعمیر اور اس کا طواف کرتے ہیں اور اہل حرم بھی ہیں اور حضرت محمدؐ نے آبائی دین چھوڑ کر قطع رحمی کی اور حرم کو چھوڑ کر چلا گیا۔ نیز ہمارا دین پرانا اور محمدؐ کا دین نیا ہے۔ یہ سن کر کعب بن اشرف بولا۔ خدا کی قسم محمدؐ کے دین سے تم لوگ بدرجہا بہتر ہو اور تم راہ ہدایت پر ان کی بہ نسبت زیادہ ہو۔ جس کے متعلق قرآن کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
بلکہ حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس پر کہ دیا ہے ان کو اللہ نے اپنے فضل سے تو تحقیق
فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا
دی ہم نے آل ابراہیمؑ کو کتاب اور حکمت۔ اور دیا ہم نے ان کو ملک
عَظِيْمًا ۝ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۝۵۵
عظیم تو بعض ایمان لائے اس پر اور بعض نے اس سے روگردانی کی اور کافی ہے ان کو جہنم جلتی آگ ہے

تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے اس سے مراد ظالم امام ہیں جو لوگوں کو جبت اور طاغوت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور آل محمدؐ سے ان کو برا جانتے ہیں، بہرکیف قیامت تک آیت زندہ ہے اور اس کے مصداق ہوتے رہیں گے۔

معصومؑ نے تاویل کے طور پر ایک کلی قاعدہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ: باعتبار ظاہر یہودیوں کے حسد کی حکایت ہے کیونکہ حضرت رسالتمآبؐ کی نبوت و سلطنت پر حسد کرتے تھے پس خدا فرماتا ہے آل ابراہیمؑ میں یہ نبوت کوئی پہلی بار تو نہیں اس سے پہلے بھی تو آل ابراہیمؑ میں نبوت و مملکت رہی ہے۔ حضرت داؤدؑ صاحب نبوت و سلطنت تھے جن کی ۹۹ بیویاں اور حضرت سلیمانؑ نبی اور بادشاہ جن کی ۱۰۰۰ یا ایک ہزار کے قریب ازواج تھیں تو ان پر حسد کیوں نہیں کرتے؟ اور چونکہ جناب رسالتمآبؐ تمام لوگوں کی طرف رسول تھے لہٰذا ان کا حسد تمام لوگوں کے حسد کے برابر ہے اسی لئے کہا گیا کہ یہ لوگ ناس سے یعنی تمام لوگوں سے حسد کرتے ہیں اور باعتبار باطن ہر وہ شخص اس کا مصداق ہے جو خدا کے کسی منتخب بندے پر حسد کرے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہاں فضل سے مراد نبوت و

امامت ہے اور ناس سے مراد نبی و آلِ نبی ہیں۔ اور تفسیر عیاشی سے مروی ہے کہ حضرت صادق علیہ السّلام نے فرمایا ہم وہ ہیں جن کی اطاعت اللہ نے فرض کی اور انفال وغیرہ کے حقدار ہم ہیں اور راسخین فی العلم بھی ہم ہیں اور ہم وہ محسود ہیں جن کے متعلق خدا نے فرمایا کہ وہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں یعنی جن پر حسد کیا گیا ہم ہیں (مجمع البیان)

پچھلی آیتیں جو اس رکوع میں ہیں اور یہ اور ان کے بعد کی آیتیں سب کا ربط ایک ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السّلام سے بذریعہ احادیثِ متواترہ مروی ہے کہ دشمنانِ آلِ محمدؐ کی مذمت میں اور آلِ محمدؐ کی مظلومی کے بیان میں ہیں۔ تفسیر برہان میں منقول ہے امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا جب کہ آپ سے اولوالامر والی آیت کی تفسیر دریافت کی گئی سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کیا تم لوگوں کو دیکھتے نہیں ہو جو جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں اور فلاں اور فلاں کو آلِ محمدؐ سے افضل قرار دیتے ہیں اگر ان کو ملک و خلافت مل جائے تو آلِ محمدؐ کو ایک ذرّہ برابر بھی اس میں سے حصّہ نہیں دیتے۔ (یعنی وہاں بھی ناس سے مراد آلِ محمدؐ ہیں) اور یہ لوگ ان سے حسد کرتے ہیں جن کو خدا نے فضل یعنی امامت عطا فرمائی ہے۔ پس وہ محسود ہم ہیں اور خدا فرماتا ہے ہم نے تو آلِ ابراہیمؑ کو کتاب و حکمت اور ملکِ عظیم دیا اور تعجب ہے کہ ان پر حسد نہیں کرتے اور مان لیتے ہیں اور آلِ محمدؐ کے فضل کا انکار کرتے ہیں اور اس مضمون کی روایات تفسیر برہان میں بیس سے زائد ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ مِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ کے مصداق سلمان۔ مقداد۔ ابوذر اور عمار ہیں اور بِهِ کی ضمیر حضرت علیؑ کی طرف راجع ہے یعنی تفسیر باطنی کے طور پر معصومؑ نے مصداق آیت کے بعض افراد کی طرف اشارہ فرمایا ہے ورنہ ہر دو جانبین کے مصداق تا قیامت ہونے چاہئیں۔ پس محسود بھی قیامت تک اور حاسد بھی قیامت تک آلِ محمدؐ سے سلسلۂ امامت چونکہ قیامت تک جاری رہے گا لہٰذا ان کے ماننے والے اور حسد کرنے والے بھی تا قیامت موجود رہیں گے اور آیت کا مصداق ہر دور میں قائم رہے گا کیونکہ قرآن قیامت تک زندہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ
تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں ہماری آیات سے ان کو جلائیں گے ہم آگ میں جب جل جائیں گے
جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ
ان کے چمڑے تو ان کو تبدیل کر دیں گے دوسرے چمڑے تا کہ چکھیں عذاب کو تحقیق
اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
اللہ غالب حکمت والا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے

بَدَّلْنَاهُمْ:- یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجرم انسان کے اصلی چمڑے کو جلانا تو درست ہے لیکن جب وہ جل جائے تو دوسرا بے قصور چمڑا کیونکر مبتلائے عذاب ہوگا؟ تو اس کے جواب میں کہا گیا کہ عذاب درحقیقت روح کو ہوگا

اور چمڑا یا دوسری چیزیں ان کو بھی تکلیف اسی وقت ہوتی ہے جب ان میں روح ہو ورنہ اگر روح نہ ہو تو ان کو کوئی درد ہوتا ہی نہیں۔ لہٰذا چمڑے کی تبدیلی عذاب روح کے لئے ہے اور حقیقی مجرم بھی وہی ہے اور نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسی چمڑے کو پہلی حالت پر پلٹایا جائے گا جس طرح ایک انگوٹھی ٹوٹ جانے کے بعد اسی چاندی کو پھر انگوٹھی کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔ تو یہ دوسری انگوٹھی بعینہ پہلی انگوٹھی بھی ہے۔ اور پہلی کے غیر بھی اس کو کہنا درست ہے۔ اسی طرح انہی چمڑوں کو جب نیا کیا جائے گا تو ہوں گے اگرچہ بعینہ وہی پہلے لیکن ان کو ان کا غیر بھی کہا جا سکتا ہے۔ اور تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی یہی معنی مروی ہے۔

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ۔ تفسیر برہان میں فقیہ سے مروی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام سے ازواج مطہرہ کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا طہر سے مراد یہ ہے کہ وہ عورتیں حیض اور ہر قسم کی آلائشات و ناپاکیوں سے پاک و صاف ہوں گی۔

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
عنقریب انہیں داخل کریں گے بہشتوں میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں کہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں
فِيْهَآ اَبَدًا لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا
ان کے لئے وہاں بیویاں پاکیزہ ہوں گی اور داخل کریں گے انہیں ٹھنڈی چھاؤں میں
اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا
تحقیق اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ادا کرو امانتیں اپنے مالکوں کو اور جب حکم
حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ
کرو لوگوں میں تو حکم کرو انصاف سے تحقیق اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تمہیں

اداءِ امانت کا حکم

اِنَّ اللّٰهَ: آیت مجیدہ میں بالعموم تمام امانتوں کی ادائیگی کا حکم ہے چنانچہ صادقین علیہما السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے اور نیز یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت خاص طور پر اولی الامر کے لئے ہے یعنی جو حاکم اور صاحبِ امر ہوں ان پر واجب ہے کہ رعایا کے حقوق ادا کریں اور ان کے درمیان عدل و انصاف کا حکم کریں اور صادقین علیہما السلام سے یہ بھی مروی ہے کہ خدا نے ہر امام کو حکم دیا ہے کہ وہ امامت والی امانت بعد والے امام کو پہنچا دے اور اسی قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعد والی آیت میں رعایا کو حکم دیا گیا ہے کہ تم اللہ اور رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت کرو اور آئمہ سے بھی مروی ہے کہ ان دونوں آیتوں میں سے ایک ہمارے لئے ہے اور دوسری تمہارے لئے ہے۔ بہرکیف چونکہ امانت کی ادائیگی کا حکم عام ہے تو یہ بھی امانت کا ایک فرد ہے اور اس میں داخل ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج سب امانتیں ہیں۔ اور انہیں میں سے اولی الامر کو بھی حکم ہے کہ صدقات و غنائم اور رعایا کے دوسرے

حقوق ان تک پہنچاوے۔

بعض کہتے ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ نے فتح مکہ کے دن کلید بیت اللہ عثمان بن طلحہ سے لے کر عباس کے حوالہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس کی امانت اس کو واپس کردی جائے لیکن بالفرض اگر شان نزول یہ قصہ وہ واقعہ بھی رونما ہوا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آیت کو وہاں بند کر دیا جائے لہٰذا اس کا عمومی معنی اختیار کرنا بہتر ہے (ملخص از مجمع البیان)

اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ جناب رسالتمآبؐ نے حضرت امیرؑ سے فرمایا یا علیؑ آپس میں جھگڑا کرنے والوں کو ایک نظر سے دیکھا کرو اور ایک جیسے لہجہ میں ان سے خطاب کیا کرو نیز وارد ہے کہ ایک مرتبہ دو بچے حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس اپنا لکھا ہوا خط لائے اور امام حسنؑ سے فیصلہ کی خواہش کی کہ ان میں سے کونسا خط خوب ہے۔ حضرت علیؑ نے دیکھ لیا تو فرمانے لگے۔ بیٹا فیصلے میں خیال کرنا۔ یہ بھی حکم ہے اور خدا بروز محشر اس کے متعلق بھی باز پرس کرے گا۔

بِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ۝ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا
تحقیق اللہ سننے دیکھنے والا ہے — اے وہ لوگ جو ایمان لائے

اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ
ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور صاحبان امر کی جو تم سے ہیں

فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ
پس تمہیں اگر جھگڑا ہو کسی شے میں تو اسے رد کرو طرف اللہ اور رسول

اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِکَ
کے اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور روز قیامت پر یہ بہتر اور

خَیۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا ۝
خوب تر ہے از روئے انجام

بہرکیف تفسیر برہان اور تفسیر صافی وغیرہ میں احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ یہ آیت مجیدہ آئمہ طاہرینؑ کے حق میں ہے۔ اور ان کو حکم ہے کہ اسرار امامت یکے بعد دیگرے دوسرے امام کو سپرد کرتے چلے جائیں اور پھر علی العموم یہ آیت ہر امانت کو بھی شامل ہے۔ اور تفسیر صافی میں ہے کہ معصومین علیہم السلام سے متعدد روایات میں پہنچا ہے کہ کسی شخص کے لمبے رکوع اور لمبے سجدوں کو نہ دیکھو کیونکہ یہ چیز ہمیشہ دیکھنے میں آتی ہے۔ ہاں تو سچائی اور امانت کو دیکھا کرو اور فرمایا اگر علیؑ کا قاتل میرے پاس کوئی شے امانت رکھے اور میں قبول کر لوں تو عند الطلب اس کو بھی میں واپس دے دوں گا۔

maablib.org

اولوالامر کی تشخیص

فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں ایک بات خوب کہی ہے۔ کہ اس مقام پر خداوند کریم نے اولوالامر کی اطاعت کا حکم جزمی اور قطعی طور پر دیا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ اولی الامر وہی ہو سکتے ہیں جو معصوم ہوں۔ کیونکہ اگر معصوم نہ ہوں تو ان سے غلطی کا امکان ہوگا اور ان کی غلط باتوں میں بھی ان کی اطاعت کرنا پڑے گی کیونکہ حتمی طور پر بلا استثناء اولوالامر کی اطاعت کا حکم ہے لیکن غلط کاریوں سے بھی وہ منع فرماتا ہے لہٰذا ایسے مقام پر اطاعت ساقط ہونی چاہیئے تو آیت اولی الامر کی رُو سے اس کی اطاعت کے وجوب کا حکم اور غلطی سے بچنے کے عمومی اوامر کے ماتحت اس کی عدم اطاعت کا حکم تناقض ہے اور محال ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہاں اولوالامر سے مراد معصوم ہے لیکن اس کے بعد کہتا ہے کہ وہ معصوم امت میں سے کوئی خاص آدمی ہوں گے یا اس سے مراد مجموع امت ہوگی۔ پہلی صورت باطل ہے کیونکہ اگر خاص افراد مراد ہوتے تو ہمیں ان کی نشاندہی کی جاتی اور تعارف کرایا ہوتا کیونکہ بغیر تعارف کے ان کی اطاعت کا حکم ناجائز ہے اور ہمیں چونکہ بتلائے نہیں گئے تو معلوم ہوا کہ خاص افراد مراد نہیں ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ اس سے مراد مجموع امت ہے تو مقصد یہ ہے کہ امت کے ارباب حل وعقد جب ایک بات طے کر دیں تو اس کی اطاعت واجب ہے اور آیت مجیدہ اجماع کی حجیت پر دلیل ہے

دیکھئے عداوت آل محمدؐ کا بھوت کس طرح دل و دماغ کو معطل کر دیتا ہے۔ کہتا ہے اگر خاص افراد مراد ہوتے ان کی نشاندہی کرائی گئی ہوتی اور ہمیں ان کی نشاندہی نہیں کرائی گئی۔ کس قدر صریحی جھوٹ اور خدا و رسول پر کس قدر بہتان عظیم ہے۔

۱- آیت مجیدہ تطہیر اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ (الآیہ) اس کے متعلق ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں ذکر کیا ہے کہ اکثر مفسرین اس کے قائل ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے حق میں نازل ہوئی۔ مسلم نے باب فضائل اہلبیت میں حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے حسنینؑ فاطمہؑ اور علیؑ کو ردا کے اندر اکٹھا کر کے آیت تطہیر پڑھی جلال الدین سیوطی نے درِ منثور میں بھی اسے نقل کیا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کو نقل کر کے اسے صحیح علی شرط البخاری قرار دیا ہے۔ نیز ترمذی باب مناقب اہلبیتؑ میں عمر بن ابی سلمہ سے مروی ہے کہ جب آیت تطہیر نازل ہوئی تو اس وقت جناب رسالتمآبؐ ام سلمہ کے گھر میں تشریف فرما تھے پس علیؑ فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام کو جمع کر کے ان پر چادر ڈال دی اور دعا مانگی۔ اللّٰهم هؤلاء اهلبيتي فاذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا۔ نیز مستدرک اور ترمذی اور مسند احمد میں انس سے مروی ہے کہ اس کے چھ ماہ بعد تک جناب رسالتمآبؐ جب صبح کی نماز کے لئے مسجد کو تشریف لے جاتے تھے تو دروازہ فاطمہؑ سے گذرتے ہوئے آیہ تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے اور درِ منثور میں ابوالحمراء سے منقول ہے۔ کہ مجھے یاد ہے کہ پورے آٹھ ماہ بعد جب حضورؐ صبح کی نماز کے لئے گھر سے نکلتے تھے تو علیؑ کے دروازہ پر پہنچ کر اپنے دونو ہاتھ مبارک دروازہ کے دونوں پہلوؤں پہ رکھتے تھے اور فرماتے تھے الصلوٰۃ الصلوٰۃ اور پھر آیۂ تطہیر پڑھتے تھے۔ اور ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ پورے نو ماہ بعد تک حضورؐ ہر نماز کے وقت علیؑ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ اہل البیت اور آیت تطہیر پڑھتے تھے اور ہر روز پانچ مرتبہ ایسا کرتے تھے

(ملخص از دلائل الصدق)

بہر کیف اس باب کی تمام روایات کو جمع کرنے کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے اور علماء نے اس موضوع پر انفرادی طور پر کتابیں بھی لکھی ہیں حتّٰے کہ اس کے تواتر میں کوئی ذی شعور شک و شبہ نہیں کر سکتا اور اس کے خلاف جن لوگوں نے اس آیتِ مجیدہ کے شانِ نزول کو ازواج سے خاص کرنے کی کوشش کی ہے تو صرف اہلبیتؑ کی خاص فضیلت کو پوشیدہ کرنے یا ان کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے ہی ان کی رگِ عصبیت تڑپی ہے لیکن بایں ہمہ ان نقول متواترہ کے مقابلہ میں ان کو لانا فضول ہے اب جائے غور ہے کہ خداوند کریم اس آیت تطہیر میں ان ذواتِ مقدسہ کی علی الاطلاق تطہیر کا اعلان فرما رہا ہے اور ہر قسم کے رجس کی دوری کی تصریح فرما رہا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر وہ فعل جو منشاء خدا کے خلاف ہو۔ وہ رجس ہے اور ہر وہ نظریہ جو خطا اور غلط ہو وہ رجس ہے۔ پس جب خدا نے مطلقاً اہلبیت عصمت سے رجس کو دور فرمایا اور ان کی ہر رجس سے تطہیر کا اپنی پاک کتاب میں اعلان فرمایا تو معصوم کی نشاندہی اور اس کا تعارف اس سے زیادہ واضح اور کھلے لفظوں میں اور کس طرح ہو گا جس کا عند فخر الدین رازی بیان کر رہا ہے۔ کیا اسے آیت تطہیر یاد نہیں تھی۔ کیا وہ ان روایات کو نہیں جانتا تھا سب کچھ تھا اس کی نظر سے یہ باتیں اوجھل نہ تھیں البتہ علی کی دشمنی اس کو ان حقائق کے اظہار کی اجازت نہیں دے سکتی تھی لہٰذا وہ مجبور تھا کہ یہ بہانہ بنائے۔

۲۔ آیتِ مباہلہ:۔ تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ مباہلہ میں رسولؐ کے ساتھ جانے والے افراد۔ یہ بزرگوار تھے جو آیت تطہیر کا مصداق تھے اور سچ اور جھوٹ کے امتیاز کا یہ آخری اور حتمی کا مقابلہ تھا چنانچہ اس کی نشانی یہ تھی کہ جھوٹوں پر لعنت کی بد دعا کی جائے گی۔ پس نصرانیوں کی تسلیم نے یہ مسلمانوں پر بھی ثابت کر دیا کہ رسولؐ اور رسولؐ کے ہمراہ جانے والے سچے ہیں۔ اور صداقت جس طرح قول میں ہوتی ہے اسی طرح فعل میں ہوتی ہے اور اسی طرح عقلی نظریوں میں ہوا کرتی ہے۔ اور علی الاطلاق سچا وہ کہے جانے کا مستحق ہے جو قول فعل اور اعتقاد ہر پہلو سے سچا ہو۔ اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کے قول عمل اور اعتقاد میں غلطی کا شائبہ نہ ہو اور اسی کو معصوم کہا جاتا ہے پس آیتِ مباہلہ میں معصوم کی نشاندہی نہیں تو اور کیا ہے۔ اور کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ کا ہر اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ کی دوسری تعبیر ہے۔ لیکن چونکہ علی کو پیچھے ہٹانا ہے لہٰذا کچھ بھی ہو مانتا نہیں

۳۔ آیت صلوٰۃ یعنی اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ الخ۔ صحیح مسلم سے منقول ہے کہ حضورؐ سے صلوٰۃ کا طریقہ دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس طرح کہا کرو۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد کما صلیت علی ابراہیم و آل ابراہیم اور ظاہر ہے جس پر خدا کا درود و سلام ہو اور مومنین کو بھی صلوٰۃ و سلام کا حکم دے وہ معصوم ہو گا چنانچہ بعد میں سلموا تسلیما کا حکم دے کر ان کی اطاعت کو بھی لازم و واجب قرار دے دیا اور آل محمد کے متعلق آیت تطہیر کے شانِ نزول نے وضاحت کر دی کہ وہ کون لوگ ہیں۔

۴۔ آیت ولایت اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ الخ۔ اور مفسرین کا اجماع ہے کہ حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دینے والا سوائے حضرت امیر

maablib.org

کے اور کوئی نہیں تھا پس اللہ اور رسولؐ کی طرح حضرت علیؑ بھی ولایت مطلقہ کا مالک ہے تو جس قسم کی ولایت اللہ و رسولؐ کو حاصل ہے حضرت علیؑ بھی اس میں شریک ہیں اور خدا کسی کو ولایت مطلقہ نہیں دیتا جب کہ معصوم نہ ہو۔

بہرکیف اس قسم کی آیات اور بھی بہت ہیں جو اس مقام پر گنوائی جا سکتی ہیں جن کے ذکر سے طول ہو جائے گا۔ اور منصف مزاج انسان کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ اب جناب رسولؐ کی نشاندہی کا جائزہ لیں تو ان احادیث کی طویل فہرست ہے جو اس ذیل میں ذکر کی جا سکتی ہیں البتہ مناسبت مقام سے بعض کا ذکر ناگزیر ہے۔

۱۔ حدیث منزلت جو صحیح بخاری صحیح مسلم اور مسند احمد وغیرہ میں بھی منقول ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؑ کو فرمایا اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی حضرت رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کو ہارون سے مشابہت دے کر فرمایا کہ حضرت ہارون کے لئے جو خصوصیات تھیں وہ تجھ میں ہیں سوائے نبوت کے اور باتفاق علماء اسلام حضرت ہارون معصوم تھے اور روایت مذکورہ کو فضل بن روزبہان جیسے متعصب نے بھی تسلیم کیا ہے۔

۲۔ بروز خندق حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا برز الایمان کلہ الی الشرک کلہ کہ سارے کا سارا ایمان سارے کے سارے شرک کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔ کیا غیر معصوم کو عین ایمان کہا جا سکتا ہے؟ اور عمرو بن عبدود کے مارے جانے کے بعد حضورؐ نے فرمایا علیؑ کی یہ ضربت ثقلین کی عبادت سے افضل ہے یا میری امت کے قیامت تک کے اعمال سے افضل ہے۔ کیا یہ عصمت نہیں تو اور کیا ہے؟ حدیث مذکور کو فضل بن روزبہان نے بھی تسلیم کیا ہے۔

۳۔ حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا۔ لا یحبک الا مومن ولا یبغضک الا منافق جس کو امام احمد بن حنبل نے مسند میں ذکر کیا ہے اور فضل بن روزبہان نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ کیا خطاکار کی محبت ایمان کی نشانی ہو سکتی ہے یا خطاکار سے بغض رکھنا منافق کی علامت ہے؟ کھلے لفظوں نہ سہی التزاماً یہ حدیث حضرت علیؑ کی عصمت کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟

(۴) حدیث طیر جو کتب صحاح میں موجود ہے اور مسند احمد بن حنبل میں بھی مذکور ہے کہ حضرتؐ کے پاس ایک دفعہ بھونا ہوا پرندہ آیا تو آپ نے دعا مانگی اللھم ائتنی باحب الناس الیک یاکل معی فجاء علی فاکل معہ یعنی اے اللہ تو وہ بندہ بھیج جو تیری مخلوق میں سے تیرا محبوب ترین ہو۔ پس آپ کی دعا مقبول ہوئی اور حضرت علیؑ آئے اور حضرت رسالتمآبؐ کے ساتھ وہ پرندہ نوش فرمایا۔ یہ حدیث متواترات میں سے ہے اور صاف ظاہر ہے کہ خدا کا محبوب ترین بندہ غیر معصوم نہیں ہو سکتا۔

۵۔ ترمذی اور مستدرک حاکم اور دیگر کتب صحاح میں موجود ہے۔ حضورؐ نے فرمایا الحق مع علی و علی مع الحق لن یفترقا الخبر۔ کیا یہ الفاظ حضرت علیؑ کی عصمت کا کھلا اعلان نہیں کر رہے۔ کیا خطاکار بھی حق سے جدا نہیں ہو سکتا؟

اس باب کی حدیثیں کافی جمع کی جا سکتی مثلاً حدیث نور حدیث ثقلین حدیث سد الابواب حدیث مواخاۃ وغیرہ

ان تصریحات کے بعد کیا کوئی منصف مزاج انسان کہہ سکتا ہے کہ معصوم پر نص وارد نہیں اور نہیں معصوم کا تعارف نہیں کرایا گیا؟ البتہ فخر الدین اور اس کے ہمنوا ان لوگوں کی عصمت کے خواہش مند ہیں اگر ان کے متعلق تصریحات نہیں تو کیا بھی کوئی ایسی منقبت مذکور ہوتی جس سے ان کی عصمت کا شائبہ ہو سکتا تو یقیناً اسے ببانگ دہل اچھالتے لیکن عصمت کی نصوص ان لوگوں کے متعلق ہیں جن کو یہ لوگ پیچھے ہٹانے کے درپے ہیں اور اگر انہیں معصوم تسلیم کر لیں تو انہیں آگے کرنا پڑتا ہے۔

پس یہ عذر ہی سوچا کہ کسی کے متعلق عصمت کی نص ہے نہیں لہذا اولی الامر کے مصداق افراد معینہ نہیں ہو سکتے۔

اب ذرا ان سے پوچھا جائے کہ حضور! جن ارباب حل و عقد کا فیصلہ حجت قرار دیا جا رہا ہے اور آیت اولوالامر کا ان پر انطباق کیا جا رہا ہے۔ آیا ان کے متعلق کہیں عصمت کی نص آپ کے پاس پہنچ چکی ہے اور کیا ان کی نشاندہی جناب رسالتمآب نے کر دی تھی

تہافت اور تناقص گوئی کی یہ حد کہ ایک دفعہ تو کہا کہ معصوم مجموع امت یا فرد پھر دلیل میں فرد کی نفی کر کے ارباب حل و عقد کو سامنے لے آئے ثابت تو یہ کرنا تھا مجموع امت کی عصمت کو جس کے لئے افراد کی عصمت کو راستہ سے ہٹایا لیکن جب مجموع امت سے ہموار پر نظر ثانی کی تو بجائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ افراد کو پھر پیش کیا جائے لیکن الفاظ تبدیل کر دیئے اور کہہ دیا ارباب حل و عقد۔ سبحان اللہ! عجیب منطق لڑائی اور خوب علمی طریق سے بحث کی۔

کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ مجموع امت اولوالامر کا مصداق ہے تو اطیعوا کا حکم ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں یا یہودیوں وغیرہ کو ہو رہا ہے اور ارباب بست و کشاد اگر اس کا مصداق ہیں تو کیا یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کے خطاب سے وہ خود باہر ہوں گے یا وہ بھی کسی صاحب الامر کی اطاعت کے نیچے ہوں گے۔ اور نیز اگر باقی امت ہی اس خطاب سے مخصوص ہے تو وہ ارباب حل و عقد کون کون معصوم ارباب حل و عقد گذرے ہیں اور موجودہ زمانہ میں کون کون ہیں؟

اگر یہ کہا جائے کہ ہر دور کے ارباب حل و عقد اگرچہ انفرادی طور پر ہر ایک غیر معصوم ہوتا ہے لیکن ان کا متفق علیہ حکم واجب الاتباع ہوتا ہے۔ پس ان کا متفقہ فیصلہ ہی اولوالامر کا مصداق ہے جیسا کہ فخر الدین رازی بھی اسے اجماعی فیصلہ کی حجیت کی دلیل بنا رہا ہے۔ تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ جب انفرادی طور پر ارباب حل و عقد میں سے ہر ایک سے غلطی کا امکان ہے تو یہ سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ چند غلط کاروں کا مجموعی اتفاقی فیصلہ کیسے عصمت کی صفت سے متصف ہو سکتا ہے؟ اور مشاہدہ حال بتلاتا ہے کہ ارباب حل و عقد کا فیصلہ جو آج ہوا ہے کل وہی ارباب حل و عقد پہلے فیصلہ کے خلاف ہو رہے ہیں۔ کیا عصمت اسی کا نام ہے؟

اگر تاریخ و حدیث کا جائزہ لیا جائے تو اسلام کے دور اول میں صحابہ کرام کے فیصلوں میں کبھی اتفاق نہیں ہو سکا۔ چنانچہ گذشتہ ابحاث میں گذر چکا ہے حضرت ابن عباس حضرت ابن مسعود اور حضرت علی وغیرہ جواز متعہ

کے قائل تھے اور حضرت عمر نے اس کی حرمت کا اعلان فرمایا۔ ماہِ رمضان کی نمازیں حضرت ابوبکر کے زمانہ میں باجماعت نہیں ہوتی تھیں اور حضرت عمر نے ان کو باجماعت پڑھنے کا حکم دے دیا اور اس قسم کے ہزاروں مسائل ہیں جن میں صحابہ کرام کا باہمی طور پر اتفاق نہ تھا۔ پھر یہی اختلاف فتاوے تابعین اور تبع تابعین میں چلا آرہا اور آئمہ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہ حضرت امام شافعی حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت امام مالک اور اس دور کے باقی مفتیان کے فتاوے کا جائزہ لیجئے بہت کم ایسے مسائل ہوں گے جن میں ان آئمہ کا اختلاف نہ ہو بلکہ میرے خیال میں تو ہر مسئلہ اختلاف کا شکار رہا ہے تو دریں صورت اربابِ حل و عقد کی اطاعت کیسے ہوگی اور ان کے فیصلہ پر عصمت کا لیبل کس طرح چسپاں ہوگا؟

ہاں یہ سب کچھ نتیجہ ہے رسولؐ کی وصیت کو بھلا دینے کا اور اہلبیت عصمت کو پیچھے ہٹانے کا اور یقیناً اگر وصیتِ رسولؐ کے مطابق مسلمانوں نے ثقلین یعنی کتاب اور عترت طاہرہ ہر دو سے تمسک کیا ہوتا۔ تو اس تاریکی میں پھنسنے اور اس خاردار وادی میں الجھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی اور اسلام کا شیرازہ منتشر نہ ہوتا۔ حضورؐ نے حجت تمام کر دی۔ اِنّی تارکٌ فیکمُ الثقلین کتاب اللہ وعترتی ما ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی۔ یہ حدیث احادیثِ متواترہ میں سے ہے اور اس کی نقل پر شیعہ سنی متفق ہیں۔ ہم نے تفسیر کی جلد اول یعنی مقدمہ تفسیر میں بعض عبارتیں درج کر دی ہیں۔ اور اس تمام بحث کے بعد یہ چیز اظہر من الشمس ہے کہ اولوالامر کا مصداق سوائے خاندان عصمت کے اور کوئی نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اور یہی وہ ہستیاں ہیں جو صفتِ عصمت سے متصف ہیں اور جن کی عصمت پر آیہ تطہیر خداوند کریم نے بطور مہر کے ثبت کر دی ہے اور اس آیت مجیدہ میں تمام ایمان والوں کو دعوت دی ہے کہ انہی کی اطاعت کرو اور انہیں کو خدا اور رسولؐ کے بعد اپنا حاکم اور مقتدا سمجھو اور جناب رسالتمآبؐ نے مقام غدیرِ خم پر ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں بازو سے پکڑ کر اعلان فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ جو کہ تواتر سے ثابت ہے۔

اولوالامر کا معیار

جن لوگوں کی اطاعت کا حتمی طور پر خدا حکم دے ان کا کوئی معیار ہونا ضروری ہے چونکہ دینِ اسلام بنی نوع انسان کی دینی و دنیاوی فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔ پس وہ اولوالامر جن کی اطاعت اللہ کی طرف سے واجب ہو وہ ایسے ہوں جو دین و دنیا کی انسانی کامیابی میں انسان کے پیش رو بن سکیں۔ جناب رسالتمآبؐ چونکہ بنی نوع انسان کے دین و دنیا کے ہر دو شعبوں میں رہبر کامل تھے اور معصوم تھے اور نیز اولوالامر کی اطاعت کو بھی رسولؐ کی اطاعت کے برابر کہا گیا ہے تو گویا اولوالامر رسولؐ کی عدم موجودگی میں رسولؐ کے قائم مقام کی حیثیت سے انسانوں میں فرائضِ قیادت انجام دینے والے ہوں گے اور جس طرح رسول انسانوں کے رہبر کامل تھے اسی طرح اولوالامر کو بھی رہبرِ کامل ہونا چاہیے اور رہبرِ کامل کے لئے جن جن اوصاف کا ہونا ضروری ہے وہ اولوالامر میں ہونی ضروری۔ اس لحاظ سے تمام انسان بحیثیت شاگرد کے اور رہبر کامل بحیثیت استاد کے ہوں گے۔

سکول کے لڑکے اپنی رہنمائی کے لئے اور کورس میں عبور اور کامیابی کے لئے خود اپنے میں سے کسی کو بحیثیت مدرس

منتخب نہیں کر سکتے اور ایسا کرنے کے بعد قطعاً وہ کامیابی کے امیدوار نہیں ہو سکتے اور نہ لڑکوں میں ان کے ارباب حل وعقد
یہ فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ سب کے سب محتاج ہیں تعلیم حاصل کرنے کے اور قاعدہ ہے کہ فاقد الشئی
معطی الشئی نہیں ہو سکتا۔ یعنی جس کے پاس ایک شئی موجود نہیں وہ اس شئے کا دوسرے کے لئے داتا نہیں ہو سکتا۔ پس
مدرس سکول کے لئے ضروری ہے کہ اس میں ایک جوہر ہو اور اس کا ایک معیار ہو جس کے ماتحت وہ ان لڑکوں کی تعلیم وتربیت
کے لئے اہل قرار دیا جا سکے۔ اسی طرح بیماروں کے علاج کے لئے ان ہی میں سے ارباب حل وعقد ان کی بیماری کے علاج کیلئے
کافی نہیں اور نہ ان کا اجماع کسی صحیح اور کامیاب پروگرام مرتب کرنے پر قادر ہو سکتا ہے۔ بلکہ ان کے علاج کے لئے ایک ڈاکٹر
کی ضرورت ہے جو ایک معیار پر فائز ہو۔ علیٰ ہذا القیاس۔ تمام بنی نوع انسان بحیثیت روحانی مریض کے سمجھئے یا انسانیت کی
صحیح فطری تعلیم کے طالب علم سمجھئے جنہیں خدا اور رسولؐ کی اطاعت کے بعد اولوالامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے اور دین ودنیا
کی کامیابیوں کے لئے ان سے درس حاصل کر کے اس پر عمل پیرا ہونے کا ارشاد ہے۔

بعض جہال کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر اولوالامر سے مراد علیؑ اور یکے بعد دیگرے ان کی نسل سے آئمہ طاہرینؑ ہوتے تو خدا نے
ان کا نام بیان کر دیا ہوتا۔ یہ بات صرف عقل وفکر کے اندھے ہی کہہ سکتے ہیں کیونکہ جب ایک چیز کا معیار قائم ہو اور ان
معیاری صفات میں صرف چند افراد ہی امتیازی حیثیت کے حامل ہوں اور پھر کہا جائے کہ فلاں معیار والوں کی اطاعت
واجب ہے تو کیا اب بھی کوئی شک وشبہ کی گنجائش ہے اور کوئی کہہ سکتا ہے کہ نام کیوں نہیں لیا گیا مثلاً جب کہا جائے
کہ جس کے پاس ڈاکٹری کی سند ہو۔ علاج کے لئے اس کی طرف رجوع کرو اور پورے ملک میں سند صرف ایک ہی شخص کے
پاس ہو تو کیا کسی صاحب انصاف کو کہنے کی مجال ہے کہ اس کا نام نہیں لیا گیا۔ بڑا سوال یہ ہے کہ نشاندہی نہیں کرائی
اور نام نہیں لیا گیا۔ کیا جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو اس وقت صحابہ کو اس کے مصداق کی تعیین کی ضرورت نہ تھی۔ بلا ضرورت
امور کے متعلق سوال کرتے تھے۔ مثلاً چاند کیا چیز ہے اور روح کیا چیز ہے؟ وغیرہ اور اولی الامر کی تعیین کے متعلق کیا کسی نے سوال
نہ کیا ہو گا کہ ارباب حل وعقد کو اس کے حل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ہاں! ضرور سوال کیا ہو گا بلکہ کیا تھا۔ اور نشاندہی بھی
کرائی گئی تھی۔ نیز خم غدیر کا فرمان اسی سوال کا جواب تھا جو متواتر منقول ہے لیکن چونکہ منشاء کے مطابق نہ تھا اس لئے دبانے
کی کوشش ہے اور زبان پر رٹ جاری ہے کہ حضورؐ نے نشاندہی نہیں کرائی لیکن کیا ارباب حل وعقد کی نشاندہی کرائی تھی تو
چپ۔ ہاں نشاندہی بھی کرائی تھی نام بھی بتلائے تھے اور معیار بھی بیان کیا تھا لیکن مانے کون؟

قرآن مجید میں اطاعت کے لئے جو خدا کی طرف سے معیار مقرر ہے وہ خدا نے ایک مقام پر اہل اسلام کے تنبہ
کے لئے ذکر فرما دیا ہے چنانچہ طالوت اور جالوت کا قصہ اس کا بیّن شاہد موجود ہے۔ جب نبی سے استدعا کی گئی کہ ہمارے
لئے ایک واجب الاطاعت حاکم مقرر کیا جائے تو نبی نے جواب دیا خدا نے اس معاملہ میں طالوت کو منتخب کیا ہے انہوں نے
مل جل کر طالوت کے خلاف محاذ قائم کیا اور اس کے انتخاب پر نکتہ چینی کی تو نبی نے معیار انتخاب واضح کر دیا کہ چونکہ وہ

علمی اور جسمانی حیثیت سے ممتاز ہیں۔ لہٰذا وہی اس عہدہ کے اہل و سزاوار ہیں۔ وہاں بھی ارباب حل و عقد نے اجماع کیا اور نبی سے اپنے اجماعی فیصلہ کے منوانے کی سعی بلیغ کی لیکن نبی نے ان کی ہر بات کو ٹھکرا کر رکھ دیا اس کی تفصیلی بحث تفسیر کی تیسری جلد میں گذر چکی ہے۔

جب نبی نے کھلے لفظوں ارباب حل و عقد کے اجماعی فیصلہ کو رد کر دیا اور خدائی معیار انتخاب ان کے گوش گذار کر کے انہیں خاموش کر دیا اور خدا نے قرآن مجید میں اس واقعہ کو دہراتے ہوئے نبی کے اس فعل پر نکتہ چینی کرنے والوں کو مذمت کے لہجہ میں یاد فرمایا تو کیا یہ واقعہ خدا نے صرف قصہ خوانی کے طور پر قرآن مجید میں بھرتی کیا ہے اور کیا قرآن کی ہر ہر آیت اور اس کا پیش کردہ ہر مضمون اسلام والوں کی ہدایت کے لئے نہیں؟

اسی پارہ کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت میں ارشاد ہے يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ الخ یعنی خدا چاہتا ہے کہ تمہارے لئے بیان کرے اور تمہیں چلائے ان لوگوں کے راستہ پر جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں تو کیا طالوت کا انتخاب اور ارباب حل و عقد کے اجماع کی تردید اور مذمت پہلے لوگوں کا قصہ نہیں جو ہمارے لئے ایک اسوہ حسنہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت آدمؑ کی خلافت کا اعلان ہوتے ہی ملائکہ کا مقدس اجماع ان کی خلافت کے متعلق بارگاہ رب العزت میں عرض گذار نہیں ہوا تھا جب ان کے سامنے معیار انتخاب پیش کیا گیا اور وہ تھا علم تو ملائکہ نے فوراً اپنا سوال واپس لے لیا تھا اور آدمؑ کے سامنے سربسجود ہو کر اپنی غلطی کی تلافی کی تھی۔ کیا قرآن کے اس قسم کے واقعات سے ہم درس عبرت نہیں لے سکتے؟ کہ اولوالامر کے عہدہ کے لئے بھی وہی معیار ہونا ضروری ہے جو کسی خدائی طرف سے واجب الاطاعت انسان کے لئے ہونا ضروری ہے آیت مجیدہ میں چونکہ رسول کی اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم مطلق ہے اور بلا قید ہے یعنی یہ نہیں کہ اگر جائز حکم دیں تو اطاعت کرنا ورنہ اطاعت ساقط ہے جس طرح والدین کی اطاعت کا حکم دیا لیکن پابندی لگا دی کہ اگر ان کا حکم خدا کے دین کے خلاف ہو تو اس میں اطاعت ساقط ہے پس اولوالامر کی اطاعت میں یہ قید نہ لگانا اس امر کی دلیل ہے کہ ولی امر معصوم ہو گا ورنہ یہ قید ضرور لگا دی گئی ہوتی تو آیت سے ثابت ہوا کہ اولوالامر بھی رسولؐ کی طرح معصوم ہوتے ہیں۔

اسی آیت مجیدہ سے پہلی آیت میں امانتوں کی ادائیگی اور رعایا کے درمیان عادلانہ فیصلے کا حکم ہے جس سے ولی الامر کا معیار خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ اور انداز آیت بتلاتا ہے کہ اس آیت کا مخاطب وہ ہے جس کو حکومت تفویض ہوئی ہے پس اس میں ان صفات کا ہونا ازبس ضروری ہے۔

(۱) صفت عدل رکھتا ہو اور یہ صفت کما حقہٗ معصوم میں ہی ہو سکتی ہے جس سے غلطی کا امکان نہ ہو۔

(۲) حکم کی نوعیت کو سمجھتا ہو اور خدائی فیصلہ کے ماتحت ان کے درمیان حکم کر سکتا ہو لہٰذا علم میں کمال رکھنا ضروری ہے۔

(۳) فیصلہ کرنے میں جرأت سے کام لے سکتا ہو۔ اگر فیصلہ کسی کے خلاف ہو تو اس سے دب کر حق کو چھوڑنے والا نہ ہو پس صفت شجاعت ضروری ہے۔

(۴) لوگوں کو اس پر اعتمادِ کلی ہو۔ خائن نہ ہو جبھی تو پہلے امانتوں کے رد کرنے کا ذکر فرمایا ہے بلکہ خود فیصلہ و حکم کرنا بھی ایک امانت ہے۔

اس آیت کے بعد فوراً حکم دے دیا کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اولوالامر کی اطاعت کرو تو سیاق آیت صاف بتلاتا ہے اور قرآن مجید میں تھوڑا سا تدبّر اور فہم رکھنے والا انسان خود سمجھ سکتا ہے کہ یہاں اولوالامر سے مراد وہ انسان ہے جو گذشتہ آیت کا مصداق ہوتے ہوئے ان صفاتِ مذکورہ بالا کا حامل ہو۔

صفتِ عدل کے متعلق آیتِ مباہلہ آیتِ تطہیر۔ آیتِ ولایت اور آیتِ صلوٰۃ وغیرہ پر مختصر عرض کیا جا چکا ہے کہ امتِ محمدیہ میں سے سوائے علی اور اس کی یکے بعد دیگرے معصوم اولاد کے کوئی بھی اس صفت سے کماحقہ متصف نہیں ہے اور صفتِ امانت خود بخود اس ضمن میں آجاتی ہے۔

علم کے متعلق تفسیر کی جلد اول یعنی مقدمہ ص۸۸ میں ہم نے بہت کچھ لکھا ہے جو منصف مزاج انسان کے لئے کافی ہے اور یہاں بھی چند احادیث کا دہرانا خالی از فائدہ نہیں۔

علامہ نے مسند احمد بن حنبل اور صحیح مسلم سے نقل کیا ہے کہ۔

لم یکن احد من اصحاب رسول اللہ یقول سلونی الا علی بن ابی طالب وقال رسول اللہ انا مدینۃ العلم وعلی بابھا

جناب رسالتمآبؐ کے صحابہ میں سے سلونی کا دعوے کرنے کی کسی کو جرأت نہ تھی سوائے علی بن ابی طالبؑ کے اور جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

اس پر فضل بن روزبہان جو ایک متعصب انسان گذرا ہے۔ کہتا ہے۔ یہ حدیث حضرت علی کے کثرتِ علم پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ حضرت کو وقائع مختلفہ کے جوابات معلوم تھے۔ اور متفرق علوم و معارف پر ان کو اطلاع تھی اور یہ سب باتیں مسلّم ہیں لیکن یہ چیزیں حضرت علی کی خلافت پر نص نہیں ہو سکتیں کیونکہ خلیفہ کے لئے اعلم ہونا ضروری نہیں بلکہ خلیفہ وہ ہونا چاہیے جو حوزۂ اسلامیہ کو محفوظ رکھ سکے اور امت کے لئے اصلح ہو اور اگر حضرت ابوبکر امت کے لئے اصلح نہ ہوتا تو لوگوں نے اس کو منتخب نہ کیا ہوتا۔

بریں عقل و دانش بباید گریست۔ میں اس بے ہودہ قول کا جواب نہ دینا بہتر سمجھتا ہوں۔ سابق قرآنی معیار حکومت کے سامنے اس نظریہ کو رکھ کر صاحبانِ انصاف خود اندازہ کرلیں کہ عالم کے مقابلہ میں جاہل سے اصلاح کی توقع کیا ہو سکتی ہے؟ اور کیا امت کا ایک بے علم کو انتخاب کر لینا خدائی معیار کو منسوخ کر سکتا ہے؟ حضرت طالوت کے انتخاب پر نظر رکھیں اور امت جن کو چننا چاہتی تھی۔ ان کی مذمت کو بھی ملحوظ رکھیں۔

۲۔ علامہ نے صحیح ترمذی سے نقل کیا ہے انا مدینۃ العلم وعلی بابھا اور بعض روایات میں ہے انا دار الحکمۃ وعلی بابھا

اس کے نیچے فضل بن روزبہان کہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ علی امت کے علماء میں سے تھے اور لوگ ان کی طرف علم میں محتاج تھے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ وہ حقائق و معارف اور علم کے پہنچانے میں جناب نبی علیہ السلام کے وصی تھے ولیکن بایں ہمہ وہ خلافت کے حقدار نہیں تھے کیونکہ خلافت کے لئے علم کی ضرورت نہیں)

۴۔ سیوطی نے لئالی مصنوعہ میں حاکم سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

من اراد ان ینظر الی آدم فی علمہ و نوح فی فہمہ و ابراہیم فی حلمہ و یحییٰ فی زہدہ و موسیٰ فی بطشہ فلینظر الی علی۔ جو دیکھنا چاہے آدم کو علم میں نوح کو فہم میں ابراہیم کو حلم میں یحییٰ کو زہد میں اور موسیٰ کو طاقت میں تو علی کو دیکھے

اس حدیث کی تردید فضل بن روزبہان جیسے متعصب سے بعید نہیں اس لئے کہ حضرت کی فضیلت اس کی آنکھ کا خار ہے اور ہم نے ثابت کیا ہے اپنے مقام پر کہ جب جناب رسالتمآبؐ تمام عالمین کے رسول ہیں اور انبیاء سے افضل ہیں تو جو بھی ان کا صحیح قائم مقام اور جانشین ہوگا وہ عالمین کا امام ہوگا اور عالمین سے افضل ہوگا۔ مقدمہ تفسیر میں حدیث ثقلین کے بیان میں ملاحظہ فرمایئے۔

اس کے علاوہ حضرت عمر نے متعدد مرتبہ اعتراف کیا لولا علی لہلک عمر اور ابن عباس حبر الامت کا قول ہے ما علمی و علم اصحاب محمد فی علم علی الا کقطرۃ فی سبعۃ ابحر۔ کہ میرا اور جملہ اصحاب رسالتمآبؐ کا علم حضرت علی کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا سات سمندروں کے مقابلہ میں ایک قطرۂ آب۔

صفت شجاعت۔ اسی جلد میں جنگ احد کے بیان میں بہت کچھ گذر چکا ہے۔ جنگ خندق میں انہیں کی ایک ضربت کو تمام امت کی یا ثقلین کی عبادت سے افضل قرار دیا گیا اور در بند خیبر حضرت علی کے متعلق ہی رسولؐ نے فرمایا۔ جس کو صحیح مسلم بخاری اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ سے نقل کیا گیا ہے۔ انی دافع الرایۃ غدا الی رجل یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ کرار غیر فرار لا یرجع حتی یفتح اللہ لہ۔ یعنی کل علم اس شخص کو دوں گا جو اللہ و رسول کا محب اور محبوب ہوگا جو کرار غیر فرار ہوگا۔ اور نہ پلٹے گا جب تک کہ خدا اس کو فتح نہ عطا کرے گا۔ اسی حدیث کے متعلق فضل کہتا ہے۔ یہ حضرت امیر علیہ السلام کے فضائل میں ایسی فضیلت ہے جس میں ان کا کوئی بھی شریک نہیں اور اس قسم کے اور بھی بہت سے فضائل ہیں الخ۔

احادیث میں سیر کرنے والا اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والا خود بخود اس نظریہ پر پہنچ سکتا ہے کہ حضرت علی امت محمدیہ میں تمام افراد امت سے افضل تھے اور جملہ صفات کمالیہ میں ان کی نظیر کوئی نہیں تھا۔ بشرطیکہ طبیعت میں انصاف ہو اور حسد و تعصب سے بالاتر ہو کر حقائق کا جائزہ لینے والا ہو۔ ورنہ اگر دھڑا بندی اور پارٹی بازی کا لحاظ ہو تو حب الشئ یعمی و یصم یعنی شے کی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیا کرتی ہے۔ کے مقولہ کے ماتحت حق تک رسائی مشکل بلکہ محال ہے۔ بالخصوص یہ صفات جو صاحبان حکومت الٰہیہ اور اولوالامر کے لئے ضروری ہیں ان کے متعلق شدید اکابر صحابہ کے اعترافات

موجود ہیں اور متعصب ذہنیت کے لوگ فضل بن روزبہان جیسے بھی ان کا انکار نہیں کر سکتے تو اس کے بعد یہ کہنا کہ خدا نے نام نہیں لیا۔ یا حضرت رسالتمآبؐ نے نص نہیں فرمائی۔ صرف حق سے کنارہ کشی اور حقائق سے روگردانی نہیں تو اور کیا ہے؟ نیز اسی آیت کا آخری جملہ ہے اگر تم کسی شی میں جھگڑا کرو تو اس کو خدا اور رسولؐ پر رد کرو جو فیصلہ وہ فرمائیں اسی پر عمل کرو اور ہمیں جب اولوالامر کی تعیین میں نزاع ہے کیوں نہ اس کا فیصلہ خدا اور رسولؐ سے کرا لیں اور خدا اور رسولؐ کا جب فیصلہ ہو جائے اور وہ صراحتاً بھی فرمائیں اور معیار کے ذریعے سے بھی بتائیں تو پھر ادھر ادھر جانا اور بہانے تلاش کرنا کیا فائدہ رکھتا ہے۔

اولوالامر کا مصداق حضرت علی اور ان کی عترت طاہرہؑ کو اگر قرار دیا جائے جیسا کہ نصوص صریحہ اس پر دال ہیں تو فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس نظریہ کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایک اور علمی مظاہرہ کیا ہے اور وہ یہ کہ خدا فرماتا ہے اولوالامر کی اطاعت کرو اور یہ ہے جمع کا صیغہ۔ اور مذہب شیعہ کے نزدیک ایک وقت میں صرف ایک ہی امام ہو سکتا ہے لہٰذا اس لحاظ سے بھی اولوالامر سے مراد مذہب شیعہ کے بارہ امام نہیں ہو سکتے۔

یہ صرف تعصب اور حسد ہی ہے جس کو اگلا جا رہا ہے۔ جس کو عوام بھی سمجھ سکتے ہیں کہ جب مجموع کی طرف ایک مجموع کا خطاب ہو تو اس سے مراد اپنے متعلقہ افراد ہی ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً حکومت وقت کا حکم جاری ہوتا ہے کہ تمام رعایا کو چاہیے کہ افسروں سے تعاون کریں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ملک کے ہر فرد کے لئے ہر ہر افسر سے تعاون ضروری ہے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر جگہ کے باشندوں کے لئے اپنے اپنے مقامی افسر سے تعاون کرنا ضروری ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں ہوتا کہ ایک ہی وقت میں ایک مقام پر زیادہ تعداد میں افسر مقرر کئے جائیں تاکہ رعایا کی طرف جمع کا خطاب صحیح ہو بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب ایک تبدیل ہو جائے اور دوسرا آ جائے۔ پھر تیسرا، پھر چوتھا پس رعایا کو اپنے مقامی افسر کی ہر دور اور ہر زمانہ میں اطاعت اور اس سے تعاون کرنا ضروری ہے اور قرآن کریم کا لہجہ کوئی نیا نہیں بلکہ یہ گفتگو عالم عرف کے ماتحت ہے۔ جس طرح فرماتا ہے اگر عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت یہ ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص ہر عورت کو طلاق دے اگرچہ صیغہ جمع کا ہے لیکن مقصد یہ ہے کہ اپنی منکوحہ عورت کو طلاق دو تو اس کی عدت یہ ہوگی۔ کہا جاتا ہے خدا نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی بھیجے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر فرد کے لئے وہ سب نبی بیک وقت تھے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ مجموعی طور پر ایسا ہوا ہے ورنہ ہر ہر زمانہ کے لئے الگ الگ نبی تھے۔

خداوند کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ نمازوں پر محافظت کرو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب نمازیں اکٹھی پڑھو بلکہ جس نماز کا وقت آتا جائے اسے ادا کرتے جاؤ وعلیٰ ہذا القیاس۔

اسی طرح یہاں بھی قیامت تک کے لئے جمیع امت کو خطاب ہے کہ اولوالامر کی اطاعت کرو یعنی ہر دور میں جب ولی الامر حق

امام کی پیروی کرو۔

اولوالامر کی تعیین

تفسیر برہان میں جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اَطِیْعُوا اللّٰہَ الخ نازل ہوئی تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو جان لیا لیکن یہ فرمائیے کہ وہ اولوالامر کون ہیں جن کی اطاعت آپ کی اطاعت کے ساتھ مقرون ہے تو آپ نے فرمایا اے جابر وہ میرے خلفا ہیں جو میرے بعد مسلمانوں کے امام ہوں گے۔ ان میں پہلا علی بن ابی طالب ہے۔ پھر حسن پھر حسین پھر علی بن الحسین پھر محمد بن علی جو تورات میں باقر کے لقب سے معروف ہے اے جابر تو اس کی زیارت کرے گا۔ جب ان سے ملنا تو میرے سلام ان کو پہنچانا۔ پھر جعفر بن محمد صادق پھر موسےٰ بن جعفر پھر علی بن موسےٰ۔ پھر محمد بن علی پھر علی بن محمد۔ پھر حسن بن علی پھر میرا ہمنام اور ہم کنیت محمد ہوگا زمین پر حجۃ اللہ اور مخلوق میں بقیۃ اللہ ہوگا۔ حسن بن علی کا فرزند ہوگا۔ اس کے ہاتھوں پر خدا مشرق و مغرب کی فتح نصیب کرے گا۔ جو کافی عرصہ اپنے شیعوں اور دوستوں سے غائب ہوگا اور اس کی غیبت کے زمانہ میں اس کی امامت کے اقرار پر وہی ثابت قدم رہے گا جس کا دل ایمان کے لئے امتحان کی کسوٹی سے پورا اتر گیا۔ جابر کہتا ہے میں نے عرض کی حضور! اس کی غیبت کے زمانہ میں اس کے وجود سے شیعوں کو کچھ فائدہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں جس نے مجھے برحق نبی بنا کر بھیجا ہے اس کی قسم شیعہ اس کے نور سے روشن ہوں گے اور اس کی ولا سے نفع مند ہونگے جس طرح سورج بادل میں آکر مخلوق خدا کو نفع پہنچایا کرتا ہے۔

نیز ابوبصیر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے اسی آیت مجیدہ کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا یہ آیت حضرت علیؑ اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہم السلام کے حق میں اتری ہے تو میں نے عرض کی حضور! لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے علیؑ اور اہلبیتؑ کا نام کیوں نہیں لیا؟ آپ نے فرمایا۔ خدا نے نماز کا حکم دیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس کی رکعتیں تین ہیں یا چار۔ پس جناب رسالتمآبؐ نے ہی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کا خدا نے حکم دیا اور یہ نہیں کہا کہ چالیس درہموں میں سے ایک دیا جائے تو رسالتمآبؐ نے تفصیل بیان کی۔ اسی طرح حج کا حکم دیا اور کیفیت نہیں بتلائی اور جناب رسالتمآبؐ نے تفصیل بیان کی۔ اسی طرح آیت اَطِیْعُوا اللّٰہَ الخ اتری اور جناب رسالتمآبؐ نے بیان فرمایا کہ یہ علیؑ اور حسنؑ اور حسینؑ کے حق میں ہے۔ حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ اور نیز فرمایا میں تم کو کتاب خدا اور اہلبیتؑ کی وصیت کرتا ہوں اور خدا نے میری دعا کو مستجاب فرمایا۔ پس یہ دونوں جدا نہ ہوں گی اور تمہیں حوض کوثر تک میرے پاس پہنچائیں گی پس تم لوگ ان کو مت سکھانا یہ تم سے اعلم ہیں اور یہ تمہیں کبھی ہدایت سے گمراہی کی طرف نہ لے جائیں گے اور پھر حدیث کساء کے ذریعے سے آپ نے اہلبیتؑ کی بھی تعیین فرمادی تاکہ آل فلاں اور آل فلاں اہلبیت ہونے کا دعویٰ نہ کردیں۔ چنانچہ اہلبیتؑ کی عصمت پر نص آیت تطہیر نازل ہوئی۔ پس علیؑ سب سے اولیٰ تھے اور ان کے بعد امام حسنؑ اور پھر امام حسینؑ اور ان کے بعد ان کی اولاد یکے بعد دیگرے اور اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ کی تاویل جاری رہی۔ حدیث طویل تھی میں نے اختصار کے پیش نظر اس کا خلاصہ عرض کردیا ہے۔ اسی مضمون کی احادیث بکثرت موجود ہیں ان میں سے بعض مقدمہ

تفسیر میں بھی ذکر کی جا چکی ہے۔ یہاں تک یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اولوالامر سے مراد حضرت علی اور اس کی عترت طاہرہ ہے جو یکے بعد دیگرے عہدۂ امامت پر فائز ہیں اور سب کے سب گناہان صغیرہ و کبیرہ سے پاک و معصوم ہیں اور اس وقت اس آیت مجیدہ کا مصداق حضرت ولی عصر صاحب الزمان عجل اللہ فرجہ علیہ السلام موجود ہیں جو ہماری آنکھوں سے غائب ہیں جب اللہ کا حکم ہو گا وہ ظہور فرمائیں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے پُر کریں گے جس طرح کہ جور و ستم سے پُر ہو چکی ہے

اللھم عجل فرجہ واجعلنا من انصارہ۔

تنبیہ اس آیت مجیدہ کو بعض ذاکر و واعظ پیش کر کے اس سے ثابت کرتے ہیں کہ اہلبیت طاہرین خالق ہیں۔ ان کا استدلال اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ چونکہ خدا نے ان کو اولوالامر کہا ہے اور خدا نے اپنے امر کی تعریف کی ہے۔ اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ یعنی خدا کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی کے متعلق ارادہ کرے کہ ہو جا تو وہ چیز ہو جایا کرتی ہے جب خدا نے کہہ دیا یعنی امر کے مالک تو کُن کہنے والے یہی ہیں اور انہی کے ارادہ اور امر کن سے مخلوق پیدا ہو رہی ہے۔ وغیرہ وغیرہ خداوند کریم ایسے عقیدہ رکھنے والوں کو تباہ کرے جو مذہب امامیہ حقّہ کو بدنام کرنے کے درپے ہیں انہیں یہ معلوم نہیں کہ یہ خدا کا امر تکوینی ہے۔ اور امر تکوینی کا تعلق ذات آمر سے ہی ہوا کرتا ہے اور اہلبیتؑ کو جس امر کا اختیار دیا گیا وہ امر تشریعی ہے۔ ہاں اولوالامر میں الامر چونکہ مطلق ہے اس لئے ان کو یہ اشتباہ ہوا ہے لیکن یہ ان کی لاعلمی یا دریدہ ذہنی کا ہی نتیجہ ہے کیونکہ امر تکوینی کبھی قابل نیابت ہو سکتا ہی نہیں اور جو امر قابل نیابت ہے وہ صرف امر تشریعی ہے اور امر تکوینی کا ناقابل نیابت ہونا ہی اس کا مقید ہے لہٰذا علیحدہ قید لانے کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ چونکہ ایک علمی بحث ہے اس کا پھیلانا ناظرین کتاب کے لئے الجھن کا باعث ہو گا لہٰذا اس مسئلہ کو یہیں ختم کرتا ہوں اور واعظین و ذاکرین کرام کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ وہ اپنے عقائد کو مضبوط کریں اور وجاہت دنیا اور اس کے عارضی مفاد کی خاطر قرآن سے غلط نظریہ نہ خود قائم کریں اور نہ عوام کے عقائد کو تباہ کریں۔ خدا ہر شے کا خالق و مالک ہے اور محمد و آل محمد اس کی مخلوق میں سے افضل و برتر مخلوق ہیں۔ اور اس کی جانب سے تمام کائنات کے حاکم ہے ان کی ولا موجب جنت اور ان سے عداوت موجب جہنم ہے اور یہی شیعی عقیدہ ہے۔

maablib.org

رکوع ٦

اَلَمۡ تَرَ۔ تفسیر برہان میں تہذیب سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ابو بصیر سے فرمایا تحقیق خدا جانتا تھا کہ امت میں حکام جور ہوں گے اور یہاں وہی حکام جور ہی مقصود ہیں۔ اے ابو بصیر! اگر تیرا کسی پر کچھ حق ہو اور تو اسے حاکم عادل کے فیصلہ کی دعوت دے لیکن وہ تجھے حاکم جابر کی طرف فیصلہ لے جانے کو کہے تو سمجھ لینا کہ وہ طاغوت کی طرف فیصلہ لے جا رہا ہے اور اسی کو حاکم مقرر کر رہا ہے۔

اس سے پہلی آیت میں واضح ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کو کس قسم کے حاکم کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ پس جو لوگ اللہ کی طرف سے حکومت کے اہل ہیں وہ حاکم عادل ہیں اور جو خدائی معیارِ حکومت سے الگ ہیں وہ اس آیت کے مصداق ہوں گے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ

کیا دیکھتے نہیں ان کو جو بزعم خود کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس پر جو نازل ہوا

اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَحَاكَمُوۡۤا

آپ پر اور جو کچھ نازل ہوا آپ سے پہلے۔ وہ چاہتے ہیں کہ آپس میں حاکم بنائیں

اِلَى الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ وَيُرِيۡدُ

شیطان کو۔ اور ان کو حکم دیا ہے کہ اس کا انکار کریں اور چاہتا ہے

الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ۝٦٠ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ

شیطان کہ ان کو گمراہ کرے انتہائی گمراہی اور جب ان کو کہا جائے

تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوۡلِ رَاَيۡتَ

آؤ طرف اس کے جو نازل کیا اللہ نے اور طرف رسولؐ کے تو دیکھے گا

الۡمُنٰفِقِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًا ۝٦١

منافق لوگوں کو روگردانی کرتے ہیں۔ آپ سے روگردانی کرنا

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ۔ اس میں بھی امت کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ خدا اور رسولؐ کے فیصلہ سے جی نہ چراؤ اور خدا و رسولؐ کے فیصلہ سے اعراض کرنے والوں کو منافق سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔

وجوب تقلید

چونکہ ہر زمانہ میں اولوالامر کی اطاعت واجب ہے اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے نائب عمومی یا نائب خصوصی کی طرف رجوع ضروری ہے پس زمانِ غیبت میں نائب عام مجتہد عادل کا فیصلہ شرعی

مومن کے لئے واجب القبول ہے اور اس کے فیصلہ کا انکار کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے امام حق کے فیصلہ کو ٹھکرایا چنانچہ معصوم نے فرمایا دیکھو جو شخص ہماری احادیث کا راوی ہو اور ہمارے حلال و حرام کو سمجھتا ہو اور ہمارے احکام کو جانتا ہو تو اس کو اپنے درمیان حاکم مقرر کرو، کیونکہ میں نے انہیں تمہارا حاکم مقرر کر دیا ہے،

فَكَيْفَ إِذَآ أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ

پھر کیسے جب انہیں پہنچے مصیبت بوجہ اس کے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے تو پھر

جَآءُوكَ يَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَٰنًا وَتَوْفِيقًا ۝ ٦٢

آجاتے ہیں قسمیں اللہ کی کھاتے ہوئے کہ نہ تھا ہمارا ارادہ مگر احسان اور اتفاق کا

أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ يَعْلَمُ ٱللَّهُ مَا فِى قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ

یہ لوگ جانتا ہے اللہ وہ جو ان کے دلوں میں ہے پس چشم پوشی کرو

عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِىٓ أَنفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيغًا ۝ ٦٣ وَ

ان سے اور نصیحت کرو ان کو اور کہو ان کو ان کے نفسوں کے بارے میں آخری بات اور

مَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ

نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے بحکم خدا اور اگر وہ

إِذ ظَّلَمُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَٱسْتَغْفَرُوا۟ ٱللَّهَ وَٱسْتَغْفَرَ

جب انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا تیرے پاس آجاتے پس اللہ سے خود بھی بخشش طلب کرتے اور

لَهُمُ ٱلرَّسُولُ لَوَجَدُوا۟ ٱللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۝ ٦٤

طلب بخشش ان کے لئے رسول بھی کرتا تو پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان

اسی بناء پر ہر بالغ و عاقل پر مجتہد جامع الشرائط کی تقلید واجب ہے تاکہ اس کے فتاوے سے اپنے اعمال کی اصلاح کرے۔ پس جس شخص کی جس مجتہد جامع الشرائط تک رسائی ہو سکتی ہو اور آسانی سے اس سے مسائل دریافت کر سکتا ہو اس کی تقلید اس پر واجب ہے اور جو لوگ اعلم کی تقلید کے وجوب کا اعلان کرتے ہیں ان کا دعوے بلا دلیل ہے اور معصوم کا فرمان عام ہے اس کی بلا دلیل تخصیص تصرف فے الدین ہے اور مسئلہ کی مزید وضاحت مقدمہ تفسیر میں ملاحظہ ہو

فَكَيْفَ إِذَا۔ روایات معصومین علیہم السلام میں ان آیات کے مخاطبین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اولوالامر کی تعیین میں جناب رسالتمآب کی عملی مخالفت کی اور آیات کا باہمی ارتباط بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ جب وہ حضور کی خدمت میں پہنچتے ہیں تو اپنی خیر خواہی کی قسمیں کھاتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں جو بات ہے سو وہ ہے تو جناب رسالتمآب کی تسلی کے لئے ارشاد ہے کہ ان کے دل کی باتیں میں جانتا ہوں۔ آپ ان سے چشم پوشی اور درگذر کا معاملہ کرتے رہیں

اور ان کو ان کے نفع یا نقصان کے متعلق صاف صاف اور آخری بات بتا دیں اور وہ یہ کہ میری مخالفت میں تمہارا انجام برا ہوگا وَلَوْ اَنَّهُمْ۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ۱۲ منافقین نے ایک جگہ جمع ہو کر آپس میں جناب رسالتمآبؐ کے قتل کرنے کی تجویز پاس کی اور جبرئیل نے آکر حضورؐ کو اطلاع دی پس آپ نے اپنے بھرے دربار میں فرمایا کہ تم میں سے جن جن آدمیوں نے یہ مشورہ کیا ہے وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوں گے لہٰذا کھڑے ہو کر اللہ سے معافی مانگیں اور اپنے گناہ کا اعتراف کرلیں تاکہ میں ان کے حق میں سفارش کروں لیکن کوئی نہ اٹھا اور حضورؐ نے کئی دفعہ اپنے فرمان کو دھرایا لیکن کوئی نہ اٹھا پس آپ نے نام لے کر فرمایا کہ تو کھڑا ہو تو کھڑا ہو اور آپ نے وہ بارہ آدمی گنے۔ پس انہوں نے کھڑے ہو کر اعترافِ جرم کیا اور توبہ کا اظہار بھی کیا لیکن آپ نے فرمایا اب یہاں سے نکل جاؤ۔ الخ۔ خداوندِ کریم اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرما رہا ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن آیت عام ہے اور ہر دور میں اس کے مصداقات جاری ہیں اور ہر مجرم کو توبہ کی طرف جلدی کرنے کی دعوت ہے۔

معیارِ ایمان

فَلَا وَرَبِّكَ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ طاغوت کی طرف فیصلہ بھی لے جائیں اور اس کو حاکم بھی تسلیم کریں اور ان کا دعوےٰ ایمان بھی سچا ہو۔ بلکہ ایماندار نہیں ہو سکتے۔ جب تک آپ کی حکومت کو تسلیم نہ کریں۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

ایسا نہیں تیرے رب کی قسم یہ لوگ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک تیری حکومت نہ مانیں اپنے باہمی جھگڑوں میں

لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۶۵

پھر نہ محسوس کریں اپنے دلوں میں تنگی اس سے جو تو فیصلہ کرے اور تسلیم کریں جس طرح تسلیم کا حق ہے

تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ وہ لوگ جنہوں نے علی کی ولایت کے اعلان کے خلاف باہمی معاہدے کئے ہوئے تھے۔ یہ آیت انہی کے متعلق ہے کہ وہ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک کہ باہمی مشاجرات یعنی اختلافی امور میں آپ کی حکومت کو تسلیم نہ کریں اور علیؑ کی ولایت کے متعلق جو کچھ آپ فیصلہ فرما چکے ہیں اس کو بدل و جان نہ قبول کریں اور ولایت علی کو اس طرح تسلیم کریں جس طرح تسلیم کرنے کا حق ہے۔

اور کافی سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر ایک قوم اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت گذار ہو نمازیں پڑھنے والے حج کرنے والے۔ زکوٰۃ دینے والے اور ماہِ رمضان کے روزے رکھنے والے ہوں لیکن خدا یا اس کے رسولؐ کے کسی فیصلہ پر یہ کہہ دیں کہ ایسا کیوں کیا، بلکہ اس طرح کرنا نہیں چاہیے تھا یا اپنے دلوں میں بوجھ اور تنگی محسوس کریں۔ تو یہ لوگ مشرک شمار ہوں گے۔ پھر آپ نے اپنے صحابہ سے متوجہ ہو کر فرمایا۔ تسلیم کو نہ چھوڑنا

تنبیہ جس طرح جناب رسالتمآبؐ کے ہر فیصلہ پر کیوں کرنا یا اس سے دل تنگی انسان کو ایمان سے خارج

کر دیتی ہے۔ اسی طرح ان کے بعد ان کے حقیقی خلفاء یعنی آئمہ طاہرین کے فیصلہ پر نکتہ چینی یا ان کے کسی فرمان پر دل کی کڑھن وغیرہ ایمان کی علامت نہیں بلکہ یہ منافی ایمان ہے اور اسی کو معصوم نے فرمایا ہے کہ شرک میں داخل کرتی ہے جبھی تو صحابہ کو تاکید کی کہ خبردار تم تسلیم کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ ہمارے عوام میں یہ مرض عام ہے کہ جب ان کو کسی مسئلہ میں الجھن پیدا ہوتی ہے یا نفس امارہ کسی بات کو نہیں مانتا تو وہ آئمہ کے فیصلہ پر اعتراض کرتے ہیں اور آئمہ کے فیصلہ کو خلاف عقل کہنے پر تل جاتے ہیں حالانکہ ہمارے عقول کی مجال نہیں کہ مسائل شرعیہ کے تمام مصالح کو سمجھ سکیں۔ اور نہ ان پر ضروری ہے کہ ہر حکم کی مصلحت کو ہر شخص کے سامنے بیان کرتے رہیں جہاں انہوں نے مناسب سمجھا صرف حکم بیان فرمایا اور وجہ بیان نہ کی بہر کیف مومن کا کام ہے تسلیم کرنا پس جہاں ہمارے عقول ان کی فرمائشات کی مصلحت سمجھنے سے قاصر ہوں تو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ یہ حکم خلاف عقل ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ حکم شرعی مطابق عقل ضرور ہے لیکن میری عقل اس کی مصلحت سمجھنے سے قاصر ہے۔ اور یہی ہے ایمان و تسلیم

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ
اور اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ قتل کرو اپنے نفسوں کو یا نکل جاؤ اپنے
دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ فَعَلُوْا مَا
گھروں سے تو نہ کرتے سوائے چند کے ان میں سے اور اگر کرتے وہ جس کی
يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّاِذًا
نصیحت کئے گئے البتہ خوب ہوتا ان کے لئے اور زیادہ ثابت قدمی کا موجب اور اس وقت
۶۸ لَّاٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَهَدَيْنٰھُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا
ان کو عطا کرتے اپنی جانب سے اجر عظیم اور ان کو توفیق ثبات دیتے راہ مستقیم پر

وَلَوْ اَنَّا تفسیر

مجمع البیان میں اس کا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اگر ہم ان پر اپنے نفسوں کا قتل اور گھروں سے جلاوطنی کا حکم صادر کرتے جیسا کہ قوم موسےٰ پر کیا تھا۔ اور انہوں نے اس پر عمل کرتے ہوئے اپنے نفسوں کو قتل بھی کیا تھا اور گھروں کو چھوڑ کر تیہ کی طرف نکل کھڑے تھے تو ان لوگوں سے یہ امید نہیں کہ عمل کریں۔ سوائے چند لوگوں کے اور وہ جناب رسالتمآبؐ کے صحابہ کی ایک جماعت تھی جنہوں نے کہا تھا کہ اگر ہمیں ایسے سخت احکام بھی دیئے جائیں تو ہم ماننے کو تیار ہیں۔ اور اللہ کی حمد ہے کہ اس نے ہمیں اس قسم کی سخت آزمائش سے محفوظ رکھا۔ اور عبداللہ بن مسعود اور عمار بن یاسر بھی انہیں میں سے تھے تو جناب رسالتمآبؐ نے ان کے حق میں فرمایا۔ میری امت میں ایسے بندے بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہے اور تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت علیؑ کی ولایت کے متعلق ہے کہ وَلَوْ اَنَّھُمْ فَعَلُوْا الخ یعنی اگر وہی کرتے جو انہیں کہا گیا ہے یعنی ولایت علیؑ کے بارے میں تو ان کے لئے خوب ہوتا اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ امام کی تسلیم میں انہیں حکم دیئے

ہیں تو سوائے چند آدمیوں کے کوئی بھی نہ ملے گا۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللہَ ۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے شان نزول کے متعلق ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کا ایک ثوبان نامی غلام تھا جو آپ کی محبت میں دیوانہ تھا۔ ایک دن حضورؐ نے دیکھا کہ اس کا رنگ متغیر اور جسم کمزور ہے۔ آپؐ نے وجہ پوچھی تو غلام نے عرض کی حضور! نہ مجھے بیماری ہے نہ درد، حقیقت یہ ہے کہ مجھے آپ کے دیدار کے بغیر آرام نہیں آتا اور جب میں آخرت کو یاد کرتا ہوں تو خیال گذرتا ہے کہ شاید وہاں آپ کے دیدار سے محروم ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ کا درجہ نبیوں کے ساتھ بلند ہوگا اور میں اگر جنت میں گیا بھی تو یقیناً آپ کی منزلت سے کہیں پست منزل میں ہوں گا۔ اور اگر جنت سے محروم ہو گیا تو آپ سے اور زیادہ دور ہو جاؤں گا۔ پس اسی فکر میں ہوں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

اطاعت گذاروں کا درجہ

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ
اور جو اطاعت کرے اللہ ورسول کی تو وہ ساتھ ان کے ہوں گے جن پر انعام کیا اللہ نے
عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ
نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور نیکوں میں سے اور بہترین
وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝
ہے ان کا ساتھ یہ فضل ہے اللہ سے اور کافی ہے اللہ جاننے والا

تفسیر برہان میں عیاشی سے منقول ہے۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ پر حق ہے کہ ہماری ولا والوں کو نبیوں صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کا رفیق بنائے۔ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ ابن بابویہ سے مروی ہے جناب ام المومنین ام سلمہ کہتی ہے میں نے جناب رسالتمآب سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا نبیین سے مراد میں ہوں اور صدیقین سے مراد علیؑ ہے اور شہداء سے مراد حسنؑ و حسینؑ ہیں، صالحین سے مراد حمزہ اور بہترین ساتھ آئمہ اثنا عشر ہیں۔ (آیت میں جمع کے صیغوں سے اشتباہ نہ کیا جائے کیونکہ حضورؐ نے اپنی امت کے لئے آیت مجیدہ کے مصداق تفسیر باطن کے لحاظ سے بیان فرمائے۔ واللہ اعلم)

بعض روایات میں نبیین کا مصداق جناب رسالتمآبؐ اور صدیقین و شہداء کا مصداق آئمہ طاہرینؑ اور صالحین کا مصداق شیعان اہلبیت کو کہا گیا ہے جیسا کہ کافی سے بروایت ابوبصیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اور آپ نے فرمایا اے ابو بصیر جس طرح خدا نے تمہیں صالحین کے خطاب سے ذکر کیا ہے۔ تم خود بھی صالحین میں اپنا نام پیدا کرو اور بعض روایات میں نبیین سے مراد جناب رسالتمآبؐ اور صدیقین سے مراد حضرت علیؑ اور شہداء سے مراد حضرت حمزہ اور صالحین سے مراد عترت طاہرہ لی گئی ہے۔ جیسا کہ بروایت امالی شیخ کتاب مصباح الانوار سے منقول ہے کہ انس بن مالک کے سوال کے جواب

ہیں جناب رسالتمآب نے آیت مجیدہ کی تفسیر بیان فرمائی اور یہ مصداق بیان فرمائے (بہرکیف اس قسم کے اختلاف روایۃ حدیث سے ہوجایا کرتے ہیں اور مقصد ایک ہی ہے)

خلقت نوری کی تفصیل

روایت مذکورہ میں انس کہتا ہے کہ جب آپ آیت کے الفاظ کے مصداق بیان کر چکے تو آپ کے چچا حضرت عباس جو حاضر مجلس تھے کھڑے ہوئے اور حضورؐ کے قریب آکر سامنے بیٹھ گئے۔ پھر عرض گذار ہوئے۔ حضور کیا ہیں اور آپ اور علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام سب ایک درخت سے نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا اس سوال کا مطلب؟ تو عباس نے عرض کی حضور! صرف علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کی ہی تعریف فرما رہے ہیں؟ حضور ہنس پڑے اور فرمایا یہ درست ہے کہ ظاہری خلقت میں ہم ایک درخت سے ہیں لیکن اے عم بزرگوار! خدا نے مجھے علیؑ فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو خلقت آدمؑ سے پہلے خلق فرمایا جب نہ آسمان کی بنا تھی۔ نہ زمین کا فرش۔ نہ ظلمت تھی نہ نور اور نہ جنت تھی۔ نہ نار اور نہ شمس و قمر تھے۔ پس عباس نے خلقت نوری کی تفصیل دریافت کی تو آپ نے فرمایا جب اللہ نے ہماری تخلیق کا ارادہ فرمایا تو پہلے نور کو پیدا کیا اور پھر روح کو خلق فرمایا۔ اور ان دونوں کو ملا کر مجھے اور علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو پیدا کیا۔ پس ہم اس وقت تسبیح گذار تھے جب تسبیح نہ تھی اور اس وقت ہم اس کی تقدیس کرنے والے تھے جب تقدیس نہ تھی (تقدیس کرنے والا کوئی نہ تھا) پس جب باقی مخلوق کو خلق فرمانا چاہا تو میرے نور سے عرش کو پیدا کیا۔ پس عرش کا نور میرے نور سے ہے لہٰذا میرا نور عرش سے افضل ہے پھر علیؑ کے نور سے ملائکہ کو خلق فرمایا پس ملائکہ کا نور علی کے نور سے ہے اور علی کا نور اللہ کے نور سے ہے لہٰذا ملائکہ کے نور سے علی کا نور افضل ہے۔ پھر زمین و آسمان کو فاطمہ کے نور سے خلق کیا۔ پس زمین و آسمان فاطمہؑ کے نور سے ہیں اور فاطمہ اللہ کے نور سے ہے لہٰذا فاطمہ آسمانوں اور زمین سے افضل ہے پھر حسنؑ کے نور سے شمس و قمر پیدا ہوئے پس شمس و قمر کا نور حسن کے نور سے ہے اور حسن کا نور اللہ کے نور سے ہے لہٰذا حسن شمس و قمر سے افضل ہے پھر حسینؑ کے نور سے جنت اور حور العین کو پیدا کیا تو جنت و حور عین کے نور سے ہیں اور حسینؑ اللہ کے نور سے ہے لہٰذا حسین جنت و حور سے افضل ہے۔ پھر ظلمات کو حکم دیا کہ چھا جائیں۔ چنانچہ آسمانوں میں تاریکی چھا گئی اور ملائکہ تسبیح و تقدیس کے ذریعے سے بارگاہ رب العزت میں عجز و انکساری سے عرض گذار ہوئے۔ اے ہمارے الٰہ و سید! جب سے تو نے ہمیں خلق فرمایا اور ان پاک انوار کی معرفت عطا کی۔ آج تک ہم نے یہ مصیبت نہیں دیکھی۔ پس ان پاک انوار کے واسطہ سے اس ظلمت کو دور فرما، پس خدا نے نور فاطمہؑ سے ایک قندیل نور کو ظاہر کر کے زیر عرش آویزاں کیا جس سے آسمان و زمین منور ہو گئے اور اسی لئے اس کو زہرا کہا جاتا ہے۔ ملائکہ نے عرض کی پروردگار! یہ نور زاہر کس کا ہے جس سے آسمان و زمین روشن ہو گئے۔ تو وحی ہوئی کہ یہ نور میں نے اپنے نور جلال سے خلق فرمایا ہے۔ میری کنیز جو میرے حبیب کی دختر میرے ولی کی زوجہ اور میرے برگزیدہ آئمہ کی ماں ہے اسی کا نور ہے اور تمہیں شاہد بنا کر کہتا ہوں اے ملائکہ! تمہاری تمام تسبیح و تقدیس کا ثواب اس پاک بی بی اور قیامت تک کے اس کے شیعوں

محب لوگوں کے لئے ہوگا، پس جب یہاں تک پہنچے تو عباس اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت علیؑ کی پیشانی کا بوسہ لیتے ہوئے کہنے لگے۔ یا علی خدا کی قسم خدا اور قیامت پر ایمان رکھنے والوں کے لئے تو ہی حجتِ بالغہ ہے۔

تنبیہ: ادائے امانت والی آیت کے بعد کی تمام آیات کا تسلسل اور روانی بتلاتی ہے کہ ان آیات میں اولوالامر کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے اور اس معاملہ میں تسلیم کی تاکید کی گئی ہے جیسا کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین تائیدی طور پر پیش کئے جا چکے ہیں۔ ہاں بعض آیات کے شانِ نزول کے خصوصی واقعات آیات کو انہی موارد پر بند نہیں کر سکتے۔ کیونکہ قرآن تا قیامت زندہ ہے اور اس کے مصادیق تا قیامت موجود ہونے ضروری ہیں۔ اسلوب قرآن سے واقفیت رکھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ ان آیات میں ایسی چیز کے متعلق پر زور تاکید کی گئی ہے جس کے ماننے سے دعوے ایمان کرنے والے کتراتے تھے اور ان کے دلوں میں کڑھن پیدا ہوتی تھی اور ظاہر ہے کہ نماز روزہ حج اور جملہ واجبات و محرمات ہیں مومنین نے کبھی جی نہیں چرایا تھا اور خدا نے ان جی چرانے والوں کو منافق کے خطاب سے بھی ذکر کیا اور رسولؐ کو ان کی تفہیم کا بار بار ارشاد فرمایا اور آخر کار کھلے لفظوں فرمایا کہ تمہارا ایمان ہرگز قابلِ قبول نہیں جب تک رسولؐ کے فیصلہ کو بدل و جان قبول نہ کرلو گے۔ یہاں تک کہ تمہارے نفسوں پر اس کا بوجھ تک نہ رہے اور کتب سیر و تاریخ صاف بتلاتی ہیں کہ وہ صرف حضرت علیؑ کی خلافت تھی جس کا آپ وقتاً فوقتاً اعلان فرماتے تھے اور آخر نتیجہ وہی ہوا جس کی پیشین گوئی قرآن کر رہا ہے۔

رکوع ۷

یہ آیات پھر جہاد کی ترغیب اور تیاری کے لئے ہیں۔

قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ:۔ مجمع البیان اور برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر تمام اہل آسمان و زمین مل کر یہ کلمہ کہہ دیں کہ خدا کا احسان ہے کہ ہم رسول اللہؐ کے ہمراہ نہ تھے تو سب کے سب مشرک ہو جائیں گے

كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جملہ یہاں معترضہ ہے اور اس کا ربط پچھلی آیت کے ساتھ ہے یعنی کلام میں تقدیم و تاخیر ہے کہ منافق جو پیچھے رہ جاتا ہے کہتا ہے شکر ہے کہ میں ان کے ہمراہ نہ تھا ورنہ میں بھی مبتلائے مصیبت ہوتا اور یہ فقرہ اس طرح دریدہ دہنی سے کہتا ہے گویا اس کا اور تمہارا کسی وقت آپس میں دوستانہ ہی نہ تھا اور اگر تم فتح یاب ہو جاؤ اور غنیمت لے آؤ تو کہتا ہے کاش میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ

اے ایمان والو لگاؤ ہتھیار پس روانہ ہو دستے دستے ہو کر یا

انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ

اکٹھے (لشکر بن کر) اور تحقیق بعض تم سے (جو منافق ہیں) پیچھے رہتے ہیں پس اگر تمہیں

مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ

پہنچے مصیبت تو کہتے ہیں خدا کا احسان ہے مجھ پر کہ میں نہ تھا ان کے ہمراہ

شَهِيْدًا ۝ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ

حاضر اور اگر ملے تمہیں اللہ کا فضل (غنیمت) تو کہتا ہے اس

لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ

طرح جیسے نہ تھی تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی ہائے افسوس میں ان کے ہمراہ ہوتا

فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ

تو حاصل کرتا بڑی کامیابی پس لڑنا چاہیئے اللہ کی راہ میں ان لوگوں کو جو

يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ

بیچتے ہیں زندگی دنیا کو بدلے آخرت کے اور جو لڑے راہ

اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

خدا میں تو قتل کیا جائے یا فتحمند ہو عنقریب دیں گے اسے اجرِ عظیم

تو میرا بھی اس غنیمت میں حصّہ ہوتا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تقدیم وتاخیر نہیں اور جملہ اپنے مقام پر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب مومنوں کو غنیمت ملے تو اس طرح جیسے تمہاری اور اس کی آپس میں کوئی راہ و رسم ہی نہ ہو صرف لالچ دنیا کے لئے کہتا ہے کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا۔ ہر دو صورت میں یَقُوْلَنَّ کا مقولہ یٰلَیْتَنِیْ۔ ہی ہے اور دوسرے ترجمہ کی صورت میں جملہ کَاَنْ لَّمْ تَکُنْ موضع نصب میں حال واقع ہوگا۔

رَبَّنَا اَخْرِجْنَا۔ تفسیر برہان میں بروایت عیاشی امام زین العابدین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہؑ کا ہجرت سے ایک سال قبل انتقال ہوا اور اس کے ایک سال بعد حضرت ابوطالب کا انتقال ہوا پس حضرت رسالتمآبؐ سخت رنجیدہ خاطر ہوئے تو وحی ہوئی کہ اُخْرُجْ مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا۔ یعنی اس ظالم لوگوں کی بستی سے نکل جاؤ اور مدینہ کی طرف ہجرت کر جاؤ کیونکہ مکہ میں تمہارا ناصر حامی کوئی نہیں رہا۔

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ۔ تفسیر برہان میں صادقین علیہما السّلام سے منقول ہے کہ اس کے مصداق ہم ہیں (باعتبار مصداقِ باطنی کے)

رَبَّنَا۔ حضورؐ کی ہجرت کے بعد کچھ مومن مکّہ میں رہ گئے جو کمزور تھے اسی طرح کچھ عورتیں اور بچے جن کو کفار ظلم وستم کا نشانہ بناتے تھے اور وہ دعائیں مانگتے تھے کہ پروردگارا ہمیں اس بستی سے نجات دے جس

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ
اور تمہیں کیا ہے کہ نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں اور کمزور
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ
مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لئے جو دعا مانگتے ہیں
رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا
اے پروردگار نکال ہمیں اس بستی سے کہ ظالم ہیں اس کے باشندے

کے باشندے ظالم ہیں تو خدا نے ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا چنانچہ مکہ فتح ہوا اور وہ مسلمان ظلم کے شکنجے سے نجات یافتہ ہوئے اور خدا اسی طرح دلی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔

اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ ۲۰۵: اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کے پیروکاروں کے پاس دلیل و برہان نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ شک و شبہات کی بناء پر لڑتے رہتے ہیں اور مومنوں کے پاس اپنے مذہب و عقیدہ کے لئے مضبوط دلائل ہوتے ہیں جو ان کے ثبات قدمی کا باعث بنتے ہیں۔

رکوع ۸

الم تر: جب مکہ میں قریش کے ظلم سے مسلمان تنگ آتے تھے تو جناب رسالتمآب سے درخواست کرتے تھے کہ ہمیں جہاد کا حکم دیجئے اور آپ انہیں نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے ابھی جنگ کا حکم نہیں آیا جب یہاں سے ہجرت کر کے مدینہ میں پہنچے اور بدر کی لڑائی کا حکم ہوا تو پھر کہنے لگے جہاد کیوں فرض ہو گیا ہے ابھی کچھ اور مہلت دی جاتی تو اچھا تھا۔ شان نزول خواہ کچھ ہو آیت قیامت تک چلے گی اور اس پر عمل کرنے والے قیامت تک ہوں گے اور ہر ہر زمانہ میں ایسے لوگ ہوا کرتے ہیں جن کو یہ آیت تنبیہ کرتی چلی جا رہی ہے اسی بناء پر تفسیر برہان میں متعدد روایات ہیں جن میں اس کا مصداق امام حسین علیہ السلام کے زمانہ والوں کو قرار دیا گیا جب کہ جہاد ان پر فرض تھا لیکن کوتاہی کر گئے۔

وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ

اور مقرر کر ہمارا اپنی طرف سے ولی اور مقرر کر ہمارا اپنی طرف سے

نَصِيرًا ۝ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ

مددگار جو لوگ ایمان لائے وہ لڑتے ہیں راہ خدا میں اور جو لوگ

كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ

کافر ہیں لڑتے ہیں راہ شیطان میں پس لڑو شیطان

الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۝ أَلَمْ تَرَ

والوں کے ساتھ تحقیق مکر شیطان کا کمزور ہے کیا نہیں

إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ

دیکھا ان کو جنہیں کہا گیا کہ روک لو اپنے ہاتھ (لڑائی سے) اور قائم کرو

وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ

نماز کو اور دو زکوٰۃ پس جب فرض ہوئی ان پر لڑائی تو ایک گروہ

مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَ

ان کا ڈرتا ہے لوگوں سے اللہ کے ڈر کی طرح یا اس سے بھی سخت اور

قَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ

کہتے ہیں اے رب کیوں فرض کی تو نے ہم پر لڑائی کیوں نہیں ٹال دیا اسے

ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کیا تم راضی نہیں ہو کہ نماز ادا کرو اور زکوٰۃ دو اور اپنی زبانوں کو محفوظ رکھو اور ان کے نتیجہ میں جنت پہنچو۔ اپنے موالیوں کو خطاب کر کے فرمایا خدا کی قسم اس آیت کے اہل تم ہو

تفسیر صافی میں عیاشی سے منقول ہے کہ امام حسن کے زمانہ میں لڑائی سے ہاتھ روکنے کا حکم ہوا اور امام حسین کے ساتھ جہاد کا حکم ہوا اور آیت مجیدہ کے وہ لوگ بھی مصداق ہیں۔

تنبیہ | عوام کو دھوکا میں ڈالنے کے لئے شاہ عبدالقادر نے کفوا ایدیکم[۱] کا ترجمہ کیا۔ ہے اپنے ہاتھ بند رکھو اور قائم کرو نماز اور تھانوی نے ترجمہ کیا ہے اپنے ہاتھوں کو تھامے رہو اور نمازوں کی پابندی رکھو تاکہ جہال تحت اللفظی ترجمہ دیکھ کر یہ سمجھیں کہ قرآن مجید نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم دے رہا ہے۔ حالانکہ یا تو غلط بلکہ تحریف تفسیر ہے اور مفسرین اہلسنت مثلاً فخر الدین رازی اور بیضاوی وغیرہ نے صاف لکھا ہے کہ اس سے مراد ہے جنگ سے ہاتھ روکو اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کرو۔

وَإِنْ تُصِبْهُمْ: جب یہودیوں کے پھلوں اور زراعت میں کمی واقع ہوتی تھی تو کہا کرتے تھے کہ یہ

أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ

کچھ وقت تک فرما دیجئے دنیا کا نفع تھوڑا ہے اور آخرت

لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝ أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِكُّمُ

بہتر ہے اس کے لئے جو اللہ سے ڈرے اور ظلم نہ کیا جائے گا تمہارے اوپر ذرہ برابر بھی جہاں کہیں ہو گے پالے گی

الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ ۗ وَإِنْ

تم کو موت اگرچہ ہو گے ایسے قلعوں میں جو مضبوط ہوں اور اگر ان کو

تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ

پہنچے اچھائی تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے

حضرت محمدؐ کی وجہ سے ہے اور جب آبادی اچھی ہوتی تو کہتے تھے یہ اللہ کی جانب سے ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جنگ احد میں جو خسارہ پہنچا ہے وہ آنحضرتؐ کی جانب سے ہی ہے لیکن غنیمت حاصل ہونے پر کہتے تھے یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ ممکن ہے ہر دو فریقین کی باتوں کو نقل کیا جا رہا ہو اور اسی کو علامہ طبرسی نے ترجیح دی ہے۔

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ: یہ خطاب جناب رسالتمآبؐ کی طرف ہے اور مراد امت ہے یا یہ کہ مطلق انسان کو خطاب ہے کہ جو اچھائی ہے وہ اللہ کی جانب سے ہے اور جو برائی ہے وہ خود تیرے نفس کی جانب سے ہے یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں خدا نے ہر اچھائی و برائی کو اپنی جانب منسوب فرمایا ہے اور دوسری آیت

ہیں تفریق کر دی ہے کہ اچھائی کو اپنی جانب اور برائی کو بندے کی طرف منسوب کر دیا ہے یہ کیوں؟ تو صادقین علیہما السلام نے اس کا حل اس طرح فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں حسنات و سئیات کو دو طریقوں پر استعمال کیا گیا ہے بصحت سلامتی امن اور وسعت رزق وغیرہ کو حسنات کہا ہے اور مرض خوف بھوک اور تکلیف وغیرہ کو سئیات سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے مقولہ کو نقل فرمایا وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ کہ وہ برائی کی بدشگونی کو حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں سے منسوب کرتے ہیں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسانوں کے نیک اعمال کو حسنات اور بد اعمالی کو سئیات سے تعبیر کیا ہے۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ
اور پہنچے ان کو برائی تو کہتے ہیں یہ آپ کی جانب سے ہے فرما دیجئے
كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ
سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے پس کیا ہے ان لوگوں کو کہ بات نہیں
يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ
سمجھ پاتے جو کچھ پہنچے تمہیں اچھائی تو اللہ سے ہو گی
وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ
اور جو کچھ پہنچے تمہیں برائی وہ تمہارے اپنے نفس سے ہو گی اور بھیجا ہے ہم نے آپ کو لوگوں
رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ
کے لئے رسول اور کافی ہے اللہ گواہ جو اطاعت کرے گا رسول کی تو تحقیق
اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝
اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو الٹا ہوا تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر نگران

پس پہلی آیت میں حسنات و سئیات کا پہلا معنی ملحوظ ہے اور دوسری آیت میں دوسرا معنی مراد ہے یا کہ دوسری آیت میں حسنات سئیات سے عام مراد ہو سکے پس حسنات تو اللہ کی جانب سے ہیں۔ دونوں معنوں کے اعتبار سے لیکن سئیات تو وہ پہلے معنی کے لحاظ سے اگرچہ ہیں اللہ کی طرف سے لیکن چونکہ وہ انسانوں کے بعض کرتوتوں اور غلط کاریوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ بندوں کی طرف بھی منسوب ہو سکتی ہے۔ اور سئیات کا دوسرا معنی تو بندوں کے سوء اختیار کا چونکہ نتیجہ ہے اس لئے ان کی طرف منسوب ہیں بلکہ اس صورت میں بھی اس لحاظ سے اللہ کی طرف ان کی نسبت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ افعال بد کی بنیادی طاقتیں اللہ کی جانب سے عطا شدہ ہیں پس دونوں آیتوں میں نسبت کی حیثیتیں الگ الگ ہیں۔

maablib.org

مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ انسان کو لکڑی سے کوئی خراش پہنچے یا رگ میں کوئی تکلیف ہو یا قدم پھسل پڑے تو وہ کسی گناہ کا بدلہ ہوا کرتا ہے اور خدا اس سے زیادہ معاف بھی کر دیتا ہے اور اس مطلب کی احادیث آئمہ طاہرینؑ سے بھی مروی ہیں۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ الخ تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا، چوٹی کی بات اور انتہائی کام کی بات جو تمام باتوں کی کلید کی حیثیت سے ہے اور جس میں اللہ کی خوشنودی مضمر ہے۔ وہ ہے امام کی اطاعت اور معرفت چنانچہ خدا اسی آیہ مجیدہ میں فرما رہا ہے۔ اگر کوئی شخص عمر بھر رات کی عبادت کرے اور دن کو روزہ سے رہے اور تمام مال راہ خدا میں خرچ کر دے اور حج بھی کرتا رہے لیکن اللہ کے ولی کی معرفت نہ رکھتا ہو اور اس کا موالی نہ ہو تاکہ اس کے اعمال اس کی رہبری سے ہوں تو اللہ پر اس کے اعمال کا کوئی بدلہ نہیں ہے اور نہ وہ اہل ایمان سے ہے۔ ہاں ان میں سے بعض نیکوں کو اپنے فضل سے جنت دے گا (شائد ان بعض سے مراد وہ لوگ ہوں جن کے کان میں کلمہ حق نہ پہنچا ہو اور اہلبیت سے اعلانیہ عداوت بھی نہ رکھتے ہوں۔ واللہ اعلم

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ

اور زبانی کہتے ہیں اطاعت قبول اور جب نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو رات کو مشورہ کرتا

مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ فَاَعْرِضْ

ہے ایک گروہ ان کا آپ کے فرمان کی مخالفت اور اللہ محفوظ کر لیتا ہے وہ جو رات کو کرتے ہیں پس

عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

ان سے درگذر کیجئے اور توکل کیجئے اللہ پر اور کافی ہے اللہ وکیل۔

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے تمام معاملات جناب رسالتمآبؐ کے سپرد فرمائے چنانچہ فرمایا وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا اور فرمایا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ اور جناب رسالتمآبؐ نے معاملہ حضرت علیؑ اور باقی آئمہ الطاہرینؑ کے حوالہ فرمایا پھر اپنے صحابیوں سے متوجہ ہو کر فرماتے ہیں تم نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے اور لوگوں نے انکار کیا ہے۔ پس خدا کی قسم ہم محبوب رکھتے ہیں کہ جو ہم کہیں تم کہو اور جس سے ہم خاموش رہیں تم بھی خاموشی اختیار کرو ہم اللہ اور تمہارے درمیان وسیلہ ہیں (الحدیث)

بَيَّتَ طَآئِفَةٌ۔ کافی سے مروی ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا اس سے مراد تین شخص ہیں فلاں فلاں اور ابو عبیدہ جراح۔

قرآن میں تدبر کرنے کی دعوت

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَہٗ ۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ان کو دعوت غور و فکر دی گئی ہے کہ ذرا قرآن کے معانی میں اس کے نظم و نسق میں فکر کرکے تو دیکھیں قرآن مجید میں جس قدر احکام بیان ہوئے ہیں ایک دوسرے سے ان کا ایسا جوڑ ہے کہ ان میں کہیں تصادم و اختلاف نہیں نہ ان میں کوئی عقلی خرابی ہے اور نہ لفظی سقم ہے انسان کو امورِ خیر کی دعوت ہے اور امورِ شر سے ممانعت کی گئی ہے حسنِ اخلاق نیکی اور زہد کی ترغیب سے بھرپور ہے اور جہاں اخبار و قصص کا بیان ہے وہ سب مبنی بر صدق و حقیقت ہیں علاوہ ازیں فصاحت لفظی سلاست اور معنوی اسلوب بیان میں جس معیار پر یہ کلام فائز ہے وہ صرف اسی کا ہی حصہ ہے اور اس میں اپنی نظیر خود آپ ہی ہے۔ پس جو شخص ان باتوں کا جائزہ لے گا اسے مجبوراً اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ کلام انسانی طاقت سے بلند و بالا ہے اور ناچار کہنا پڑے گا کہ یہ خالق کا کلام ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ
کیا تدبر نہیں کرتے قرآن میں اور اگر یہ ہوتا غیر اللہ کی طرف
لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ۝ ۸۲
سے تو پاتے اس میں اختلاف بہت

(ولو کان...) اس کی مزید وضاحت کے لئے فرماتا ہے کہ اگر یہ کلام مخلوق کا کلام ہوتا تو کسی کلام کی خوبی کے پرکھنے کے لئے جن جن پہلوؤں کا مدنظر رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے اس میں ہر پہلو کے لحاظ سے کوئی نہ کوئی عیب ضرور پایا جاتا۔ مثلاً حق و باطل کے بیان میں کہیں سقم کہیں اخبار گذشتہ کی واقعیت میں غلطی کہیں فصاحت و بلاغت کے انداز میں کوتاہی۔ کہیں احکام مبینہ میں تناقض اور کہیں سلاست و نظم مطالب کا فرق وغیرہ کیونکہ جب کلام طولانی ہو اور اسمیں مطالب بہت کثرت سے بیان ہوں عقلیات بھی ہوں نقلیات بھی اوامر بھی ہوں نواہی بھی اور خطاب میں بھی عوام و خواص سب داخل ہوں تو ناممکن ہے کہ کسی انسانی دماغ سے کسی پہلو میں تشنگی نہ رہے اور نہ کہیں سقم پیدا ہو لیکن قرآن مجید ان سب باتوں کے باوجود ہر پہلو کے لحاظ سے ہر سقم و عیب سے مبرا و منزہ ہے حتیٰ کہ عرب کے فصاحت و بلاغت کے چرچے کے زمانہ میں اس کے سامنے فصحاء زمانہ اور بلغاءِ عصر کی گردنیں جھک گئیں اور قرآن مجید کے بار بار چیلنج کرنے کے باوجود کسی کو مقابلہ کی جرأت تک نہ ہو سکی چنانچہ پہلے فرمایا اس کی مثل لاؤ۔ پھر فرمایا اس پورے کی مثل نہ سہی اس کے ایک سورہ کی مثل لاؤ اور بالآخر فرمایا چلو اسی معیار کے ماتحت ایک آیت ہی لے آؤ۔ تاہم تمام فصحاء و بلغاء اس کے جواب سے گنگ رہے اور قرآن مجید میں ایک ذرہ بھر بھی نقص و عیب پیدا نہ کر سکے پس قرآن میں ہر طرح بانج ہونے کے باوجود اس میں کہیں اختلاف و نقص و سقم کا نہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے ورنہ اگر

مخلوق کا ہوتا تو کچھ صحیح اور کچھ سقیم بعض حصہ بلیغ تو بعض گرا ہوا اور کہیں واقعات کے بیان میں صدق تو کہیں جھوٹ بھی آجاتا اور یہ اختلاف مخلوق کے کلام میں ناگزیر ہے لیکن اللہ کا کلام اس سے پاک و مبرا ہے۔ صدق اللہ العزیز الحکیم۔ قرآن میں تدبر کی دعوت اس امر کی دلیل ہے کہ اصول دین میں تقلید حرام ہے اسی لئے تو ان کو قرآن پر ایمان لانے کے لئے تدبر کی دعوت دی گئی ہے۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ :- مدینہ میں جو عام خبریں پھیلائی جاتی تھیں۔ مثلاً کسی وقت دشمنوں کے حملہ کی خبریں کہ وہ فلاں طرف سے آمادہ جنگ ہو کر آرہے ہیں اور کسی وقت، مومنوں کی فتح کی خبریں کہ فلاں مقام پر مومنوں کو فتح ہوئی تو بعض لوگ تو بغیر اس کے کہ ان اخبار کی تحقیق کی جائے اُن کی اشاعت پر زور دیتے تھے جس کی بدولت بعض اوقات

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ط

اور جب آئے ان کے پاس بات امن کی یا ڈر کی تو اسے پھیلا دیتے ہیں

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ

اور اگر اسے رد کرتے طرف رسول کے اور اپنے اولی الامر کے تو جان لیتے اسے

الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

وہ لوگ جو استنباط کرتے ہیں ان میں سے اور اگر نہ ہوتا فضل خدا تم پر

وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

اور اس کی رحمت تو تم تابعدار بن جاتے شیطان کے سوائے چند کے

مومنوں میں سنسنی سی پھیل جاتی اور سخت پریشانی کا سامنا ہوا کرتا پس خدا نے اس رویہ سے منع فرمایا اور ہدایت کی کہ آئندہ اگر کوئی ایسی بات ہو تو وہ رسول کو بتا دی جائے تاکہ اس کی پوری تحقیق ہو سکے اور چونکہ دین اسلام قیامت تک کے لئے ہے اور ہمیشہ اس قسم کے معاملات سے نپٹنا ضروری ہوا کرتا ہے لہذا رسول کی عدم موجودگی میں اس قسم کی اخبار کو رسول کے قائم مقام یعنی اولی الامر کے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا جو واقعات کی تحقیق کر کے اس پر مناسب عمل کی لوگوں کو دعوت دیں اور برمحل کارروائی کریں۔

وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ :- مجمع البیان اور برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اولوالامر سے مراد یہاں بھی آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں اور تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس .... سے مراد آل محمد ہیں اور وہی قرآن سے استنباط کر سکتے ہیں اور وہی حلال و حرام کو جانتے ہیں اور خلق خدا پر حجت ہیں۔

یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ۔ ھم کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے ان منافقوں کو بنایا ہے جو خبریں پھیلایا کرتے تھے [صفحہ ۲۱۳] حالانکہ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ جن کا ایمان درست نہیں ان کے استنباط کی مدح کس طرح ہوسکتی ہے۔

یہاں ھُمْ کی ضمیر کا مرجع اولی الامر ہیں اور مِنْ اس لحاظ سے بیانیہ ہوگا نہ کہ تبعیضیہ اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اولی الامر ہیں وہ ہی صحیح استنباط کر سکتے ہیں۔ اور اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ میں ھُمْ کی ضمیر کا مرجع اگرچہ منافقین ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان میں سے ہیں بلکہ یہ اس طرح ہے جس طرح رسول کے متعلق متعدد مقامات پر فرمایا ہے کہ اس نے ان پڑھ لوگوں میں رسول بھیجا جو ان سے ہے یا تمہاری طرف رسول بھیجا جو تم سے ہے یعنی تمہاری قوم و قبیلہ سے ہے یا تمہارے ملک و وطن سے ہے۔

بہرکیف تمام امت کو رسول اور اولی الامر کی طرف رجوع کی دعوت ہے اور اولی الامر کے استنباط کی خدا نے مدح فرمائی ہے اور جناب رسالتمآبؐ نے حدیث ثقلین اور دوسری متعدد احادیث میں فرمایا ہے کہ قرآن اہلبیتؑ کے ساتھ اور اہل بیت قرآن کے ساتھ ہیں اسی طرح علی قرآن کے ساتھ اور قرآن علی کے ساتھ ہے لہٰذا قرآن فہمی کے لئے بھی اولی الامر کے دروازہ پر جھکنا واجب اور ضروری ہے اور اس کے بغیر امتِ اسلامیہ کبھی اسلامی تعلیمات سے کما حقہ بہرہ ور نہیں ہوسکتی چنانچہ اس سلسلہ میں احادیث بکثرت وارد ہیں اور یہاں ان کا جمع کرنا باعث طول ہے اور جو کچھ نقل کی گئی ہیں اہل انصاف کے لئے وہی کافی ہیں اور صادقین علیہما السّلام سے مروی ہے کہ فضل سے مراد رسولخدا اور رحمت سے مراد حضرت علی ہیں۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ
پس جہاد کیجئے راہِ خدا میں. آپ مکلف نہیں مگر اپنے نفس کے لئے اور ترغیب
الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
دیجئے مومنوں کو یقیناً اللہ روک دے گا شدت ان کی جو کافر ہیں
وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۝
اور اللہ سخت گیر اور سخت سزا دینے والا ہے

فَقَاتِلْ: یہ خطاب صرف جناب رسالتمآبؐ کے لئے ہے اور مجمع البیان میں اس کے ارتباط کے دو قول منقول ہیں پہلے چونکہ گذر چکا ہے کہ جو راہِ خدا میں جہاد کرے گا خواہ قتل ہو جائے یا فتحمند ہو کر آئے دونوں صورتوں میں اس کے لئے اجرِ عظیم ہے۔ پس اس کا ربط اسی سے ہے یا یہ کہ پہلے فرمایا تھا ان کو کیا ہو گیا ہے کہ راہِ خدا میں جہاد نہیں کرتے پس یہ آیت اسی سے مربوط ہے لیکن جب جمع قرآن مجید میں ترتیب آیات کا لحاظ ہی نہیں اور نیز آیات قرآنیہ جی

الگ الگ مواقع پر اترا کرتی تھیں تو خواہ مخواہ ہر آیت کے لئے پچھلی آیت سے ربط تلاش کرنا فضول دماغ سوزی ہے
تفسیر برہان میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس آیت مجیدہ میں جناب رسالتمآب کو ایسا حکم دیا گیا ہے جو مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا گیا اور وہ یہ کہ تنہا جنگ کرو اگرچہ ساتھی کوئی بھی نہ ہو۔ اسی بنا پر ان کو حق بھی اپنے برابر دے دیا چنانچہ اپنے حق میں نیکی کرنے والے کے لئے فرمایا ایک کے بدلہ میں دس دوں گا پس رسولؐ کے حق میں نیکی کرنے والے کے لئے بھی دس گنا ثواب مقرر فرمایا چنانچہ رسول پر درود بھیجنے والے کے لئے ایک دفعہ درود کا بدلہ دس نیکیاں ہیں۔

مَنْ یَّشْفَعْ۔ اچھی اور بری سفارش کا معیار یہ ہے کہ ہر وہ کام جو شریعت مقدسہ میں جائز ہے اس کی سفارش اچھی اور ہر وہ کام جس سے شریعت نے منع کیا ہے اس کے متعلق سفارش بری اور ناجائز ہے۔ پس جو شخص کسی مومن کی جائز کام میں سفارش کرے خواہ اس کا کام ہو یا نہ ہو اس کو ہر صورت میں ثواب ملے گا اور جو شخص برائی میں کسی کی سفارش کرے تو جس طرح وہ گنہگار ہو گا یہ بھی گنہگار ہو گا اور بعضوں نے اس جگہ سفارش سے مراد دعا لی ہے یعنی

مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّکُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا
جو سفارش کرے اچھی سفارش تو ہو گا اس کے لئے حصہ اس کے اجر سے
وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّکُنْ لَّهٗ کِفْلٌ مِّنْهَا
اور جو سفارش کرے بری سفارش تو ہو گا اس کے لئے گناہ اس سے
وَکَانَ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا ۝
اور ہے اللہ ہر چیز کا نگران یا قادر

جو شخص امور خیر میں مومن کے حق میں دعا مانگے گا اس کو بھی اس سے حصہ دیا جائے گا۔ اور جو شخص مومن کے لئے بری سفارش کرے گا یعنی اس کے لئے بد دعا کرے گا تو وہ خود اس کے وبال میں گرفتار ہو گا اور بعض نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جو شخص دو مومنوں کے درمیان صلح کرائے گا اور ایک کی دوسرے کی طرف سفارش کر کے ان کے رنج کو دور کرے گا۔ اس کے لئے ثواب ہے اور جو چغلی لے کر ایک مومن کو دوسرے سے متنفر کرے گا وہ گنہگار ہو گا۔ نیز اس کا انجام اس کے حق میں اچھا نہ ہو گا۔ بہرکیف آیت مجیدہ کے الفاظ عام ہیں سب معانی مراد لئے جا سکتے ہیں۔

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے حق میں دعائے خیر کرے تو مقبول ہوتی ہے اور فرشتے دعا کرنے والے کو اس سے دو چند کی خوشخبری دیتے ہیں۔

سلام اور جواب سلام

وَإِذَا حُيِّيتُمْ۔ خداوند کریم نے مسلمانوں کو اتحاد و یگانگت کا درس دیتے ہوئے ان کو باہمی میل جول کے طریقے تعلیم فرماتے ہیں کہ جب مسلمان و مومن ایک دوسرے سے ملیں تو پہلے سلام و جواب سلام ہو یعنی جب ایک مومن دوسرے مومن کو سلام دے تو دوسرے کو اس سے اچھا جواب دینا چاہیئے ورنہ کم از کم اس جیسا جواب تو ضروری ہے مثلاً جب ایک کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ تو جواب میں کہا جائے وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ۔ اور جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جب اہل کتاب تمہیں سلام دے تو اس کے جواب میں صرف عَلَیْکُمْ کہو اور اس سے آگے نہ بڑھو یعنی اچھا جواب دینا یا اس جیسا جواب دینا صرف مومن کے لئے ہے

مسئلہ:۔ سلام دینا مستحب ہے لیکن جواب سلام واجب ہے کیونکہ اس کے متعلق امر وارد ہے اور اگر کافی آدمی موجود ہوں تو جواب سلام واجب کفائی ہوتا ہے۔ ان میں سے اگر ایک شخص جواب سلام دے دے تو باقیوں سے وجوب ساقط ہے لیکن اگر ایک شخص کو خاص طور پر سلام کہے تو اس کے لئے جواب دینا واجب ہو جاتا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر نماز پڑھتے ہوئے کو کسی نے سلام کہا تو نمازی پر انہی لفظوں میں اس کا جواب واجب ہوا کرتا ہے

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا
اور جب تمہیں سلام دیا جائے تو جواب سلام اس سے اچھا کرکے دو یا وہی پلٹا دو
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ۝ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا
تحقیق اللہ ہر شے کا بدلہ دینے والا ہے اللہ! نہیں کوئی معبود
هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَمَنْ
مگر وہی ضرور جمع کرے گا تمہیں روز قیامت اس میں کوئی شک نہیں اور
أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ۝
کون زیادہ سچا ہے اللہ سے بات میں

مجمع البیان میں صادقین علیہما السلام سے مروی ہے کہ تحیت سے مراد عام ہے خواہ سلام ہو یا کوئی اور نیکی۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی مومن دوسرے کے ساتھ کوئی نیکی کرے تو اس کے لئے اس کے جواب میں اس سے بڑھ کر نیکی کرنی چاہیئے ورنہ کم از کم اس جیسی تو ضرور کرے۔

(۲) برہان میں کافی سے منقول ہے جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا اگر کوئی شخص سلام کہے بغیر کوئی بات کرے تو اس کا جواب نہ دو بلکہ پہلے سلام اور پھر کلام کرو۔

(۳) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا حدیث قدسی میں ارشاد خداوندی ہے کہ بخیل وہ انسان ہے جو سلام میں بخل کرے۔

(۴) امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ سلام کہنے والے کو باآواز بلند سلام کہنا چاہیئے تاکہ وہ سن لے پھر اسے یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ میں نے سلام دیا اور جواب نہیں دیا گیا۔ اسی طرح جواب سلام کہنے والے کو بھی آوازِ بلند سے جواب دینا چاہیئے تاکہ سلام دینے والے کو شکوہ کا موقعہ نہ ملے اور فرمایا کہ حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ نہ خود غصہ کرو اور نہ کسی کو غصہ میں لاؤ۔ سلام کو عام کرو۔ کلام پاکیزہ کرو اور نماز شب پڑھو جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ پس سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوگے۔

(۵) امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص صرف السلام علیکم کہے اس کے لئے دس نیکیوں کا ثواب ہے اور جو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے اس کے لئے بیس نیکیوں کا ثواب ہوتا ہے اور جو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہے اس کے لئے تیس نیکیوں کا ثواب ہوتا ہے۔

(۶) تفسیر مجمع البیان میں ہے ایک شخص جناب رسالتمآبؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا السلام علیکم تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو آپ نے جواب میں فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ پھر تیسرا شخص وارد ہوا تو اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ تو آپ نے جواب میں فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ پس لوگوں نے دریافت کیا حضورؐ پہلے اور دوسرے سلام کے جواب میں تو آپ نے زیادتی فرمائی لیکن تیسرے کے جواب میں زیادتی نہیں کی اسکی کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ تحیہ کی حد یہاں تک ہے اس لئے میں نے اس کو اس کے سلام جیسا جواب دیا ہے (اور زیادتی نہیں کی)

(۷) تفسیر برہان میں بروایتِ کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن کو جمع کے صیغے سے جواب دیا جاتا ہے اگرچہ وہ ایک ہی کیوں نہ ہو (۱) جب کوئی شخص چھینک دے تو اس کو کہا جاتا ہے یرحمکم اللہ اگرچہ وہ اکیلا ہی ہو۔ (۲) اگر کوئی سلام دے تو اس کے جواب میں کہا جائے وعلیکم السلام (خواہ تنہا ہی ہو) (۳) جب انسان دوسرے کے لئے دعائیہ کلمہ کہے تو کہنا چاہیئے عافاکم اللہ۔ اگرچہ وہ ایک ہی ہو۔ الحدیث

(۸) آپ نے فرمایا سلام کا طریقہ یہ ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام دے اور راہ گذر راستہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام دے اور چھوٹی جماعت زیادہ کو سلام دے۔

(۹) آپ نے فرمایا تھوڑے بہتوں کو سوار پیدل کو۔ خچر سوار۔ گدھے سوار کو اور گھوڑے سوار خچر سوار کو سلام کہیں۔

(۱۰) نیز فرمایا اگر زیادہ لوگ زیادہ لوگوں پر سے گذریں تو گذرنے والوں میں سے صرف ایک کا سلام کہنا کافی ہے

(۱۱) فرمایا گھر والے کے لئے سلام کی تکمیل مصافحہ سے اور مسافر کے لئے سلام کی تکمیل معانقہ (گلے لگ کر ملنے) سے ہوتی ہے

(۱۲) فرمایا نماز گذار کو انہی لفظوں میں جواب دینا چاہیئے جو سلام دینے والے نے کہے تھے اور نہ کہے وعلیکم السلام چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمار گذرے اور جناب رسالتمآبؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ پس عمار نے سلام دیا تو آپ نے انہی لفظوں میں جواب دیا اور نیز بروایتِ تہذیب آپ نے فرمایا نماز کی حالت میں جواب سلام باآواز بلند نہ دو بلکہ چھپکے دیدے

(۱۳) بروایت ابن بابویہ آپ نے فرمایا۔ یہود۔ نصاریٰ۔ مجوس۔ بت پرست۔ دستر خوانِ شراب پر بیٹھے ہوئے نرد و شطرنج کھیلنے والے۔ مخنث اور شاعر لغوگو پر سلام نہ کہا کرو۔ نیز نمازی پر بحالتِ نماز سلام نہ کہا کرو کیونکہ سلام دینا سنت ہے اور جواب واجب ہے اور وہ نماز میں پابند ہو چکا ہے۔ اسی طرح سود خور۔ پیشاب پاخانہ پھرنے والے حمام کرنے والے اور اعلانیہ فسق کرنے والوں پر بھی سلام نہ کہو۔

رکوع ۹

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا ۚ

پس کیا ہو گیا تمہیں کہ منافقوں کے بارے میں تم دو گروہ ہو گئے۔ اور خدا نے ان کو ذلیل کیا بوجہ اس کے

أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَنْ يُضْلِلِ

جو انہوں نے کیا کیا تم چاہتے ہو کہ ہدایت پر لاؤ جن کو اللہ نے گمراہی میں چھوڑا اور جسکو گمراہی میں

اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝ ۸۸ وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا

چھوڑا اللہ نے پس ہرگز نہ پاؤ گے اس کے لئے کوئی راہ۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم کافر بن جاؤ جیسے وہ خود کافر

فَتَكُونُونَ سَوَاءً ۖ فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا

ہو گئے۔ پس برابر ہو جاؤ لہٰذا ان میں سے نہ بناؤ دوست یہاں تک کہ ہجرت

فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ

کریں اللہ کی راہ میں پس اگر پھر جائیں تو پکڑو انہیں اور مار ڈالو انہیں جہاں بھی پاؤ

وَجَدْتُمُوهُمْ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ ۸۹

اور نہ بناؤ ان میں سے دوست اور نہ مددگار

فَمَا لَكُمْ۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے شانِ نزول کے متعلق مروی ہے کہ مکہ سے ایک گروہ مدینہ میں آیا اور اظہارِ اسلام کیا۔ پھر جب واپس مکہ کو گئے تو شرک میں داخل ہو گئے اور وہاں سے مشرکین کا مال و متاع لے کر بغرضِ تجارت یمامہ کی طرف روانہ ہوئے تو مسلمانوں نے ان سے لڑنے کا ارادہ کیا لیکن ان میں باہمی پھوٹ پڑ گئی۔ بعض کہتے تھے کہ یہ لوگ مسلمان ہیں لہٰذا ان سے لڑنا نا جائز ہے تب یہ آیت اتری اور امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ اس شانِ نزول سے آیت کا مطلب واضح ہے اور خدا ان لوگوں کی مذمت فرما رہا ہے جنہوں نے مرتد لوگوں کی طرفداری کی تھی۔

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ۔ تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ یہ اور بعد والی آیت بنی اشجع اور بنی ضمرہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب جنابِ رسالتمآبؐ جنگِ حدیبیہ کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کا گذر ان کے علاقہ کے نزدیک سے ہوا اور آپ بنی ضمرہ کے ساتھ اس سے پہلے صلح کا معاہدہ کر چکے تھے۔ صحابہ نے بنی ضمرہ سے جنگ کرنے کی خواہش کی اور کہا کہ ممکن ہے یہ لوگ

قریش کے معاون بن جائیں لہٰذا پہلے ان کا معاملہ صاف کر لیا جائے تو آپ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ لوگ والدین سے احسان کرنے والے صلہ رحمی کرنے والے اور وفائے عہد کرنے والے ہیں لہٰذا ان کے ساتھ لڑنا قطعاً موزوں نہیں ہے ان دنوں بنی اشجع کے علاقہ پر قحط سالی تھی اور بنی ضمرہ کا علاقہ آباد تھا اور یہ دونوں قبیلے چونکہ ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ لہٰذا بنی اشجع بنی ضمرہ کے علاقہ میں فروکش تھے۔ جب آپ کو بنی اشجع کا بنی ضمرہ کے ہاں فروکش ہونا معلوم ہوا تو آپ نے بنی اشجع کے ساتھ جنگ کا ارادہ فرمایا اور غالباً بنی اشجع ہی وہ تھے جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گئے تھے جن کا اس سے پہلی آیت میں تذکرہ ہے، تو یہ آیت اتری۔ وَدُّوا الخ کہ وہ تو کافر ہو گئے۔ خبردار تم ان سے رواداری کر کے ان جیسے نہ ہو جاؤ اور نہ ان سے دوستانہ تعلقات رکھو جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آ جائیں۔ اور اگر ایسا نہ کریں تو ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی ملیں۔

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ

مگر وہ جو ملے ہوں ایسی قوم سے کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہو

أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ

یا تمہارے پاس آ ہیں کہ تنگ دل ہوں تمہارے ساتھ لڑنے سے

أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ

یا اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے اور اگر چاہتا خدا تو مسلط کر دیتا انکو تم پر

فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا

پس پھر وہ لڑتے تم سے پس اگر وہ تم سے کنارہ کریں پھر نہ لڑیں اور پیش کش کریں

إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ○

تمہیں صلح کی تو نہیں دی اللہ نے تمہیں راہ (جواز ان سے لڑنے کی)

اور پھر تاکید کے طور پر فرمایا کہ ان کو دوست یا مددگار نہ سمجھو۔ اِلَّا الَّذِیْنَ الخ یہ بنی اشجع کا استثناء ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں سے نہ لڑو جن کا تمہارے حلیفوں سے میل ملاپ ہے اور نیز ان لوگوں سے بھی جنگ نہ کرو جو تمہارے لڑنے سے کتراتے ہیں اور اپنی قوم کے ساتھ بھی تمہارے طرفدار نہیں بن کر لڑ سکتے پس وہ اگر تم سے نہ لڑیں اور صلح کی پیش کش کریں تو تمہارا بھی ان سے لڑنے کا حق نہیں ہے۔ آیت مجیدہ اترنے کے بعد آپ کا بنی اشجع کے ساتھ لڑائی کا پروگرام تو خود بخود ختم ہو گیا لیکن حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر ادھر بنی اشجع کو خوف تھا کہ چونکہ لشکرِ اسلام قریب میں پہنچ چکا ہے کہیں وہ ہم پر دھاوا نہ بول دیں اور ادھر مسلمانوں کو اپنے مقام پر خطرہ تھا کہ کہیں وہ ہمیں نقصان نہ پہنچائیں۔ پس بنی اشجع جن کی تعداد سات سو تھی۔ اپنے رئیس مسعود بن رخیلہ کے ہمراہ اس طرف روانہ ہوئے اور یہ واقعہ ۶ھ ماہ ربیع الاول

کا ہے اور حضور نے اسید بن حصین کو تین صحابہ کے ساتھ ان کی طرف روانہ فرمایا کہ وہ کیا چاہتے ہیں تو انہوں نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے؛ بنی اشجع کے رئیس مسعود بن رجیلہ نے اسید اور اس کے ساتھیوں پر سلام کیا اور کہا کہ ہم حضرت محمدؐ کے ساتھ صلح کی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ پس اسید نے واپس آکر حقیقت حال بیان کی تو آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ لڑائی سے ڈر گئے ہیں۔ لہٰذا صلح پر آمادہ ہیں بنی اشجع کے سردار نے دس بار اونٹ کے جو خرما تھی بطور ھدیہ پیش کئے۔ آپ نے فرمایا حاجت سے پہلے ہدیہ بہترین چیز ہے اور آپ نے دریافت فرمایا کہ اب تم کیا چاہتے ہو؛ تو انہوں نے جواب دیا حضور! ہمارے گھر یہاں سے قریب ہیں۔ ہم اپنی قوم میں تھوڑے آدمی ہیں۔ لہٰذا آپ کے ساتھ لڑنے سے ہم کتراتے ہیں اور نیز اسلام قبول کر کے اور آپ کے ساتھ مل کر اپنی قوم سے بھی نہیں لڑنا پسند کرتے۔ لہٰذا صلح کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ پس آپ نے اس کا ہدیہ قبول فرمایا اور ان سے صلح کر لی۔ وہ لوگ دن بھر یہیں رہے اور پھر واپس اپنے گھروں کو چلے گئے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ: یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے کہ اگر خدا چاہتا تو انہیں غلبہ دے دیتا لیکن اس نے چونکہ تم لوگوں کو غلبہ دیا ہے۔ لہٰذا تمہارا جہاد صرف بربریت اور حیوانیت کا مظاہرہ نہ ہو بلکہ عدل و انصاف اور انسانیت کے اصولوں کے ماتحت ہو۔ پس جو لوگ خود بخود تم سے خوف کھاتے ہوں نہ خود تمہیں چھیڑیں اور نہ کسی کا ساتھ دے کر تمہارے نقصان کے درپے ہوں اور تمہاری طرف پھر دست صلح بھی دراز کریں تو تمہیں ان سے روادار بن کر رہنا چاہیئے۔

دورنگی سے ممانعت

سَتَجِدُونَ: تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایک قوم ریاکاری کے طریقہ سے مسلمان تھی. جب وہ قریش کے پاس جاتی تھی تو وہاں شرک و بت پرستی میں مشغول رہتی تھی. ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمانوں سے بھی امن پائیں اور کفار قریش کے شر سے بھی محفوظ رہیں پس خدا نے ان کے اس روّیہ کو ناپسند فرمایا اور بعض کہتے ہیں کہ نعیم بن مسعود اشجعی کے بارے میں اتری ہے کہ جناب رسالتمآبؐ اور مشرکین کے درمیان وہ دورنگی کی پالیسی پر عامل تھا اور ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت عیینہ بن حصین فزاری کے بارے میں اتری ہے کہ ان کے علاقہ میں قحط ہوا تو اس نے جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کی اجازت لی کہ بطن نخل میں قیام کرے اور اسے ضرر نہ دی جائے اور در حقیقت یہ شخص منافق ملعون تھا اور جناب رسالتمآبؐ نے اس کو احمق مطاع کا لقب دیا ہوا تھا اور صادقین علیہما السّلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔

أُرْكِسُوا: اس کا لغوی معنی ہے پلٹ جانا اور اس سے ذلت یا ہلاکت بھی مراد لی گئی ہے جیسا کہ گذشتہ آیت کا ہم نے ترجمہ کیا ہے۔

سَتَجِدُونَ آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا

عنقریب پاؤ گے ایک اور گروہ جو چاہتے ہیں کہ تم سے امن میں رہیں اور امن میں رہیں

قَوْمَهُمْ كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا فَإِنْ

اپنی قوم سے بھی جب بھی پھیرے جائیں طرف کفر کے تو وہ پلٹ جاتے ہیں اس میں پس اگر

لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ

تم سے کنارہ نہ کریں اور نہ پیش کش کریں تمہیں صلح کی اور نہ روک لیں اپنے ہاتھ

فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأُولَٰئِكُمْ

تو پکڑ لو انہیں اور مار ڈالو جہاں بھی ان کو پاؤ اور ایسے لوگ

جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ۝

کی ہے ہم نے تمہارے لئے ان پر حجت ظاہر

تنبیہ:- یہ آیات مجیدہ اگرچہ شان نزول کے لحاظ سے بعض موارد کے ساتھ متعلق ہیں لیکن صرف انہی واقعات پر بند نہیں بلکہ تاقیامت ان کا مضمون باقی آیات قرآنیہ کی طرح جاری ہے اور تاقیامت جو بھی اس قسم کے کرتوت کرنے والا ہو۔ وہ شرع کے نزدیک انہی کے حکم میں داخل ہے. خداوند کریم کو دشمنان دین کے ساتھ مومنوں کا دوستانہ تعلق رکھنا قطعاً پسند نہیں اور نہ وہ دورنگی پالیسی کو محبوب رکھتا ہے. پس صاحبان ایمان کو ان آیات سے درس حاصل کرنا چاہیئے۔

رکوع ۱۰

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ

اور نہیں جائز مومن کے لئے کہ قتل کرے مومن کو مگر خطا سے اور جو

قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ

قتل کرے مومن کو خطا سے تو (کفارہ) آزاد کرنا غلام مومن کا اور خون بہا

مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ

دینا اس (مقتول) کے اہل کو مگر یہ کہ وہ صدقہ (معاف) کر دیں پس اگر ہو ایسی قوم

قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ

سے جو دشمن ہے تمہاری اور ہو بھی مومن تو آزاد کرنا غلام مومن کا اور اگر ہو ایسی قوم

قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى

سے کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو تو خون بہا دینا اس (مقتول) کے

اَھْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

اہل کو اور آزاد کرنا غلام مومن کا پس جو نہ پائے تو روزے

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

دو ماہ پے در پے توبہ ہے اللہ کی جانب سے

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ۹۲

اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

قتلِ خطا کا کفارہ

مجمع البیان میں ہے

عیاش ابن ابی ربیعہ مخزومی جو ابوجہل کا مادری بھائی تھا۔ اس نے حارث بن یزید عامری کو قتل کر ڈالا تھا اور یہ بھی مسلمان تھا لیکن عیاش کو اس کے اسلام لانے کا علم نہ تھا اور یہ وہ شخص تھا جو مکہ میں ابوجہل کے ساتھ مل کر عیاش کو ایذا پہنچاتا تھا اور اس کے لئے ہجرت سے بھی مانع ہوا تھا۔ پس اسی سابقہ غصہ میں عیاش نے اس کو قتل کیا تھا یہ روایت حضرت باقر علیہ السلام سے بھی مروی ہے۔ آیت کا مضمون عام ہے۔ لہذا وہ صرف اسی ایک واقعہ سے مخصوص نہیں ہے

اِلَّا خَطَـًٔا۔ تفسیر قمی سے مروی ہے کہ یہاں اِلَّا نفی کے معنی میں ہے یعنی مومن کے لئے مومن کا قتل جائز نہیں نہ عمد سے اور نہ خطا سے اور خطا کا

مطلب یہ ہے کہ کسی اور چیز کو نشانہ بنا کر مارنے لگے اور اتفاق سے کسی مومن کو لگ جائے اور مر جائے اور عمد کا مطلب یہ ہے کہ جان بوجھ کر ایک شخص کو نشانہ بنا کر اس پر پتھر یا ڈنڈا یا بندوق و پستول وغیرہ سے حملہ کیا جائے اور وہ مر جائے۔

فَتَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ:۔ چونکہ قتل میں حق اللہ اور حق الناس دونوں شامل ہیں حق اللہ اس لئے کہ اس نے اللہ کی نافرمانی کی یا اللہ کی مخلوق میں سے ایک کے بے گناہ قتل کا موجب ہوا ہے اور حق الناس کا ہونا تو صاف ظاہر ہے پس حق اللہ کے بدلہ میں غلام آزاد کرے جو بالغ اور مسلمان ہو اور حق الناس کے بدلہ میں مقتول کے وارثوں کو خوں بہا دے۔

وَدِیَۃٌ:۔ خوں بہا کے متعلق تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے قتلِ خطا کا کفارہ فرمایا ایک سو اونٹ یا ایک ہزار بھیڑ بکری یا دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار اگر خون بہا اونٹ دے تو ۲۵ بنت مخاض (دوسرے سال میں داخل مادہ شتر) ۲۵ بنت لبون (تیسرے سال میں داخل مادہ شتر) ۲۵ حقے (چوتھے سال میں داخل) اور ۲۵ جذعے (پانچویں سال میں داخل) دے اور اگر ایسی خطا ہو جو عمد سے مشابہت رکھتی ہو یعنی کسی کو ڈنڈا یا پتھر وغیرہ مارے جس میں اس کے قتل کی نیت نہ ہو لیکن وہ اس ضرب کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو جائے تو اس کا خوں بہا بھی ایک سو اونٹ ہو گا لیکن پہلے سے سخت اور وہ اس تفصیل سے کہ ۳۳ حقے (چار سالے) ۳۳ جذعے (پنج سالے) اور ۳۴ ثنیے یعنی چھ سالے دے اور بعض روایات میں قتل خطا کا کفارہ ۲۰ بنت مخاض ۲۰ ابن لبون ۳۰ بنت لبون اور ۳۰ حقے ذکر کئے گئے ہیں۔

وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَہَنَّمُ خَالِدًا فِیْہَا

اور جو قتل کرے مومن کو عمداً تو اس کی جزا جہنم ہے کہ ہمیشہ رہے گا اس میں

وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا ۝۹۳

اور غضب اللہ کا ہے اس پر اور اس کی لعنت اور اس کے لئے اس نے تیار کیا ہے عذاب دردناک

فَاِنْ کَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ الخ اگر وہ مقتول ایسی قوم میں سے ہو جو تمہارے ایمانی دشمن ہیں یعنی کافر حربی ہیں اور وہ شخص ان میں مومن ہو لیکن تمہیں اس کا مومن ہونا معلوم نہ ہو پس وہ تمہارے ہاتھوں مارا جائے تو اس کا کفارہ صرف غلامِ مومن آزاد کرنا ہے اور خوں بہا اس لئے نہیں ہے کہ یہ بمنزلہ مقتول کی وراثت کے ہے جو اس کے وارثوں میں تقسیم ہو گی اور مقتول کے ورثاء ہیں کافر اور کافر مومن کا وارث نہیں ہو سکتا۔

وَاِنْ کَانَ الخ:۔ اور اگر وہ مقتول ایسی قوم میں ہے جو ہیں تو غیر مومن یعنی کافر لیکن ان کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے یعنی وہ کافر ذمی ہیں تو ایسی صورت میں اس کا کفارہ غلام آزاد کرنا اور خوں بہا دونوں ہوں گے لیکن علمائے امامیہ کے نزدیک خوں بہا صرف اس کے مسلمان ورثاء میں ہی تقسیم ہو گا۔

فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ۔ جو شخص غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا غلام مل نہ سکتا ہو تو وہ اس کے بدلہ میں دو ماہ

پے در پے روزے رکھے۔

تفسیر برہان میں بروایت سماعۃ بن مہران حضرت امام جعفر صادق یا امام موسیٰ کاظم علیہما السلام سے منقول ہے۔ میں نے پوچھا کہ مومن کے قاتل کے لئے توبہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں! مگر یہ کہ خوں بہا ادا کرے اور کفارہ دے اور پھر استغفار اور زاری کرتا رہے امید ہے کہ ایسا کرنے سے اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ میں نے دریافت کیا اگر خوں بہا ادا کرنے کی طاقت نہ ہو تو پھر؟ آپ نے فرمایا مسلمانوں سے بھیک مانگ کر ادا کرے۔ صافی میں کافی سے مروی ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جس پر دو ماہ پے در پے روزے واجب ہوں تو اگر پہلے ماہ میں اسے کوئی بیماری لاحق ہو جائے جس کی وجہ سے اسے افطار کرنا پڑ جائے تو وہ صرف باقی ماندہ روزے رکھے گا۔

وَمَنْ يَقْتُلْ۔ تفسیر صافی اور برہان میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ جان بوجھ کر مومن کو قتل کرنے والے کے لئے توبہ ہے تو آپ نے فرمایا اگر اس کو اس لئے قتل کیا ہے کہ چونکہ مومن ہے تو اس کے لئے کوئی توبہ نہیں ہے۔ اور اگر کسی اور غصے یا کسی دنیاوی معاملہ کے جھگڑے سے قتل کیا ہے تو اس کی توبہ یہ ہے کہ اس کو اس کے بدلہ میں قتل کیا جائے اور اگر مقتول کے وارثوں کو علم نہ ہو تو یہ خود ان کے پیش ہو جائے اور قتل کا اقرار کرے اگر وہ چاہیں تو قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو اس سے خوں بہا لے کر چھوڑ دیں لیکن اس صورت میں خوں بہا کے علاوہ اس کا کفارہ غلام آزاد کرنا اور دو ماہ پے در پے روزے رکھنا اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے بعض روایات میں ہے کہ مومن کا قاتل توبہ کی توفیق ہی نہیں پا سکتا۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا

اے ایمان والو جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کرو اور نہ

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ

کہو جو شخص تمہیں سلام دے کہ تو مومن نہیں چاہتے ہو

عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ط

فائدہ زندگی دنیا کا تو اللہ کے پاس غنیمتیں بہت ہیں۔

كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا

یہی حالت تمہاری پہلے تھی پس احسان کیا تم پر اللہ نے پس تحقیق کرو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ ۹۴

تحقیق اللہ ہے تمہارے اعمال سے آگاہ

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا اگر تمام آسمان و زمین کی مخلوق مل کر ایک مومن کے قتل میں شریک ہوگی تو خدا سب کو جہنم میں داخل کرے گا اور پہلے ایک روایت گذر چکی ہے کہ اگر مومن کو اس کے ایمان کے لئے قتل کرے تو اس کے لئے کوئی بخشش کی صورت نہیں یا کسی دنیاوی غصہ کے لئے قتل کرے لیکن بعد میں اس پر توبہ نہ کرے تب بھی اس کی سزا دائمی جہنم ہے لیکن اگر توبہ کرے یعنی اپنے آپ کو قصاص کے لئے پیش کر دے اور اگر ورثاء مقتول قصاص معاف کر دیں تو خوں بہا اور کفارہ ادا کرے اور اللہ کے سامنے عاجزی و زاری سے استغفار کرے تو اس کے لئے بخشش کی امید ہے۔ اور یہ واضح رہے کہ اگر وارث خوں بہا بھی قاتل سے معاف کر دیں تو کفارہ پھر بھی ساقط نہ ہوگا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ ۔ تفسیر صافی و برہان میں قمی سے مروی ہے کہ جب جناب رسالتمآبؐ فتح خیبر سے واپس آئے تو اسامہ بن زید کو کچھ فوج دے کر اطرافِ فدک میں بعض یہود کی طرف روانہ فرمایا تاکہ ان کو اسلام کی دعوت دے۔ فدک کا ایک یہودی جس کا نام مرداس تھا جب اس کو معلوم ہوا تو اس نے اپنا مال اور بال بچے جمع کر کے پہاڑ کے دامن میں قیام کیا اور کلمہ شہادتین زبان پر جاری کر لیا۔ جب اسامہ کا وہاں سے گذر ہوا تو اس نے ایک نیزہ کی ضرب سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اور واپس جناب رسالتمآبؐ کو اس کی اطلاع دی۔ آپؐ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تو نے ایک کلمہ گو کو قتل کر دیا ہے۔ تو اسامہ نے جواب دیا کہ حضور! وہ ڈر کے مارے ایسا کہہ رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ نہ تو نے اس کی زبان پر اعتماد کیا اور نہ تو اس کے دل کی بات معلوم کر سکا (اور بے گناہ قتل کر دیا) پس اسامہ نے قسم کھائی کہ آئندہ کسی کلمہ گو کو قتل نہ کروں گا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس نے اسلام کے اظہار کے ساتھ ان کو سلام بھی دیا تھا اور قرآن مجید اسی کی حکایت فرما رہا ہے جب حضرت امیر المومنینؑ کو لڑائیاں درپیش آئیں تو اسامہ نے اپنی قسم کا عذر پیش کر کے علیحدگی اختیار کی۔ محدث فیض رہ فرماتے ہیں روایت اسامہ کے نفاق کا پتہ دیتی ہے جبھی تو حضرت علیؑ سے علیحدہ رہا اور علامہ طبرسی بھی فرماتے ہیں کہ اسامہ کا یہ عذر ناقابل قبول ہے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ امام کی اطاعت واجب ہے جبکہ رسول خدا سے سن چکا تھا حدیث یا علی حربی و سلمک سلمی اے علی تیری جنگ میری جنگ اور تیری صلح میری صلح ہے

لا یستوی :۔ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں جو لوگ شریک سفرِ رسالت نہ ہوئے تھے یہ ان کے بارے میں ہے اور عبداللہ بن امِّ مکتوم جو کہ نابینا تھا اس کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ جب مجاہدوں کی غیر مجاہدوں پر فضیلت بیان ہوئی تو عبداللہ بن ام مکتوم نے بارگاہِ رسالت میں اپنی معذوری اور محرومی کا رونا رویا تو وحی نازل ہوئی اور یہ آیت اتری (ملخصاً از تفسیر مجمع البیان)

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں فرماتا ہے خدا نے مجاہدین کو غیر مجاہدین پر فضیلت دی ہے اور دوسری آیت میں فرمایا مجاہدین کو غیر مجاہدین پر درجات کی فضیلت ہے کیونکہ لفظ درجات اجراً عظیماً سے بدل ہے یہ کلام میں تہافت اور اختلاف معلوم ہوتا ہے تو اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں (۱) پہلے مقام پر جہاں مجاہدین کا غیر مجاہدین سے تقابل کیا گیا وہاں غیر مجاہدین سے مراد وہ تھے جو صاحبانِ ضرر ہوں مثلاً ابن امِّ مکتوم جیسے نابینے اور اسی لئے فرمایا ان سب کے لئے خدا کا جنت کا وعدہ ہے کیونکہ حسنیٰ سے مراد ہے جنت البتہ درجہ میں فرق ہے اور جہاں دوسرا تقابل ہے اس میں مراد غیر مجاہدین سے وہ لوگ ہیں جو بلا عذر پیچھے رہتے تھے اور ان کا رہنا نافرمانی سے نہ تھا بلکہ ان کی ضرورت نہ سمجھی گئی تھی جبھی تو جنت کے وعدہ میں وہ بھی شریک ہیں۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ

نہیں برابر بیٹھ رہنے والے مومن جو بدنی تکلیف نہیں رکھتے

وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ

اور جہاد کرنے والے راہِ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں سے فضیلت

فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ

دی اللہ نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں

دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَفَضَّلَ اللَّهُ

پر بلحاظ درجے کے اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے جنت کا اور فضیلت دی اللہ نے

الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجَاتٍ

جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجرِ عظیم میں جو درجات ہیں

مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٩٦﴾

اس سے اور بخشش اور رحمت ہے اور ہے اللہ غفور و رحیم

(۲) نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ پہلی جگہ مجاہدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو دشمنانِ دین کے ساتھ جان و مال سے جہاد

کریں اور دوسری جگہ مجاہدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کی خواہشات سے جہاد کریں جو کہ جہادِ اکبر ہے اور شاید اسی لئے پہلے مقام پر مجاہدین کے ساتھ جان ومال کے الفاظ بڑھا دیئے گئے ہیں۔ اور دوسرے مقام پر یہ قید نہیں لگائی گئی اور اس میں شک نہیں کہ جہادِ نفس ظاہری جہاد سے اکبر ہے اور اس کا درجہ بلند تر ہے کیونکہ جہادِ ظاہری اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب جہادِ نفس میں انسان کسی حد تک فتحمند ہو چکا ہو (۳) ممکن ہے ہر دو مقام پر جہادِ ظاہری مراد ہو اور مجاہدین میں تفاوت درجات کو بیان کیا گیا ہو کیونکہ مجاہدین کا آپس میں بھی تو زمین و آسمان کا فرق ہوا کرتا ہے۔

(ملخص از تفاسیر)

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا

تحقیق جن لوگوں کی جان لے لیتے ہیں فرشتے درحالیکہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہوتے

فِیْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۭ

ہیں کہتے ہیں کہ تم کہاں تھے؛ تو کہتے ہیں ہم کمزور تھے زمین میں

قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ۭ

کہتے ہیں کیا نہ تھی خدا کی زمین وسیع کہ ہجرت کر جاتے؛ ایسے

فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۝ اِلَّا

لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بری بازگشت ہے مگر

الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا

وہ کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں سے جو نہ

یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ۝ فَاُولٰٓئِكَ

طاقت رکھتے ہوں حیلے کی اور نہ پا سکتے ہوں کوئی راستہ تو ایسے لوگ

عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ ۹۹

یقیناً اللہ بخش دے گا ان کو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

رکوع ۱۱

ہجرت کا حکم

اِنَّ الَّذِیْنَ۔ جو لوگ جناب رسالتمآبؐ کی نصرت نہ کر سکے ان کی مرنے کے بعد یہ حالت ہو گی کہ ملائکہ پوچھیں گے کہ تم نے حضور کی مدد کیوں نہ کی اور تم کہاں تھے؛ تو یہ لوگ کہیں گے ہم بے طاقت تھے مشرکین اور دشمنانِ دین کا زور تھا ہم ان کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکتے تھے لہٰذا معذور تھے تو فرشتے جواب میں کہیں گے کیا تمہارے لئے زمینِ خدا تنگ تھی تم ہجرت کر کے چلے کیوں نہ گئے؛ پس ایسے تارکین ہجرت کے لئے عذاب جہنم ہے پھر استثناء فرماتے ہوئے ارشاد ہے البتہ بوڑھے مرد بوڑھی عورتیں اور خوردسال بچے جو نہ اپنی حفاظت کر سکتے ہوں اور نہ ہجرت

پر قدرت رکھتے ہوں۔ ان کا عذر مقبول ہے۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں میرا باپ بوڑھے مردوں اور میری والدہ بوڑھی عورتوں اور میں خود بچوں میں داخل تھا۔

تفسیر برہان میں ہے کہ مستضعف کے بارے میں امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا وہ وہ ہے جو کفر سے بچاؤ کا کوئی حیلہ نہ رکھتا ہو اور ایمان پر آنے کے لئے اس کے پاس کوئی راہ نہ ہو پس نہ ایمان لاسکتا ہو اور نہ کفر کرتا ہو۔ آپ نے فرمایا بچے اور مردوں اور عورتوں میں سے بچوں کی سی عقلوں والے اسی حکم میں داخل ہیں ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسے لوگ نہ مومن ہیں اور نہ کافر البتہ یہ لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔

اسمٰعیل جعفی کہتا ہے میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا۔ دین کی ضروری حدود کیا ہیں جن کی جہالت نا قابل معافی ہے۔ آپ نے فرمایا اس کی حدیں وسیع ہیں۔ ہاں خوارج نے اپنی جہالت سے اپنے اوپر دین کا دائرہ تنگ کر دیا ہے۔ میں نے عرض کی حضور! میرا دین سن لیجئے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ بیان کرو تو میں نے شہادتین کا کلمہ پڑھا اور کہا کہ جو کچھ رسول لائے مانتا ہوں۔ تمہاری ولا رکھتا ہوں اور تمہارے دشمنوں سے بیزار ہوں اور تمام ان لوگوں سے جو ناحق تم پر مسلط ہوئے اور تمہارے حقوق کے غاصب ہوئے ان سے بھی بیزار ہوں۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم تو جاہل نہیں۔ واللہ ہمارا دین یہی ہے۔ میں نے عرض کی جو شخص یہ معرفت نہ رکھتا ہو وہ بچ سکے گا۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ البتہ مستضعف لوگ۔ میں نے دریافت کیا وہ کون ہیں؟ فرمایا تمہاری عورتیں اور بچے۔ پھر فرمایا میں ام ایمن کے متعلق بھی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اہل جنت سے تھی حالانکہ تمہاری معرفت جیسی اس کی معرفت نہ تھی۔ ایک روایت میں آپ نے فرمایا جس شخص کو لوگوں کے دینی اختلاف کا علم ہو جائے اسے مستضعف نہیں کہا جا سکتا ایک روایت میں آپ نے مستضعف کی تعریف میں فرمایا یہ وہ ہے جو ہماری عداوت کی طرف بھی حیلہ نہ رکھتا ہو اور حق کی راہ تک بھی نہ پہنچ سکتا ہو۔ ایسے لوگ اپنی نیک اعمالیوں کی بدولت جنتی ہوں گے جبکہ برائیوں سے بچتے ہوں۔ ہاں ابرار کے درجات ان کو نہ مل سکیں گے۔ ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا۔ مستضعف وہ عورتیں ہیں جن کو نماز پڑھنے کا حکم دو تو پڑھیں ورنہ از خود ان میں اتنی سوجھ نہ ہو۔ اسی طرح گھر کے خادم اور کنیزیں اور بڑی عمر والے لوگ اور خورد سال بچے یہ لوگ ہیں مستضعف۔ لیکن وہ موٹی گردنوں والے جو از خود خرید فروخت کر سکتے ہوں اور خوب جھگڑ جھگڑ کر سودا کرتے ہوں اور تمہاری امداد سے بے نیاز ہوں۔ ایسے لوگ مستضعف نہیں اور بالکل نہیں۔ ایک روایت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا بچوں کی عقلوں والے مرد اور عورتیں مرفوع القلم ہوتے ہیں۔

وَمَنْ یُّهَاجِرْ۔ تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے جو شخص اپنے دین کی حفاظت کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف ایک بالشت بھی جائیگا تو اس کے لئے جنت ضروری ہے۔ مجمع البیان میں عیاشی سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد زرارہ نے اپنے بیٹے کو امام موسیٰ کاظمؑ کے متعلق دریافت کیلئے بھیجا لیکن زرارہ کا بیٹا عبید ابھی خبر لیکر واپس نہ پہنچا تھا کہ زرارہ کا انتقال ہو گیا اس کے بعد جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے سامنے ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا زرارہ قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق ہے۔

وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا
اور جو ہجرت کر جائے اللہ کی راہ میں پائے گا زمین میں جگہ زیادہ

كَثِیْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا
اور کشادگی اور جو نکلے اپنے گھر سے مہاجر بن کر

اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ
طرف خدا اور رسول کے پھر پا لے اس کو موت تو تحقیق ثابت

اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۟ وَاِذَا
ہو گیا اس کا اجر اللہ پر اور ہے اللہ غفور رحیم اور جب

ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ
سفر کرو زمین میں تو نہیں گناہ تم پر کہ قصر کرو

تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖۗ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ
نماز سے اگر تمہیں ڈر ہو کہ تکلیف دیں گے تمہیں وہ لوگ جو

كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۟
کافر ہیں۔ تحقیق کافر لوگ تمہارے بظاہر دشمن ہیں

اس زمانہ میں بھی جہاں مومن اپنے شعائر ایمانی کو قائم نہ رکھ سکتے ہوں تو یہ آیت ان کو اب بھی ہجرت کی دعوت دے رہی ہے اور اسی کے ماتحت علماء فرماتے ہیں کہ جس شہر میں ایک عالم دین موجود نہ ہو جس سے دین حاصل کیا جائے تو اس شہر کو چھوڑ کر وہاں سے ہجرت کر جانا واجب ہے۔

رکوع ۱۲

نماز قصر کا بیان

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ۔ یعنی جب سفر کے لئے گھر سے نکلو تو نماز قصر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں مذہب اہلبیت علیہم السلام یہ ہے کہ سفر کی نماز قصر ہوا کرتی ہے اور ہر چار رکعتی نماز دو دو رکعت پڑھی جاتی ہے لیکن نماز صبح اور نماز مغرب میں قصر نہیں ہے۔

آیت مجیدہ کا ظاہر یہ بتلاتا ہے کہ وہ سفر جس میں دشمن کا خوف ہو اس میں نماز قصر پڑھی جائے۔ لیکن چونکہ صرف خوف بھی نمازِ قصر کا موجب ہوا کرتا ہے اور نمازِ خوف گھر میں بھی قصر پڑھی جا سکتی ہے اسی طرح خوف کے بغیر صرف سفر بھی قصر کا موجب ہے جیسا کہ اجماعِ امتِ اسلامیہ اس کی دلیل ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ قصر کے لئے سفر یا خوف میں سے صرف ایک ہی کافی ہے اور دونوں کا پایا جانا شرطِ قصر نہیں۔ لیکن آیتِ مجیدہ کے ظاہری الفاظ یہ اشتباہ ڈالتے ہیں کہ شاید قصر کے لئے دونوں چیزوں کی شرط ہو یعنی خوف بھی ہو اور سفر بھی۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب کے عام سفر خوف و خطر سے خالی نہیں ہوتے تھے اور اسی طرح عام طور پر خوف کا محل صرف سفر ہی ہوا کرتا تھا۔ تو اذہانِ عامہ کے نزدیک سفر اور خوف میں یک گونہ تلازم ہی تھا ورنہ درحقیقت سفر اور خوف میں کوئی تلازم نہیں کیونکہ جس طرح سفر بلا خوف ہو سکتا ہے۔ اسی طرح خوف بھی بغیر سفر کے ہو سکتا ہے۔ پس آیتِ مجیدہ میں اس زمانہ کے سفر اور خوف کی عمومی نسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے دونوں کو یکجا ذکر کر دیا گیا ہے۔ ورنہ نمازِ قصر کے لئے سفر اور خوف میں سے صرف ایک کافی ہے یہاں بھی نماز قصر کا بیان ہے اور سفر کے بعد خوف کا ذکر صرف اتفاقِ غالب کی بناء پر ہے نہ بطور شرط کے۔ جس طرح اگر اسے نمازِ خوف کا بیان سمجھا جائے تو سفر کا ذکر عمومی اتفاق کے ماتحت ہو گا۔ نہ کہ بعنوانِ شرطیہ واللہ اعلم

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ۔ تفسیر مجمع البیان میں زرارہ اور محمد بن مسلم سے مروی ہے کہ ہم نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نمازِ سفر کے متعلق پوچھا کہ کس طرح ہے اور کس قدر ہے؟ تو آپ نے یہی آیتِ مجیدہ پڑھی اور فرمایا کہ نمازِ قصر پڑھنا سفر میں واجب ہے جس طرح کہ گھر میں نماز تمام واجب ہوا کرتی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے دریافت کیا حضور! خدا تو فرماتا ہے تم پر ایسا کرنے میں گناہ نہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ قصر پڑھو تو گناہ نہیں یعنی جائز ہے اور اس کا خلاف کرنا بھی جائز ہے۔ خدا نے یہ تو نہیں فرمایا کہ خواہ مخواہ قصر ہی پڑھو۔ پس نماز قصر واجب کہاں سے ہو گئی؟ آپ نے فرمایا صفا و مروہ کا طواف سات چکر حاجیوں پر واجب ہیں حالانکہ خدا نے وہاں بھی اسی قسم کی تعبیر فرمائی کہ ان کے طواف کرنے میں گناہ نہیں پس نمازِ قصر کا حکم بھی ویسے ہی ہے اور جناب رسالتمآب نے ایسا ہی کیا ہے۔ پھر سوال کیا۔ آیا کوئی شخص جس نے سفر میں نماز پوری پڑھی ہو۔ اس کو دوبارہ نمازِ قصر پڑھنی پڑے گی یا وہی کافی ہے؟ تو آپ نے فرمایا اگر اس کے سامنے نمازِ قصر کی آیت پڑھی گئی اور اس کی تفسیر بھی اس کو سنائی گئی ہو تب تو اس پر اعادہ واجب ہے اور اگر اس پر آیت قصر نہیں پڑھی گئی اور اسے یہ حکم معلوم نہیں تو پھر اعادہ نہ ہو گا۔

نمازِ قصر کے لئے شرائط اور احکام ہیں جن کا جاننا ہر مکلف پر ضروری ہے اور مسئلہ کی اہمیت کے پیشِ نظر ہم مختصر طور پر مناسبت مقام سے یہاں بیان کرتے ہیں تاکہ عوام کے لئے استفادہ میں کمی نہ رہے۔

شرائط نماز قصر

(۱) قصد مسافت یعنی آٹھ فرسخ یا اس سے زیادہ مسافت کے سفر کا ارادہ ہو۔ خواہ یہ مسافت یک طرفی ہو یا آمد و رفت کو ملا کر اس قدر ہو جائے جب کہ اس کی واپسی دس دن کے اندر ہو اور اگر تین یا چار دفعہ کے دور سے مقدار پوری ہوتی ہو تو قصر نہ ہوگی۔

وضاحت:- فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور میل ۴ ہزار ذراع کا اور ہر ذراع ۲۴ انگلیوں کا جو آپس میں ملی ہوئی ہوں اور ہر انگلی سات جو کے ملے ہوئے دانوں کے برابر جب کہ انہیں پہلو کے بل کھڑا کر کے ملایا جائے اور ہر جو خچر کے سات بالوں کی چوڑائی کے برابر ہو۔

مسئلہ:- اگر ایک مقصد کی طرف دو یا زیادہ راستے جا رہے ہوں جن میں سے بعض مسافت شرعی سے کم فاصلہ رکھتے ہوں اور بعض کا فاصلہ زیادہ ہو تو جس راستہ سے سفر کرے گا اسی کے حکم کے ماتحت قصر و تمام پر عمل کریگا اور اگر صرف نماز و روزہ کی قصر کی خاطر ہی اس نے طولانی راہ کو اختیار کیا تب بھی اس کے لئے قصر کا حکم ہوگا۔

مسئلہ:- اگر اپنے شہر سے لے کر تیس یا چالیس میل تک ایک سیر گاہ اور باغ بنا ہوا ہو اور اس نے اس سیر گاہ میں تفریحی طور پر پھرنے کا پروگرام بنالیا اور پھر چلنا شروع کر دیا یہاں تک کہ سیر گاہ کے آخری سرے تک پہنچ گیا اور پھر واپس اسی طرح تفریح کرتا ہوا چلا آیا اور گھر پہنچ گیا تو چونکہ اس پر مسافر کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ کہا جاتا ہے کہ فلاں سیر و تفریح کے لئے پھر رہا ہے لہٰذا اس کے لئے قصر بھی نہ ہوگی۔

مسئلہ:- اگر مسافت سے کم کی نیت سے نکلا اور پھر بڑھتے بڑھتے مسافت شرعی یا اس سے زیادہ تک پہنچ گیا تو جاتے ہوئے قصر نہ ہوگی کیونکہ بیک وقت قصد مسافت نہیں ہوا۔ ہاں جب واپس ہوگا تو چونکہ مسافت پوری ہو چکی ہے لہٰذا اس پر قصر ہوگی۔

مسئلہ:- چونکہ قصد مسافت بنیت سفر ضروری ہے لہٰذا اگر دو شخص ایک دوسرے کے مقابلہ میں دوڑیں اور ان کا مقابلہ چار فرسخ کے سرے تک جانا اور واپس آنا ہو تو چونکہ ان پر عنوان مسافر صادق نہیں آتا لہٰذا ان کے لئے قصر نہ ہوگی۔

maablib.org

(۲) مسافر اثنائے سفر میں کسی ایک جگہ دس دن قیام نہ کرے ورنہ اگر دس دن کے قیام کی نیت کرلے تو پھر قصر نہ رہے گی۔

مسئلہ:- اگر دہ روزہ قیام کی نیت کر کے ایک نماز اسی کے ماتحت پوری پڑھ چکے اور پھر ارادہ قیام نہ کرنے کا ہو جائے تو جس قدر نمازیں وہاں روانگی سے پہلے پڑھے گا۔ پوری پڑھے گا اور بخلاف اسکے اگر دس دن سے کم قیام کا ارادہ ہو تو قصر پڑھتا رہے اگرچہ یکم از کم ارادہ تیس روز تک ہی پہنچ جائے مثلاً ایک جگہ پانچ روز کے قیام کی نیت تھی۔ جب پانچ پورے ہوئے تو پھر پانچ دن قیام کی اور نیت کرلی و علیٰ ہٰذا القیاس سو اتفاقاً ایسی صورت پیدا ہوتی گئی

یہانتک کہ ایک ماہ ہو گیا تو اس دوران میں نماز قصر پڑھے گا لیکن جب تیس دن پورے ہو جائیں گے تو اس کے بعد خواہ ایک گھنٹہ بھی رہے گا تو اس وقت میں حاضر نماز کو پورا پڑھے گا کیونکہ تیس دن متردد کی نماز قصر کی آخری حد ہے۔

مسئلہ:۔ اگر قصد مسافت کرے لیکن اثنائے راہ میں اس کا وطن آجائے تو اگر ابتدائے مسافت سے اس وطن تک اور یہاں سے مقصد تک علیحدہ علیحدہ بھی فاصلہ مسافت شرعی ہے تو سفر کے ہر دو حصوں میں قصر ہو گی اور وطن اور مقصود میں قصر نہ ہو گی ورنہ سفر کے جس حصہ کا فاصلہ مسافت شرعی ہو گا اسی میں ہی قصر ہو گی

مسئلہ:۔ وطن کے صدق کے متعلق متعدد اقوال ہیں بعض کہتے ہیں ملکیت بھی ہو اور قصد توطن بھی ہو اور بعض صرف توطن کو کافی سمجھتے ہیں لیکن اس مقام پر وہ قاعدہ جس پر قصر کی بنیادوں کو استوار کیا گیا ہے وہ ہے عنوان مسافرت پس جس پر لفظ مسافر صادق اس پر قصر واجب ہے اور جس پر مسافر کا عنوان صادق نہیں اس پر قصر واجب نہیں خواہ اس مقام پر اس کے توطن کی شرائط پوری ہوں یا نہ ہوں۔ پس جب اپنے گھر کو چھوڑ کر سفر میں جائے گا۔ تو نماز قصر پڑھے گا اور اثنائے سفر میں پھر اگر اس کا اپنا ذاتی گھر آجائے گا تو پھر بجائے مسافر کے گھر والا ہو جائے گا لہذا قصر نہ رہے گی۔ خواہ یہ گھر اس کا خرید کردہ ہو یا پرانا اور اس میں چھ ماہ یا کم و بیش منواتر قیام رہا ہو یا نہ ہو اور خواہ اس کی ملکیت بھی ہو یا نہ ہو لیکن اس جگہ پر یہ صادق آتا ہو کہ یہ فلاں کا گھر ہے اور اس جگہ پر عرفاً اس کو مسافر نہ کہا جاتا ہو۔

مسئلہ:۔ اگر ایک شخص نے متعدد منزلیں بنائی ہوں تو ضروری نہیں کہ وہ سب اس کے گھر شمار ہوں بعض لوگ متعدد شہروں میں مکانات بنوا لیتے ہیں یا خرید کر لیتے ہیں تاکہ دوران سفر میں یہاں آکر آسودگی حاصل ہو اور کرایہ پر جگہ تلاش کرنے کی ضرورت نہ ہو پس کبھی دو دن اور کبھی چار دن اور اس سے کم یا بیش ٹھہر کر چلے جاتے ہیں تو ان پر عرفاً گھر اور وطن کا عنوان صادق نہیں آسکتا اور بعض مکانات ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں رہائش کے لئے خرید یا بنوایا جاتا ہے اور اس طرح بعض لوگوں کے دو دو یا تین تین گھر بھی ہوتے ہیں۔ پس اگر منزل پہلی قسم کی ہو تو دوران سفر میں وہاں پہنچنے سے سفر نہیں منقطع ہوتا اور اگر منزل دوسری قسم کی ہو تو وہاں پہنچتے ہی سفر منقطع ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر ایک شخص نے ایک منزل کو ایک خاص موسم کے لئے بطور گھر و وطن بنایا یا خریدا۔ مثلاً موسم گرما کے لئے کسی پہاڑی علاقہ میں گھر بنایا تو اس منزل پر اس کی وطنیت کا صدق صرف موسم گرما میں ہی ہو گا لہذا اگر یہی شخص دوران سفر میں موسم سرما میں اتفاقاً یا عمداً وہاں پہنچے گا تو قصر کے توڑنے کے لئے صرف وہاں پہنچنا کافی نہ ہو گا کیونکہ وہ جگہ اس کی ذاتی ملکیت کے لحاظ سے اس کی گذرگاہ ہے اور اس کی اس موسم میں وہ قیام گاہ نہیں ہے تاکہ کہا جائے کہ وہ اپنے گھر میں پہنچ گیا۔ پس اس صورت میں اس کی قصر تب ختم ہو گی جب وہ دہ روزہ قیام کرے گا۔

علی بن یقطین سے مروی ہے کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ بستی بستی میں فرسخ در فرسخ

کے فاصلہ پر میری جائداد اور مکانات موجود ہیں تو آپ نے فرمایا ہر وہ مکان جس کو تو نے گھر و وطن بنایا ہو اس کے علاوہ ہر مکان میں نمازِ قصر پڑھ۔

(۳) سفر جائز ہو، خواہ واجب ہو یا مستحب یا مباح۔ پس اگر سفر حرام ہو گا جیسے ظالم کی ہمراہی کے لئے یا لہو و لعب کے شکار و تماشہ کے لئے تو نماز قصر نہ ہو گی۔ یعنی ہر وہ کام جس میں اللہ کی معصیت ہو اس کے لئے سفر کرنا حرام ہے اور اس سفر میں نمازِ قصر نہ ہو گی۔

مسئلہ:۔ ناجائز سفر پر جاتے ہوئے جس طرح قصر نہ ہو گی اسی طرح اس سفر سے واپسی بھی قصر کی موجب نہ ہو گی کیونکہ واپسی بھی سفرِ معصیت کا ہی حصّہ ہے۔ ہاں اگر سفرِ معصیت میں جاتے ہوئے یا منزل پر پہنچ کر تائب ہو جائے تو واپسی کا سفر یا کل باقی سفر جائز اور موجبِ قصر ہو گا۔

(۴) سفر پیشہ نہ ہو اور اس عنوان کو بعض علماء نے کثیر السفر اور خانہ بدوش بھی تعبیر کیا ہے اور بعض عبارتوں میں ہے۔ سفر حضر سے زیادہ نہ ہو۔ لیکن اس باب کی احادیث سے جہاں تک استفادہ کا تعلق ہے تو صرف دو قسم کے عنوان مستفاد ہوتے ہیں ایک پیشہ سفر ہونا اور دوسرا اپنا گھر اپنے ہمراہ ہونا یعنی خانہ بدوش ہو۔ ان کے علاوہ کثیر السفر یا سفر کا حضر سے زیادہ ہونے کے عنوان احادیث سے مستفاد نہیں ہوتے۔ پس اگر پیشہ کے بغیر اتفاقی طور پر متعدد اسفار پے در پے کرنے پڑ جائیں اور کثیر السفر کا عنوان صادق آجائے تب بھی قصر ہو گی۔ اور بخلاف اس کے اگر پیشہ کا سفر ہو تو خواہ کثرت نہ بھی ہو تب بھی قصر نہ ہو گی اور پیشہ سفر اگر مخصوص موسم میں ہو تو صرف اسی موسم میں اس کا سفر موجب قصر نہ ہو گا جو اسی پیشہ کے ماتحت ہو اور باقی موسموں میں اس کے اسفار موجب قصر ہوں گے اور اسی طرح خانہ بدوش لوگوں کے لئے قصر نہیں ہے اور ان کا خانہ بدوش ہونا بھی اگر کسی موسم سے مختص ہے تو یہ حکم صرف اسی موسم کے لئے ہو گا اور اگر سارا سال خانہ بدوش ہوں گے تو حکم بھی سارے سال کے لئے ہو گا۔ لیکن اگر یہ لوگ کسی اور سفر کے لئے جائیں جس کا تعلق ان کے پیشے سے نہ ہو مثلاً حج یا زیارت وغیرہ تو ان کے لئے باقی شرائط کے ماتحت قصر ہو گی۔

مسئلہ:۔ چونکہ پیشہ سفر میں کثرتِ سفر کا عنوان تو معتبر ہے نہیں لہٰذا اس میں پہلے اور دوسرے یا تیسرے سفر کا لحاظ نہیں ہونا چاہیئے لیکن۔ روایات میں ہے کہ دس دن کے قیام کے بعد کا سفر موجبِ قصر ہو گا۔ بنا بریں پیشہ ور مسافر کا پہلا سفر قصر کا موجب ہو گا اور اس کے بعد بلحاظ پیشہ اس کی قصر نہ ہو گی لیکن پھر جب دس دن کہیں قیام ہو گا اس کے بعد کا پہلا سفر موجبِ قصر ہو گا و علیٰ ہٰذا القیاس۔

(۵) حد ترخص سے باہر ہو۔ اور حدِ ترخص اس مکان کو کہتے ہیں جہاں سے اس کے شہر کے مکانات نظر نہ آسکتے ہوں یا اذان نہ سنائی دیتی ہو۔ لہٰذا جب تک مسافر حدِ ترخص کے اندر ہو گا اس پر قصر نہ ہو گی جب اس سے

باہر پہنچے گا تو قصر ہو گی اور نماز و روزہ کا حکم اس بارے میں ایک جیسا ہے اور جب سفر سے واپس آئے گا تب بھی قصر کی آخری حد یہی مقام ہو گا۔

مسئلہ:۔ مسافت شرعی شہر یا محلہ کی آخری حدوں سے شروع ہو کر آٹھ فرسخ یکطرفی یا دوطرفی ہوگی لیکن قصر کا عمل حدِ ترخص سے شروع ہو گا اور حد ترخص پر ختم ہو گا۔

مسئلہ:۔ مسافر کا جس جگہ دس دن قیام کرنے کا ارادہ ہو اور اسی دوران قیام میں وہ مسافتِ شرعی کے اندر اندر تک ضروری کاروبار کے لئے جا کر اسی روز واپس آ جائے تو عرف کے لحاظ سے اس کی یہ آمد و رفت دس دن کے قیام میں مخل نہیں لیکن بعض علماء اس کو منافی قیام سمجھتے ہیں بنابریں احتیاط اسی میں ہے کہ اگر ایک جگہ دس دن کے قیام کا ارادہ ہو اور دو چار دن رہنے کے بعد کسی کام کے لئے باہر چلا جائے بشرطیکہ مسافت شرعی کے فاصلہ سے کم تک ہو اور اسی دن واپس آ جائے تو باقی ماندہ مدت میں قصر اور اتمام کے درمیان جمع کرے اور اگر واپسی کے بعد دوبارہ مستقل دس روز کی علیحدہ نیت کرے تو پھر اتمام ہو گی اور پہلی صورت میں بھی اتمام خالی از قوت نہیں۔

مسئلہ:۔ اگر ایک جگہ پندرہ روزہ قیام کی نیت کر لی ہے۔ دس دن ٹھہرنے کے بعد ایک یا دو دن کے لئے مسافتِ شرعی سے کم فاصلہ پر کہیں جاتا ہے اور پھر واپس آتا ہے اور باقی ماندہ دن قیام کر کے چلا جاتا ہے یعنی بعد میں دس روزہ قیام کا ارادہ نہیں ہے تو اس صورت میں جانے اور وہاں ٹھہرنے اور واپس آنے اور باقیماندہ دس دن سے کم قیام کرنے کے زمانہ میں نماز قصر ہی پڑھی جائے گی اور پہلے مسئلہ میں بھی اگر دس روزہ قیام کے دوران میں کہیں شب باشی کے لئے چلا جائے گا تو دس دن کے تسلسل میں چونکہ خلل آ جائے گا لہٰذا باقی ایام میں قصر ہو جائے گی اور چونکہ اسی دن کی واپسی عرفاً قیام میں مخل نہیں ہوتی لہٰذا اس مسئلہ میں بھی اگر یہی صورت ہو تو آمد و رفت میں اور باقی ایام میں قصر نہ ہو گی اور حسب سابق قصر و اتمام دونوں پڑھتے ہیں احتیاط ہے۔

مسئلہ:۔ حماد بن عیسیٰ سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا مسافر کے لئے چار مقامات پر نماز کا پورا پڑھنا اللہ کے مخزون علم میں سے ہے اور وہ مقامات یہ ہیں حرم خدا حرم رسولؐ حرم امیر المومنین اور حرم حسین علیہ السلام (کیونکہ ان مقامات میں نمازِ قصر اور تمام میں مسافر کو اختیار ہے) ایک اور روایت میں مکہ، مدینہ، مسجد کوفہ اور حائرِ حسینی کے الفاظ ہیں۔

مسئلہ:۔ جو شخص قصر کو نہ جانتے ہوئے نماز پوری پڑھے تو اگرچہ وقت باقی بھی ہو۔ تاہم اس پر قضا نہیں ہے لیکن اگر بھول کر نماز قصر کی بجائے پوری پڑھ بیٹھے تو اگر وقت باقی ہے تو اعادہ لازم ہے۔ ورنہ قضا ضروری نہیں۔

مسئلہ:۔ نماز کا وقت داخل ہوا تو ایک شخص گھر موجود تھا اور پھر سفر کو روانہ ہوا تو اب اس پر نماز قصر واجب ہو گی اور بخلاف اس کے اگر سفر سے واپس آئے اور گھر پہنچنے پر ابھی وقت نماز باقی ہو اور پڑھ نہ چکا ہو تو پوری پڑھے گا۔ یعنی وقتِ ادا کا لحاظ رکھے نہ کہ وقت وجوب کا لیکن اگر یہی نماز قضا ہو جائے تو اس کی حالتِ قضا کا لحاظ رکھ کر قضا پڑھے گا یعنی پہلی صورت میں قصر اور دوسری صورت میں تمام واللہ اعلم۔

نمازِ خوف کا بیان

وَاِذَا کُنْتَ:۔ ان آیات میں چونکہ نماز سفر اور نماز خوف کا حکم بتایا گیا ہے اور نماز سفر کے متعلق مختصر اور جامع مسائل کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اب نمازِ خوف کا طریقہ ذکر کیا جاتا ہے تاکہ افادیت میں کمی نہ رہے۔ تفاسیر میں ہے کہ جب رسالتمآبؐ مکہ کے ارادہ سے حدیبیہ کی طرف روانہ ہوئے تو قریش کو بھی معلوم ہو گیا پس انہوں نے خالد بن ولید کو ایک سو سوار کے ہمراہ بھیجا تاکہ آنحضرتؐ کی پیش قدمی کو روکے مسلمان مقام عسقان میں اور مشرکین مقام ضجنان میں تھے نمازِ ظہر کا وقت آیا۔ بلال نے اذان کہی اور آپ نے یہ نماز رکوع و سجود کے ساتھ پڑھائی۔ خالد بن ولید نے کہا افسوس ہم نماز کے دوران میں ان پر ہم حملہ آور ہو جاتے تو یقیناً کامیاب ہو جاتے کیونکہ یہ لوگ نماز کو ہرگز نہ توڑتے۔ لیکن ابھی ایک اور نماز باقی ہے یعنی نماز عصر جو ان کو آنکھوں کی بینائی سے بھی زیادہ محبوب تر ہے۔ جب اس میں داخل ہوں گے تو ہم حملہ کریں گے پس جبریل نازل ہوا اور نمازِ خوف کا حکم لایا اور آپ نے نمازِ عصر خوف کے طریقہ سے ادا فرمائی جس طرح قرآن مجید میں بیان ہو رہا ہے اور مجمع البیان میں ہے کہ یہی واقعہ خالد بن ولید کے اسلام لانے کا باعث بنا تھا۔

وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ

اور جب آپ ان میں ہوں پس پڑھائیں ان کو نماز تو کھڑا ہو جائے ایک گروہ

مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْیَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا

ان کا آپ کے ساتھ (اقتداء میں) اور سنبھالیں اپنے ہتھیار پس جب سجدہ کرلیں

فَلْیَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى

تو ہو جائیں پیچھے (دشمن کے مقابلہ میں) اور آئے گروہ دوسرا جنہوں نے

لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ

نماز نہیں پڑھی پس وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ اور سنبھالیں اپنا بچاؤ

وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ

اور اپنے ہتھیار چاہتے ہیں وہ جو کافر ہیں کہ تم غافل ہو جاؤ اپنے ہتھیاروں سے

آیت مجیدہ کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فوج اسلام دو حصوں میں تقسیم ہو کر ہر ایک گروہ ایک ایک رکعت نماز پڑھے گویا یہ قصر در قصر ہے کیونکہ پہلا گروہ صرف پہلی رکعت پڑھ کر چلا جائے گا اور دوسرا گروہ دوسری رکعت میں شریک ہوگا اور وہ بھی ایک رکعت صرف پڑھ کر ختم کرے گا اور بعض لوگوں کا یہی مذہب ہے.

وافی میں کافی سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے صحابہ کو غزوہ ذات الرقاع میں نمازِ خوف پڑھائی تھی اور وہ اس طرح کہ فوج کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ایک گروہ دشمن کے مقابلہ میں اور دوسرا گروہ شریک جماعت ہوا جب پہلی رکعت تمام ہوئی تو آپ دوسری رکعت کے لئے اٹھے اور قیام میں کھڑے رہے اور صحابہ نے جلدی سے دوسری رکعت انفرادی طور پر تمام کر لی اور سلام پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں چلے گئے اور وہ گروہ جو کھڑا تھا وہ نماز کے لئے آ گیا اور انہوں نے حضورؐ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی پس جناب رسالتمآبؐ نے تشہد کو طول دیا اتنے میں انہوں نے انفرادی طور پر دوسری رکعت پڑھ لی اور تشہد میں بیٹھ گئے. اور سلام میں حضور کیساتھ آ کر شریک ہو گئے۔ اور چونکہ غزوہ ذات الرقاع میں اسی طرح پڑھی گئی اسی لئے اس نماز کو فقہا صلوٰۃ ذات الرقاع سے تعبیر فرماتے ہیں. اگر مغرب کی نماز کو خوف کے طریقے سے پڑھا جائے تو پہلے گروہ کو ایک رکعت جماعت کے ساتھ اور پیشنماز کا دوسری رکعت کا قیام طولانی ہوگا. یہاں تک کہ وہ دو رکعتیں مختصر طور پر انفراد سے پڑھ لیں گے اور ختم کر کے دشمن کے مقابلہ میں جا کھڑے ہوں گے اور دشمن کے مقابلہ والا گروہ آ جائے گا اور امام کی دوسری رکعت میں شامل ہوگا لیکن اس کی وہ رکعت پہلی ہوگی پھر امام کی تیسری اس کی دوسری ہوگی۔ اس طرح یہ گروہ دو رکعتیں جماعت کے ساتھ پڑھے گا اور تشہد میں طول دیا جائے گا تاکہ یہ لوگ اپنی تیسری رکعت انفرادی طور پر پڑھ کر سلام میں شریک ہو جائیں. تفسیر برہان میں ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام سے نمازِ خوف کے مذکورہ طریقہ کے بعد منقول ہے آپ نے فرمایا اگر خوف

وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا

اور سامان سے تاکہ وہ ٹوٹ پڑیں تم پر ایک بار اور

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ

نہیں گناہ تم پہ اگر ہو تمہیں تکلیف بارش سے یا ہو

كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ

بیمار کہ اتار دو اپنے ہتھیار اور لے لو بچاؤ اپنا تحقیق

اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۱۰۲

اللہ نے تیار کیا ہے کافروں کے لئے عذاب ذلت آمیز

اس سے شدید تر ہو جس طرح باہمی تلوار زنی نیزہ زنی اور ہاتھا پائی تک نوبت آجائے (اور رکوع و سجود کا امکان بھی نہ ہو تو پیدل یا سوار جس طرف منہ ہو جائے، فرمایا کہ لیلۃ الہریر میں حضرت امیر علیہ السلام نے ظہرین و مغربین کی نماز نہیں پڑھائی تھی اور تسبیح و تہلیل اور تمجید و دُعا رکعتوں کا بدلہ تھیں اور یہی ان کی نماز تھی اور نمازِ خوف میں نمازیوں کو حکم ہے کہ اپنے آلاتِ جنگ لگائے رکھیں جس طرح کہ آیتِ مجیدہ میں صاف مذکور ہے۔ اور نمازِ خوف کے متعلق جلد ثالث صفحہ ۹۳ پر بھی گذر چکا ہے۔

اِنْ كَانَ بِكُمْ - تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ایک مرتبہ ایک قبیلہ عرب سے جنگ کیا اور فتح پائی پس جب دشمنوں میں سے ایک بھی نظر نہ آیا تو مسلمانوں نے ہتھیار اتار دیئے اور حضور رفع حاجت ضروریہ کے لئے وادی کو عبور کر کے پرلی طرف چلے گئے۔ بارش بھی جاری ہو گئی اور صحابہ اور آپ کے درمیان وادی کا فاصلہ بھی تھا تو آپ درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے اتنے میں غورث بن حارث محاربی نے آپ کو دیکھ لیا اور ساتھیوں نے بھی اسے اکسایا تو اس نے قسم کھائی کہ میں آپ کو ضرور قتل کروں گا پس تلوار لے کر چھپکے چھپکے پہاڑ سے اترا اور جناب رسالتمآبؐ کو اس وقت خبر ہوئی جب وہ سر پر آپہنچا تلوار کو میان سے کھینچ کر کہنے لگا۔ اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ۔ یہ سنتے ہی وہ دشمن خدا منہ کے بل زمین پر گرا تو آپ نے اس کی تلوار قبضہ میں کر لی اور فرمایا اب تو بتا کہ تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ وہ کہنے لگا کوئی نہیں بچا سکتا! آپ نے فرمایا کلمہ شہادتین پڑھو تو چھوڑتا ہوں اس نے کہا یہ تو نہیں البتہ یہ عہد کرتا ہوں کہ نہ خود تیرے ساتھ لڑوں گا اور نہ تجھ سے لڑنے والوں کی امداد کروں گا۔ پس آپ نے تلوار واپس کر دی جب واپسی پر غورث سے اپنے ساتھیوں نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا جب میں نے جناب رسالتمآبؐ پر تلوار تولی تھی تو غائبانہ طاقت نے میرے کندھوں کو دبایا تھا کہ میں منہ کے بل گر پڑا تھا بارش کے خاتمہ پر آپ واپس آئے اور یہ آیت پڑھی۔ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى الخ

maablib.org

فَاِذَا قَضَیۡتُمۡ۔ آیت مجیدہ کے معنی میں اختلاف ہے۔ (۱) بعض کہتے ہیں معنی یہ ہے کہ کسی جنگ کی انتظار کے زمانہ میں جب تم نماز سے فارغ ہو تو بطور تعقیب کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر یا لیٹ کر اللہ کو یاد کرتے رہو اور عَلٰی جُنُوۡبِکُمۡ۔ محلاً منصوب ہے اور حال ہے کیونکہ ماقبل پر اس کا عطف ہے۔ گویا ان تینوں حالتوں میں اللہ کا ذکر کرو تاکہ تمہیں فتح و کامرانی نصیب فرمائے اور یہ معنی ابن عباس سے منقول ہے (۲) دوسرا معنی یہ ہے جب تم نماز کا ارادہ کرو تو نماز پڑھو اپنی وسعت و طاقت کے مطابق صحیح قیام کے ساتھ اگر تندرست ہو اور بیٹھنے کی حالت میں اگر قیام نہ کر سکتے ہو اور لیٹ کر اگر بیٹھنے کی طاقت بھی نہ ہو۔

فَاِذَا قَضَیۡتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ

پس جب پوری کر دو نماز تو ذکر کرو اللہ کا کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور

عَلٰی جُنُوۡبِکُمۡ ۚ فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ فَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ۚ اِنَّ

اپنے پہلوؤں کے بل پس جب اطمینان سے ہو تو قائم کرو نماز کو تحقیق

الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ﴿۱۰۳﴾

نماز ہے مومنوں پر فرض مقرر

وَ لَا تَہِنُوۡا فِی ابۡتِغَآءِ الۡقَوۡمِ ؕ اِنۡ تَکُوۡنُوۡا تَاۡلَمُوۡنَ

اور نہ سستی کرو تلاش قوم میں اگر تم تکلیف محسوس کرتے ہو

فَاِنَّہُمۡ یَاۡلَمُوۡنَ کَمَا تَاۡلَمُوۡنَ ۚ وَ تَرۡجُوۡنَ مِنَ اللّٰہِ

تو وہ بھی تکلیف زدہ ہیں جس طرح تم تکلیف زدہ ہو اور امید رکھتے ہو تم اللہ سے

مَا لَا یَرۡجُوۡنَ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۱۰۴﴾

جو وہ نہیں رکھتے اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا

فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ۔ بعض کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم اطمینان سے اپنے وطنوں میں موجود ہو تو نماز پڑھو پوری اطمینان کے ساتھ بغیر قصر کے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے جب تم خوف سے اطمینان حاصل کر لو تو نماز اپنے حدود کے ساتھ قائم کرو۔

مَوۡقُوۡتًا۔ تفسیر برہان میں آئمہ معصومین علیہم السلام سے اس کا معنی مفروض کیا گیا ہے نہ کہ موقت۔

وَلَا تَہِنُوۡا۔ بعض کہتے ہیں کہ بدر صغریٰ کی طرف روانگی کے لئے اتری ہے کیونکہ احد کے روز ابوسفیان کہہ گیا تھا لیکن دل پر مسلمانوں کا رعب ایسا طاری ہوا کہ مقابلہ کی جرات نہ ہوئی الٹے قدم واپس آیا اور بعض کہتے ہیں کہ جنگ احد کے موقع پر اتری جب کہ ابوسفیان نے کچھ فاصلہ سے واپس آ کر مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا تھا تو مسلمانوں کو ان کے تعاقب کا حکم ہوا تھا اس بارہ میں پارہ ۴ کے رکوع ۵، ۷، ۹ میں آیات گذر چکی ہیں اور مختصر طور پر واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔

رکوع ۱۳ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ :- تفسیر صافی و برہان میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اپنی مخلوق میں سے خداوند کریم نے کسی کو (امور شرعیہ کی) تفویض نہیں فرمائی سوائے جناب رسالتمآب اور آئمہ طاہرین کے چنانچہ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ اس آیت مجیدہ کی تاویل اوصیاء میں جاری ہے۔

تفسیر برہان میں منقول ہے موسیٰ بن اشیم کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاقات کے لئے

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ
ہم نے اتاری آپ پر کتاب ساتھ حق کے تاکہ آپ حکم کریں لوگوں میں
بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ ۱۰۵ وَّ
ساتھ اس کے جو اللہ نے آپ کو رائے زنی کی قوت دی اور نہ ہوں آپ خیانت کرنیوالوں کی طرف
اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ۱۰۶
اور طلب مغفرت کیجئے اللہ سے تحقیق اللہ غفور رحیم ہے۔
وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
اور مت جھگڑو ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے نفسوں میں تحقیق اللہ نہیں
لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝ ۱۰۷ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ
دوست رکھتا اس کو جو ہو خائن گنہگار چھپتے ہیں لوگوں سے
وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا
اور نہیں چھپتے اللہ سے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب رات کو مشورہ کرتے ہیں
لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝ ۱۰۸
ناپسندیدہ باتوں کا اور ہے اللہ ساتھ اس کے جو عمل کرتے ہیں احاطہ رکھنے والا

رخصت طلب کیا اور آپ نے میری استدعا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے میرے ساتھ ایک دن کا وعدہ کیا پس وعدہ کے مطابق جب میں حاضر ہوا تو جو کچھ پوچھنا تھا پوچھا۔ اسی اثنا میں ایک شخص نے دروازہ پر دستک دی۔ آپ نے فرمایا دیکھو دروازہ پر کوئی ہے۔ میں نے عرض کی حضور! میں فارغ ہو چکا ہوں جیسا مناسب ہو آپ کریں۔ تو آپ نے اس کو اندر آنے کی اجازت دی۔ ایک شخص آکر بیٹھ گیا اور وہ مسائل دریافت کئے جو میں ابھی کر چکا تھا تو آپ نے جواب اس کو میرے جواب کے خلاف دیا یہ سنتے ہی میری طبیعت میں اس قدر اضطراب پیدا ہوا کہ بس اللہ ہی جانتا ہے وہ شخص فارغ ہو کر چلا گیا اور تھوڑی دیر گذری کہ اور شخص آگیا۔ آپ نے اس کو اجازت دی وہ ایک گھنٹہ بیٹھا اور وہی مسائل پوچھنے لگا جو ہم دونوں پوچھ چکے تھے تو آپ نے اس کو پہلے دو جوابوں کے علاوہ

جواب دیا۔ میرا غم و اضطراب پھر اور زیادہ بڑھ گیا۔ اور قریب تھا کہ میں کافر ہو جاؤں پس وہ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد تیسرا آدمی آ پہنچا اور اس نے بھی بعینہٖ وہی مسائل دریافت کئے تو آپ نے اس کو پہلے تمام جوابوں کے علاوہ اور جواب دیا پس میرے اضطراب کی کوئی حد نہ رہی اور مجھ پر دنیا تاریک ہو گئی۔ جب آپ نے میری طرف مڑ کر دیکھا اور میرا اضطراب ملاحظہ فرمایا تو میرے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمانے لگے اے ابن اشیم خدا نے ابن داؤد کو ملک تفویض فرمایا تھا۔ اور ارشاد ہوا تھا ھٰذَا عَطَآءُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۔ اور تحقیق اللہ سبحانہ نے جناب محمد مصطفےٰؐ کو دین کے معاملات تفویض فرمائے اور ارشاد ہوا اَحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ اور خدا نے ہمیں وہی کچھ سپرد کیا جو اس نے اپنے رسول کو سپرد کیا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ نبی اور امام کا کام ہے مصلحت دیکھ کر ان کے درمیان حکم کریں جس طرح کہ ڈاکٹر ایک ہی بیماری کے مریضوں کو ان کے مزاج اور ماحول کے مطابق دوا اور پرہیز بتلاتے ہیں اسی طرح نبی و امام جو روحانی حکیم ہیں۔ ماحول اور مزاج پہچان کر ان کے موافق روحانی علاج کے نسخے تجویز کرتے ہیں۔

لَا تَكُنْ لِلْخَآئِنِيْنَ ۔ تفسیر صافی میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ کا سبب نزول یہ ہے کہ قوم انصار میں سے بنو ابیرق تین بھائی تھے جو منافق تھے اور ان کے نام بشر بشیر مبشر تھے انہوں نے قتادہ بن نعمان جو بدری تھا کے چچا کے گھر کی نقب زنی کر کے اس کے بچوں کے کھانے پینے کا سامان اور ایک زرہ چرالی قتادہ نے جناب رسالتمآبؐ سے ان کی شکایت کی ان کے ہمسایہ ایک شخص مومن تھا جس کا نام لبید بن سہل تھا انہوں نے وہ چوری اس پر تھونپ دی اور قتادہ سے کہا کہ اس کا مجرم لبید بن سہل ہے جب لبید کو معلوم ہوا تو اس نے تلوار کھینچ لی اور بنو ابیرق کے سر ہو گیا کہ تم نے خود کردہ گناہ کو میرے سر پر کیوں تھوپ دیا اور تم ایسے منافق لوگ ہو کہ جناب رسالتمآبؐ کی ہجو کر کے قریش کی طرف منسوب کر دیا کرتے ہو۔ اب میں اس حقیقت کا پردہ چاک کروں گا اور تلوار کو تمہارے خون سے سیراب کروں گا۔ جب انہوں نے یہ ماجرا دیکھا تو لبید کے سامنے چاپلوسی اور خوشامد سے پیش آئے بالآخر اس کو خاموش کر کے واپس کر دیا۔

پھر یہ لوگ اپنے قبیلہ کے ایک شخص اسید بن عروہ نامی کے پاس حاضر ہوئے کہ وہ رسالتمآبؐ کی خدمت میں ان کی صفائی کرے کیونکہ یہ شخص باتیں کرنا خوب جانتا تھا چنانچہ وہ ان کی صفائی کے لئے حاضرِ بارگاہ رسالت ہوا اور عرض کی حضورؐ! قتادہ بن نعمان نے ہماری قوم کے بعض شرفاء صاحبان حسب و نسب پر چوری کا الزام لگا دیا ہے اور ان بے گناہوں کو اس نے مجرم قرار دیا ہے اس کے سننے سے حضورؐ رنجیدہ خاطر ہوئے اور جب قتادہ خدمت اقدس میں پہنچا تو جناب رسالتمآبؐ نے اس کو سرزنش کی قتادہ کبیدہ خاطر واپس

اپنے چچا کے پاس آیا اور کہنے لگا کاش میں مرگیا ہوتا۔ اور حضورؐ کے سامنے وہ بات نہ کی ہوتی کیونکہ حضورؐ نے آج مجھے ایسے الفاظ کہے ہیں جو میں پسند نہیں کرتا تو اس کے چچا نے کہا کہ بس اللہ سے ہی ہماری فریاد ہے۔ تب یہ آیتیں اتریں نیز صافی میں جوامع سے مروی ہے کہ ابوطعمہ نے جو ابیرق کا بیٹا تھا (بشیر کو ابوطعمہ کہا جاتا تھا) اپنے ایک ہمسایہ قتادہ بن نعمان کی زرہ چرا کر ایک یہودی کے پاس رکھی قتادہ نے وہ زرہ یہودی کے ہاں سے پکڑلی تو یہودی نے صاف کہہ دیا کہ مجھے ابوطعمہ نے دی ہے جب بنو ابیرق کو پتہ چلا تو وہ حضرت رسالتمآبؐ کے پاس چلے آئے اور عرض کی کہ حضور! آپ ابوطعمہ کی طرفداری فرمائیں ورنہ وہ ہلاک و بدنام ہوگا اور یہودی بری ہوجائے گا پس جناب رسالتمآبؐ نے یہودی کی سزا کا ارادہ فرمایا تو یہ آیت اتری اور اسی قسم کی اور روایات بھی کتب عامہ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ منقول ہیں۔ تفسیر صافی میں تفسیر قمی سے مروی ہے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ بشیر کی قوم سے اس کے چند قریبیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جناب رسالتمآبؐ کے پاس جاکر بشیر کے متعلق

هَاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فَمَنْ

خبردار تم لوگ جھگڑتے ہو ان کی طرف سے حیاتِ دنیا میں

یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ

تو کون جھگڑے گا اللہ کے ساتھ ان کی طرف سے بروزِ قیامت یا کون ہوگا ان پر

وَكِیْلًا ۝۱۰۹ وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ

وکیل اور جو عمل کرے برا یا ظلم کرے اپنے نفس پر پھر

یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝۱۱۰ وَمَنْ یَّكْسِبْ

معافی مانگے اللہ سے تو پائے گا اللہ کو غفور و رحیم اور جو کسب کرے

اِثْمًا فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝۱۱۱

گناہ کا تو وہ کسب کرتا ہے صرف اپنے برے کے لئے اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا

وَمَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓئًا

اور جو کسب کرے خطا یا گناہ کا پھر بہتان لگائے اس کا کسی بری پر

فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ۝۱۱۲ ع

پس اس نے بار اٹھایا بہتان اور گناہ ظاہر کا

سفارش کریں اور عذر پیش کریں کہ وہ اس چوری کے الزام سے بری ہے تو یہ آیت اتری یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ الخ پس بشیر کی قوم واپس آئی اور بشیر سے کہا استغفار کر اور گناہ سے توبہ کر اس نے جواب دیا کہ میں تو یہ قسم کھاؤں گا کہ چوری

لبید نے کی ہے تو یہ آیت اتری وَمَنْ یَّکْسِبْ خَطِیْئَۃً اَوْ اِثْمًا الخ اس کے بعد بشیر کافر ہو گیا اور مکہ کی طرف چلا گیا پس بشیر کے طرفداروں کے حق میں آیت اتری وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ الخ۔ اور بشیر کے حق میں اتری وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ الخ۔ آیاتِ مجیدہ کے شانِ نزول سے ترجمہ خوب واضح ہو گیا لیکن متعدد بار عرض کیا جا چکا ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کا مضمون صرف اس کے شانِ نزول تک محدود نہیں ہوا کرتا اور جس واقعہ کے متعلق کوئی آیت اتری اس کا صرف اسی ایک واقعہ سے اختصاص نہیں ہوا کرتا ورنہ قیامت تک کی قرآنِ مجید کی حجیت کا اعتقاد باطل ہو جائے گا۔ ہاں تنزیل کا تعلق اگرچہ صرف مخصوص واقعات سے ہوتا ہے لیکن اس کی تاویل قیامت تک جاری ہوا کرتی ہے۔ پس ان آیات کی تاویل بھی قیامت تک جاری ہے جو جو لوگ جس جس زمانہ میں اس قسم کے فعل کا ارتکاب کریں گے وہ انہی آیات کے تاویل اور بطن قرآن کے لحاظ سے مصداق ہوں گے۔ چنانچہ تفسیر صافی میں بروایتِ کافی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ الخ کے مصداق فلاں فلاں اور ابو عبیدہ بن جراح تھے اور بروایت احتجاج حضرت امیرؑ سے منقول ہے کہ اس کے وہ لوگ مصداق ہیں جو رسول کے بعد اپنے باطل کی ترویج کے لئے راتوں کو باہمی مشورے کرتے رہے جس طرح یہود و نصاریٰ نے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ کے بعد توراۃ و انجیل کو بدل ڈالا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ وَرَحْمَتُہٗ لَھَمَّتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْھُمْ

اور اگر نہ ہوتا فضلِ خدا آپ پر اور اس کی رحمت تو ارادہ کیا تھا ان سے ایک گروہ نے

اَنْ یُّضِلُّوْکَ ؕ وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَضُرُّوْنَکَ

کہ آپ کو بھٹکا دیں حالانکہ وہ نہیں بھٹکاتے مگر اپنے نفسوں کو اور آپ کو ضرر نہیں پہنچا

مِنْ شَیْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَکَ

سکتے کچھ بھی اور اتاری اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اور تعلیم دی آپ کو

مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ؕ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا ۝۱۱۳

جو آپ نہ جانتے تھے اور ہے فضل اللہ کا آپ پر بہت

رکوع ۱۴

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ :۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت بنی ابیرق کے حق میں اتری جن کا قصہ گذر چکا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حضور کے پاس بنی ثقیف کا ایک وفد آیا اور انہوں نے عرض کی کہ ہم آپ کی اس شرط پر بیعت کرتے ہیں کہ ہم اپنے ہاتھوں بت نہ توڑیں گے اور ایک سال تک عزّیٰ کو پوجیں گے لیکن حضور نے ان کی یہ درخواست مسترد کر دی (مجمع البیان)

لَھَمَّتْ طَّآئِفَۃٌ :۔ اس کے معنی میں تین قول ہیں (۱) بنی ابیرق کی جانب سے گواہ بن کر آپ سے غلط فیصلہ کے

maablib.org

خواہشمند تھے (۲) بنی ثقیف آپؐ سے ناجائز مطالبہ منوانا چاہتے تھے جس کو آپ نے ٹھکرا دیا (۳) منافقین کی ایک جماعت نے آپس میں حضورؐ کے قتل کا پروگرام مرتب کیا تھا اور اضلال سے مراد یہاں قتل ہے لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے پس اللہ انہی کے متعلق خبر دے رہا ہے۔

عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ یعنی خدا نے وہ جو کچھ آپ کو بتلایا جو آپ نہ جانتے تھے۔ جناب رسالتمآبؐ کائنات میں سے اعلم ہیں اور مخلوقِ خدا میں سے کوئی بھی علم و معرفت کی ان حدوں تک نہ پہنچ سکا جہاں تک حضور پہنچے۔ لیکن یہ سمجھنا چاہیئے کہ رسول کا علم عین ذات نہیں جس طرح کہ خدا کا علم عین ذات ہے۔ پس ایک مرتبہ ایسا فرض کرنا پڑے گا جس میں ذاتِ رسول اور علم جدا جدا ہوں اور پھر اللہ نے اس ذات کو علم عطا فرمایا ہو اور چونکہ علم خداوندی بے پایاں اور لامحدود ہے اس لئے وقتاً فوقتاً اس کی زیادتی کا ہونا رسولؐ میں اور آئمہ طاہرین میں بعید نہیں اسی لئے تو فرمایا قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔

ہاں بعض مواقع پر جزئی واقعات سے بے خبر ہونا ان کی مخلوق ہونے کی شان اور دلیل ہے کیونکہ ہر وقت علم و کمال کے مظاہرے عوام کو دھوکا میں ڈال دیا کرتے ہیں اور وہ ان کے حق میں ربوبیت

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ
نہیں بھلائی ان کی بہت سی سرگوشیوں میں مگر جو حکم دے خیرات کا
أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ
یا نیکی کا یا اصلاح کا لوگوں میں اور جو کرے
ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ○
یہ کام تلاشِ رضائے خدا کے لئے تو عنقریب دیں گے ہم اس کو اجرِ عظیم

والوہیت کا عقیدہ فاسدہ دل میں جما لیتے ہیں پس ان میں اگر یہ بشری شان نہ پائی جاتی تو جس طرح حضرت عیسیٰ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہا گیا ان کے متعلق بھی اسی قسم کے عقائد پیدا ہو جاتے اور اسلام کی بجائے کفر و شرک کی ترویج ہوتی اسی بناء پر بعض واقعات ان سے پردۂ خفا میں رکھ کر ان کو بذریعہ وحی اطلاع دی جاتی ہے تاکہ توحید و رسالت کی اپنی اپنی شان بحال رہے اور لوگوں کے لئے خالق و مخلوق اور عبد و معبود میں امتیاز کرنا آسان ہو۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ۔ تفسیر برہان میں بروایت کافی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا میں جب کوئی مسئلہ بیان کروں تو کتاب اللہ سے بے شک اس کا ثبوت طلب کر لینا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ نے تین چیزوں سے منع فرمایا (۱) قیل قال (۲) بربادیٔ مال (۳) زیادتیٔ سوال۔ تو لوگوں نے قرآنی ثبوت طلب کیا۔ پس آپ نے فرمایا۔ قال و قیل سے منع کے لئے فرماتا ہے لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ الخ

اور بربادی مال سے روکتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الخ اور زیادتی سوال سے منع فرماتے ہوئے ارشاد ہے وَلَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ الخ۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی باہمی چپکے کی باتیں اور سرگوشیاں اکثر اوقات بھلائی سے خالی ہوتی ہیں۔ مگر تین مقامات پر فائدہ مند اور خوب ہوتی ہیں (۱) صدقہ دینے کے لئے باہمی مشاورت (۲) نیکی اور اچھائی کے لئے مشورہ (۳) لوگوں میں اصلاح کرنے کا مشورہ۔

چنانچہ صافی میں کافی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کلام کی تین قسمیں ہیں سچ جھوٹ اور اصلاح یعنی اصلاحی پہلو نہ سچ میں داخل ہے اور نہ جھوٹ میں اور اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں اصلاح کے لئے اگر جھوٹ بھی بولا جائے تب بھی اس کو جھوٹ کا گناہ نہ ہوگا اور اصلاح کی تفسیر میں آپ نے فرمایا کہ اگر تم ایک شخص سے کوئی بری بات سنو جو کسی دوسرے کے حق میں کہہ رہا ہے تو تم اس کو یہ نہ کہو کہ وہ تمہارے حق میں بری بات کہہ رہا ہے بلکہ اس کی بجائے کسی اچھی بات کی اس کی طرف نسبت دو تاکہ اس کے دل میں نفرت پیدا نہ ہو۔ اور بروایت خصال جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ تین جگہ جھوٹ مستحسن ہے ایک دشمن سے لڑائی کے وقت اس کو دھوکا دینے کے لئے دوسرے اپنی عورت سے وعدہ کرنے کے لئے تیسرے لوگوں کے درمیان اصلاح کے لئے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ
اور جو مخالفت کرے رسول کی بعد اس کے کہ واضح ہو گئی اس کے لئے

الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ
ہدایت اور چلے چھوڑ کر راہ مومنوں کی تو اس کو دیں گے وہی

مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا
جو اس نے اختیار کیا اور جلائیں گے اسے جہنم میں اور وہ بری بازگشت ہے

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ۔ برہان میں بروایت عیاشی منقول ہے کہ حضرت علی کی خلافت ظاہری کے زمانہ میں لوگوں نے ماہ رمضان کی تراویح کے لئے آپ سے ایک امام مسجد کی خواہش کی تو آپ نے ان کو اس فعل سے منع فرمایا تو لوگوں نے واویلا شروع کر دیا حارث اعور نے حضورؑ کو لوگوں کے واویلا سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا جو جی کرے کرو تو یہ آیت بھی تلاوت فرمائی۔

maablib.org

رکوع ۱۵

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ الخ - آیت مجیدہ کی تفسیر اسی پارہ کے رکوع ۴ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

اِنْ یَّدْعُوْنَ - اس میں تین قول ہیں (۱) ملائکہ کی عبادت کرتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں (۲) جمادات کی عبادت کرتے تھے اور چونکہ عرب جمادات کے لئے مؤنث کے صیغے استعمال کرتے تھے اس لئے کہا گیا کہ وہ مؤنثوں کی عبادت کرتے ہیں (۳) انہوں نے جو بت بنائے ہوئے تھے ان کے نام مؤنث تھے مثلاً لات عزیٰ منات اساف اور نائلہ وغیرہ اور کہتے ہیں لات لفظ اللہ کی مؤنث اور عزیٰ اعز کی مؤنث ہے اور ابوحمزہ ثمالی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ ہر بت میں ایک شیطانہ ہوا کرتی تھی جو دربانوں سے گویا ہوتی تھی اور یہ سب ابلیس کی کارستانی تھی اور یہ سب وہی شیطان ہے جس کو خدا نے آیت مجیدہ میں لعنت فرمائی (ملخص از مجمع البیان)

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ
تحقیق اللہ نہیں بخشتا شرک کو اور بخشتا ہے وہ جو علاوہ ہو

ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ
اس کے جسے چاہے اور جو شرک کرے ساتھ اللہ کے پس تحقیق وہ گمراہ ہوا

ضَلٰلًا بَعِیْدًا ۝۱۱۶ اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا
بڑی گمراہی نہیں پکارتے اس کے سوا مگر مؤنثوں کو

وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ۝۱۱۷ لَّعَنَہُ اللّٰہُ
اور نہیں پکارتے مگر شیطان سرکش کو جس کو لعنت کی اللہ نے

وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِکَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ۝۱۱۸
اور اس نے کہا کہ ضرور لوں گا میں تیرے بندوں سے ایک حصہ مقررہ

عرب کی ہر قوم نے اپنے اپنے الگ بت بنائے ہوئے تھے جن کے نام وہ مؤنث تجویز کرتے تھے کسی نے پتھر کا اور کسی نے اس سے زیادہ خوبصورت اور جب پہلے سے کوئی دوسرا اچھا دستیاب ہوتا تو پہلے کو پھینک دیا کرتے تھے اور جب اور کوئی چیز میسر نہ آتی تو مٹی جمع کر کے اوپر بکری کا دودھ دوہ دیتے اور اس کا طواف کرتے اور بنو حنیفہ نے حلوے کا بت بنا کر ایک عرصہ تک اس کی پوجا کی اور جب قحط سالی ہوئی تو اس کو کھا گئے چنانچہ بعض

شعرا نے ان کے اس فعل کی اپنے اشعار میں اس طرح حکایت کی ہے۔

اَكَلَتْ حَنِيْفَةُ رَبَّهَا ۔ زَمَنَ التَّقَحُّمِ وَالْمَجَاعَةِ

کھا لیا بنو حنیفہ نے اپنے رب کو قحط سالی اور بھوک کے زمانہ میں

لَمْ يَحْذَرُوْا مِنْ رَبِّهِمْ ۔ سُوْءَ الْعَوَاقِبِ وَالتَّبَاعَةِ

انہوں نے اپنے رب سے بُرے انجام اور سخت گرفت کا ڈر بھی نہ کیا

(تفسیر میزان جلد ۲ ص ۲۸۰)

وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ

اور ضرور ان کو گمراہ کروں گا اور ان کو امیدیں دلاؤں گا اور ان کو حکم کروں گا کہ کاٹ ڈالیں کان

الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ وَمَنْ

چوپاؤں کے اور ان کو حکم کروں گا کہ بدل ڈالیں دینِ خدا کو اور جو بنائے

يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ

شیطان کو اپنا ولی اللہ کو چھوڑ کر تو تحقیق اس نے

خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝ ۱۱۹

ظاہر نقصان اٹھایا

تفسیر برہان میں عیاشی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو سلام دیا اور کہا کہ السلام علیک یا امیر المومنین پس آپ دوپا ہو گئے اور فرمایا خبردار ایسا نہ کہو کیونکہ یہ لقب صرف حضرت امیر المومنینؑ کے لئے مخصوص ہے اور اللہ نے ان کو یہ لقب دیا ہے ان کے علاوہ جس شخص کو اس لقب سے پکارا جائے اور وہ اس پر راضی بھی ہو جائے تو وہ مفعول ہو گا اور اگر پہلے سے نہ ہو تو اس کے بعد اس بیماری میں مبتلا ہو جائے گا کیونکہ خدا فرماتا ہے اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا الخ۔ پھر راوی نے پوچھا حضرت قائمؑ کو کس لقب سے پکارا جائے گا تو آپ نے فرمایا۔ ان کو کہا جائے گا السلام علیک یا بقیۃ اللہ! السلام علیک یا ابن رسول اللہ آیت مجیدہ کے باطن سے معصوم نے کیا خوب نظریہ پیش فرمایا ہے کیونکہ ناحق مسند الوہیت پر بیٹھنے والوں کو خدا نے مؤنث کے خطاب سے یاد کیا ہے اور چونکہ مسندِ رسالت بھی مسندِ الوہیت کے قائم مقام کی حیثیت رکھتی ہے اور اسی وجہ سے خدا نے رسولؐ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا پس مسند رسالت پر ناجائز قبضہ جمانے والے اسی آیت مجیدہ کی رُو سے مونث ٹھہرے اور اگرچہ ظاہراً وہ مذکر بھی ہوں لیکن ان میں اس صفت خصوصی کا پایا جانا ضروری ہے جو مونث کے شایانِ شان ہے پس اسی

آیت کے ماتحت آپ نے فرمایا کہ جو بھی اپنے امیرالمومنین کہلوانے پر رضامند ہوگا وہ مفعول ہوگا اور واقعات تاریخ معصوم کے اس فرمان کی تصدیق کرتے ہیں جن کی تفصیل کا اس جگہ محل نہیں۔

فَلَیُبَتِّکُنَّ : کہتے ہیں عربوں کا دستور تھا کہ جب اونٹنی پانچ بچے دے چکتی اور پانچواں مذکر ہوتا تو وہ اس اونٹنی کے کان چیر ڈالتے تھے اور اس کو اپنے اوپر حرام کر دیتے تھے اور مجمع البیان میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ ان کے کان جڑ سے کاٹ دیا کرتے تھے (تفسیر صافی) اور روایات معصومین میں خلق اللہ کا معنی دین اللہ کیا گیا ہے۔

یَعِدُهُمْ وَیُمَنِّیهِمْ :۔ صافی میں بروایت مجالس حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب مغفرت عامہ کی آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو برائی کریں یا اپنے نفسوں پر ظلم کریں پھر اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں تو خدا غفور و رحیم ہے ان کے گناہ بخش دے گا۔ تو ابلیس نے مکہ کے ایک پہاڑ جس کا نام ثور ہے اس پر چڑھ کر اپنے اتباع کرنے والے عفریتوں اور شیطانوں کو بلایا پس انہوں نے حاضر ہو کر کہا اے ہمارے سردار کیوں ہمیں بلایا ہے تو ابلیس نے وہ آیت پڑھی اور کہا کہ اس کا علاج کون کرے گا ایک عفریت نے کہا میں حاضر ہوں۔ ابلیس نے پوچھا تو کیا کرے گا اس نے اس کا جواب دیا جو ابلیس کو پسند نہ آیا۔ پھر اور اٹھا۔ اور اس کا جواب بھی ابلیس کو پسند نہ آیا پھر اس کے تابعداروں میں سے وسواس خناس اٹھا اور کہا اس کا علاج میرے پاس ہے اور وہ یہ کہ میں وعدے کروں گا اور امیدیں دلاؤں گا اور ایسے پھیر کر کے ان کو گناہ میں مبتلا کر لوں گا اور پھر توبہ کرنا اور استغفار کرنا ان کو بھلا دوں گا پس ابلیس نے اس کو اس کام پر موکل کر دیا۔

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ
وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور نہیں وعدہ کرتا شیطان
إِلَّا غُرُورًا ۝١٢٠ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ
ان سے مگر دھوکا ایسے لوگ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور نہ پائیں گے
عَنْهَا مَحِيصًا ۝١٢١
اس سے چھٹکارا

لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ۔ مجمع البیان میں ہے کہ اہل کتاب اور مسلمانوں نے آپس میں مفاخرت کی کہ اہل کتاب نے اپنے نبی و کتاب کے پہلے ہونے کا فخر کیا اور مسلمانوں نے جناب رسالتمآبؐ کے خاتم النّبیین ہونے اور کتاب کے ناسخ ہونے پر اور دین اسلام پر فخر کیا۔ تب یہ آیت اتری کہ نجات نہ تمہاری خواہشات پر منحصر ہے اور نہ اہل کتاب کی خواہشات پر موقوف ہے بلکہ جو برائی کرے گا اسے سزا ملے گی۔ یہ سن کر اہل کتاب اترانے لگے اور مسلمانوں سے کہنے لگے کہ بس اب ہم اور تم برابر ہو گئے ہیں تو پھر بعد والی آیت اتری کہ اعمالِ صالحہ پر جنت اس وقت ملے گی جب ایمان بھی ہو گا۔ مختصراً۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کئے عنقریب ان کو داخل کریں گے

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ

بہشتوں میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں کہ وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے جنت میں

اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰہِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ

دائمی کہ وعدہ اللہ کا حق ہے اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے

قِیْلًا ۝۱۲۲ لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَھْلِ الْکِتٰبِ ؕ

بات میں نہ تمہاری خواہشات پر اور نہ اہل کتاب کی خواہشات پر ہے

مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ ۙ وَلَا یَجِدْ لَہٗ مِنْ دُوْنِ

جو کام کرے برے اس کا بدلہ لے گا اور نہ پائے گا اپنے لئے اللہ کے

اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ۝۱۲۳ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ

بغیر کوئی ولی اور نہ مددگار اور جو عمل کرے اچھے

یہ آیت مجیدہ صاف بتلاتی ہے کہ ہر شخص کو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنی ہے اور اس میں کسی کے لئے کوئی معافی نہیں ہے۔ چنانچہ مجمع البیان میں ابوہریرہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو ہم روئے اور غمگین ہوئے اور بارگاہ رسالت میں عرض کی حضور! اس آیت نے تو کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ آپ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یہ آیت ایسے ہی ہے جس طرح اتری ہے یعنی ہر عمل کو برائیوں کی سزا ضرور ملے گی لیکن تمہیں بشارت ہو کہ تم میں سے جس انسان کو دنیا میں جو مصیبت بھی پیش آتی ہے وہ کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ ہوا کرتی ہے یہاں تک کہ جو کانٹا کسی کے پاؤں میں چبھتا ہے وہ بھی کفارۂ گناہ ہوتا ہے، اس مضمون کی حدیثیں اہلبیت علیہم السّلام سے بھی کافی وارد ہیں۔ چنانچہ صافی

ہیں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآب کی خدمت میں بعض صحابہ نے اس آیت مجیدہ کے مضمون کی سختی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کیا تمہیں جان مال اور بچوں کے بارے میں مصائب پیش آتے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے عرض کی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا یہ تمہاری نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور گناہ دھل جاتے ہیں کافی سے منقول ہے آپ نے فرمایا جب اللہ کو ایک بندہ پیارا ہوتا ہے اور اس پر گناہ کا بوجھ بھی ہوتا ہے تو خدا اسے کسی حاجت میں مبتلا کر دیتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اس پر موت کو سخت کر دیتا ہے تاکہ وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

مرد ہو یا عورت درحالیکہ مومن ہو تو ایسے لوگ داخل ہوں گے

الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ

جنت میں اور نہ ظلم کیے جائیں گے ذرہ بھر اور کون زیادہ اچھا ہے دین میں اس

اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

سے جو جھکا دے اپنا منہ اللہ کے لئے اور نیک ہو اور اتباع کرے ملت ابراہیم کی

حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا

جو حنیف تھا اور اللہ نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور اللہ کے

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ

لئے ہے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور ہے اللہ ہر

شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

شے پر محیط

وَهُوَ مُحْسِنٌ۔ مجمع البیان میں مروی ہے کہ جناب رسالتمآب سے احسان کا معنی پوچھا گیا تو فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو جس طرح گویا اسے تم دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ سکتے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔

خلت ابراہیم

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا بعض کہتے ہیں کہ خلیل خلّت سے مشتق ہے جس کا معنی محبت ہے اور حضرت ابراہیمؑ اللہ کے محب اور محبوب تھے اس لئے ان کو خلیل کا لقب خدا نے دیا پس حضرت ابراہیمؑ کی محبت یہ تھی کہ اللہ کے دوستوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھتے تھے اور اس کے صحیح معنوں میں عبادت گذار تھے اور اللہ کی محبت یہ ہے کہ اس نے ان کو ہر مقام پر نصرت خاصہ سے سرفراز فرمایا اور نار نمرود کو گلزار کیا اور عہدۂ نبوت کے لئے ان کو مصطفےٰ بنایا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ خلیل خلّہ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے احتیاج و فقر اور حضرت ابراہیمؑ چونکہ اپنا احتیاج و فقر صرف اللہ کی طرف ہی رکھتے تھے اور کسی بندے کی طرف اپنی حاجات

نہ کرے جاتے تھے اس لئے ان کو خلیل کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔ اور خدا نے خصوصیت سے انہیں خلیل کا لقب عنایت فرمایا حالانکہ ہر نبی اللہ کا دوست ہوا کرتا ہے جس طرح کلیم اللہ موسیٰؑ کو اور روح اللہ عیسیٰؑ کو بنایا۔ جناب رسالتمآبؐ نے ایک روایت میں فرمایا کہ تمہارا نبی بھی خلیل ہے یعنی حضورؐ نے اپنی خلت کا اظہار فرمایا (مجمع البیان)

خلیل کی پہلی وجہ تسمیہ کے ماتحت تفسیر برہان میں ابن بابویہ کی سند سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو خلیل بنایا کیونکہ زمین پر سجدہ کیا کرتے تھے اور ایک روایت میں امام علی نقی علیہ السلام سے منقول ہے کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر زیادہ درود بھیجنے کی بدولت خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا خلیل قرار دیا۔ اور دوسری وجہ تسمیہ کے ماتحت امام رضا علیہ السلام سے بسند آبائے طاہرینؑ منقول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو خلیل اس لئے بنایا گیا کہ وہ عمر بھر کسی کے پاس نہ گئے اور سوائے خدا کے کسی سے سوال نہ کیا اور فرمان نبوی میں ہے کہ ان کے خلیل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مہمان نواز تھے۔ اور رات کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوتے تھے تو نماز پڑھا کرتے تھے۔

تفسیر برہان و مجمع البیان میں علی بن ابراہیمؒ سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ مہمان نواز تھے اور مساکین کو کھانا کھلاتے تھے۔ ایک دفعہ قحط سالی کا دور آیا تو آپ مصر میں ایک دوست سے گندم لینے کیلئے روانہ ہوئے لیکن اس کے پاس موجود نہ تھی اور خالی ہاتھ واپس روانہ ہوئے۔ جب گھر کے قریب پہنچے تو ریگستان سے گزرتے ہوئے اپنی بوریاں ایک صحرا سے پر کر لیں تاکہ گھر پہنچتے ہی گھر والوں کو خالی ہاتھ واپس آنے کا غم محسوس نہ ہو لیکن خدا نے اس ریگِ صحرا کو آٹا بنا دیا حضرت ابراہیمؑ گھر پہنچ کر شرم کے مارے ایک کمرے میں سو گئے گھر والوں نے جب بوریاں کھولیں تو وہ آٹا تھا انہوں نے حسب ضرورت نکال کر روٹی تیار کر لی اور حضرت ابراہیمؑ کے پیش کی آپ نے دریافت کیا کہ یہ کہاں سے لائے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ اسی آٹے سے تیار کی ہیں جو آپ اپنے مصری خلیل سے لائے ہیں آپ نے فرمایا بے شک یہ آٹا آیا تو خلیل کی طرف سے ہے لیکن خلیل مصری کی طرف سے نہیں پس اس کے بعد خدا نے حضرت ابراہیمؑ کا لقب خلیل مقرر فرمایا حضرت ابراہیمؑ نے خدا کا شکر ادا کیا اور کھانا تناول فرمایا۔

تفسیر برہان و صافی میں عیاشی سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جب خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ کو خلت کا عہدہ دیا تو ملک الموت خلت کی بشارت لایا۔ ملک الموت ایک خوبصورت سفید پوش جوان کی شکل میں آیا کہ اس کے سر سے پانی اور تیل کے قطرات ٹپک رہے تھے پس حضرت ابراہیمؑ نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے اس سے ملاقات کی اور حضرت ابراہیمؑ بہت غیور تھے جب گھر سے باہر جایا کرتے تھے تو دروازہ بند کر کے اسے قفل لگا کر جاتے اور اس کی کنجی اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے ایک دن جب واپس گھر آئے تو دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان گھر میں کھڑا ہے آپ نے فرمایا اے عبدِ خدا تجھے اس گھر میں کون لایا ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے گھر کا مالک لایا ہے۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا واقعی گھر کا مالک مجھ سے زیادہ حقدار ہے۔ بتائیے آپ کون

ہیں؟ جواب دیا میں ملک الموت ہوں حضرت ابراہیمؑ نے گھبرا کر دریافت کیا۔ میری جان لینے آئے ہو؟ جواب دیا نہیں بلکہ خدا نے ایک عبد کو اپنا خلیل مقرر فرمایا ہے اور میں اس کی بشارت لے کر آیا ہوں حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا وہ عبد کون ہے تا کہ میں اس کی خدمت کروں تو ملک الموت نے جواب دیا وہ آپ ہیں۔ پس آپ سارہ کے پاس پہنچے اور اپنی خلّت کی خبر ان کو دی۔

تفسیر صافی میں احتجاج سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ خلیل خُلّہ سے مشتق ہے جس کا معنی فقر و فاقہ ہے اور حضرت ابراہیمؑ بھی اپنے رب کی طرف خلیل تھے یعنی فقیر و محتاج اور غیر سے بے نیاز اور مستغنی تھے چنانچہ جب ان کو آگ میں پھینکنے کا ارادہ کیا گیا اور منجنیق کے ذریعے سے ان کو ڈالا گیا تو خدا نے حضرت جبریل کو بھیجا کہ جا اور میرے بندے کی خبر لے پس حضرت جبریل نے آگ میں جاتے ہوئے ابراہیمؑ سے ہوا میں ملاقات کی اور کہا کہ مجھ پر حکم کر دکیونکہ خدا نے مجھے تیری امداد کے لئے روانہ کیا ہے آپ نے فرمایا بس مجھے وہی کافی ہے وہی میرا بہتر کارساز ہے میں اس کے غیر سے سوال نہیں کرنا چاہتا اور اس کے بغیر اپنی حاجت بیان نہیں کرتا۔ پس خدا نے اس کو اپنے خلیل کا لقب دیا کہ یہ اسی کا فقیر و محتاج ہے اور اس کے غیر سے بالکل بے نیاز ہے۔ الحدیث۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ ۖ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا

اور فتویٰ طلب کرتے ہیں آپ سے عورتوں کے متعلق۔ فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے ان کے متعلق اور

يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ

وہ جو تلاوت کیا جاتا ہے تم پر قرآن میں یتیم عورتوں کے متعلق جنہیں نہیں دیتے تم

مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ اَنْ تَنْكِحُوهُنَّ

جو فرض ہوا ہے ان کے لئے اور رغبت رکھتے ہو کہ ان کے ساتھ نکاح کرو

رکوع ۱۶

وَيَسْتَفْتُونَكَ ۔ اس آیت مجیدہ کے ربط سے متعلق اسی سورہ کے پہلے رکوع میں وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوا الخ۔ کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔

وَتَرْغَبُونَ الخ:- مجمع البیان میں ہے کہ جابر بن عبداللہ انصاری کی ایک چچازاد تھی جو بدصورت تھی اور اپنے باپ کی طرف سے کافی مال اس کو ورثہ میں ملا تھا پس اس کی بدصورتی کے پیش نظر اس سے خود بھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا اور کسی دوسری جگہ بھی اس کی شادی نہ کرتا تھا تاکہ دوسرا شوہر یہ مال نہ لے پس اس نے جناب رسالتمآبؐ سے اس بارے میں دریافت کیا تو یہ آیت اتری اور اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ تم یتیم عورتوں کو اپنا حق بھی نہیں دیتے یعنی ان کو نکاح کی اجازت نہیں دیتے اور خود بھی ان کے نکاح سے اعراض کرتے ہو اور خدا اس طرز عمل سے منع فرماتا ہے۔

اور کہتے ہیں عربوں میں دستور ہی تھا جس سے منع کیا گیا۔ اور اگر آیت کا معنی وہ ہو جو تحت اللفظ موجود ہے تو پھر ایک اور غلط رواج کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ کہ جس کے گھر میں کوئی یتیم لڑکی پرورش پاتی تھی تو یہ لوگ اس کے حسن و جمال کے پیشِ نظر اس سے شادی کے خواہشمند تو ہوتے تھے لیکن اسے یتیم سمجھ کر اپنے حق مہر وغیرہ کے حقوق سے محروم کر دیتے تھے۔ پس خدا نے ان کو اس بُرے طرزِ عمل سے بھی منع فرمایا۔

وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ۔ کمزور لوگوں کو حقوق وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا اور یتیموں کے اموال میں کج روی عام دستور تھا پس ان سب باتوں سے منع فرمایا اور عدل و انصاف کا حکم دیا۔

وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی
اور (فتویٰ دیتا ہے تمہیں) کمزور لڑکوں کے متعلق اور یہ کہ قائم رہو یتیموں کے لئے

بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ
انصاف پر — اور جو بھی کرو اچھائی تو تحقیق اللہ اس کو

بِہٖ عَلِیْمًا ۝ وَاِنِ امْرَاَۃٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِہَا نُشُوْزًا
جاننے والا ہے اور اگر کوئی عورت ڈرے اپنے شوہر کی سرکشی یا

اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِمَآ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَہُمَا صُلْحًا
روگردانی سے پس کوئی گناہ ان پر نہیں کہ صلح کر لیں آپس میں

عام عورتوں کے حقوق کے متعلق یتیم خوبصورت یا بدصورت لڑکیوں کے حقوق کے متعلق، کمزوروں اور یتیموں کے حقوق کے متعلق اسی سورہ نساء میں احکام بیان کر دیئے گئے ہیں خواہ وہ حقوقِ وراثت سے متعلق ہوں یا عام برتاؤ سے اور یہ آیت بیان شدہ احکام کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

وَاِنِ امْرَاَۃٌ۔ مجمع البیان میں ہے کہ ایک شخص کے نکاح میں ایک نوجوان عورت تھی اور دوسری سن رسیدہ پس اس نے سن رسیدہ کو طلاق دے دی اور جب اس کی عدت گذرنے کو پہنچی تو کہا کہ اگر میرا اس نوجوان عورت سے محبت کرنا تجھے گوارا ہو اور تو اس پر صبر کر سکتی ہو تو میں طلاق سے رجوع کر کے تجھے اپنے پاس رکھنے کو تیار ہوں پس اس عورت نے یہ شرط قبول کی اور اس نے رجوع کر لیا۔ پس یہ آیت اتری اور صلح باہمی سے مراد یہی ہے کہ عورت اپنے بعض حقوق کو ترک کر دے اور مرد اپنے دل پر بعض امور کے لئے پتھر رکھ لے اور آپس میں اچھا نباہ کرتے ہیں

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ۔ یعنی عورتوں اور مردوں کے نفوس میں بخل بھرا ہوا ہے۔ عورت اپنے حقوق قربان نہیں کرتی اور نہیں چاہتی کہ شوہر کا اس کی سوکن کے ساتھ زیادہ پیار ہو اور مرد بھی اپنا حق آزادی نہیں کھونا چاہتا اور وہ نہیں گوارا کرتا کہ ایک نوجوان عورت کی موجودگی میں وہ ایک ایسی عورت کے ساتھ گذارہ کرے جو بوڑھی

maablib.org

اور پھر بدل ناخواستہ اس کے تمام بوجھ بھی برداشت کرے۔ پس ہر دو اپنے حقوق میں سے جب تک کچھ حصہ سے چشم پوشی نہ کریں گے گذارہ مشکل ہوگا۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا۔ مقصد یہ ہے کہ چند عورتوں کے درمیان مرد کی طرف سے محبت میں فرق نہ ہو یہ ناممکن ہے۔ اور فرماتا ہے جتنی بھی کوشش کرو محبت میں یکسانگی نہیں ہو سکتی۔ ہاں ایسا مت کرو کہ بالکل ایک کی طرف ایسے جھک جاؤ کہ دوسری کی قطعاً پرواہ تک نہ کرو۔ کہ وہ نہ تو دوسری جگہ شادی کر سکے اور نہ تمہاری محبت سے فائدہ اٹھا سکے اور درمیان میں لٹکی رہ جائے بلکہ خواہ محبت یکطرفی ہو لیکن ہر ایک کے حقوق کا پورا کرنا واجب ہے اور اس کے متعلق اعتراض وجواب اس جلد میں تعدد نکاح کے تحت بیان ہو چکا ہے۔ مروی ہے کہ جناب رسالتمآب بیماری کے دوران میں بھی عورتوں کے درمیان تقسیم کو پورا کرتے تھے اور حضرت امیر علیہ السلام کا یہ حال تھا کہ جب ایک عورت کی باری ہوا کرتی تو دوسری کے گھر وضو بھی نہیں کرتے تھے (مجمع البیان)

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ

اور صلح اچھی چیز ہے اور نفوس کے سامنے بخل (بھی) ہے اور اگر

تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

احسان اور تقوٰی اختیار کرو تو تحقیق اللہ ہے تمہارے اعمال سے آگاہ

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ

اور ہرگز نہیں کر سکتے تم عدل درمیان عورتوں کے اگرچہ پوری کوشش کرو

فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا

پس نہ جھک جاؤ بالکل (یکطرفہ) کہ کر دو اس کو (دوسری) کو مثل لٹکی ہوئی چیز کے (نہ ادھر نہ ادھر)

وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا

اگر صلح کرو اور تقوٰی کرو تو تحقیق ہے اللہ بخشنے والا مہربان اور اگر ایک دوسرے

يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

سے جدا ہو جائیں تو غنی کریگا اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے اور ہے اللہ صاحب

وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝

وسعت و حکمت

كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ۔ یعنی اگر عورت و مرد میں سے کوئی بھی اپنے حقوق کی قربانی کرے اور بذریعہ طلاق کے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں تو ٹھیک ہے اور اس کے بعد خدا ہر ایک کا کارساز ہے اور خزانۂ رحمت سے ہر ایک کو وہ

maablib.org

رزق واسع عطا کر سکتا ہے لیکن حکمت کے تقاضے کے مطابق۔

وَ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سب وصیتوں سے بہتر وصیت ہے کہ خدا کو نہ بھولو اور تمام اس کو یاد رکھو اس کی نافرمانی نہ کرو۔ ہر حال میں اس کی عبادت کرو اس کی نعمت سے دھوکا نہ کھاؤ۔ ہمیشہ اس کا شکر کرو اور اس کی رحمت عظمت اور جلال کے پردوں سے باہر نہ نکلو ورنہ گمراہ اور ہلاک ہو گے اگرچہ دکھ مصیبت اور تکلیف کی آگ نہیں جلا ہی کیوں نہ دے اور یقین جانو کہ اس کی آزمائشوں کا نتیجہ کرامت ابدیہ اور مصائب کا نتیجہ اس کی رضا اور قرب ہوا کرتا ہے اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہی سہی۔ آہا کیسی قابل قدر اس کی نعمتیں ہیں لیکن اس کے لئے جو علم رکھتا ہو اور صاحب توفیق ہو۔ ایک شخص نے جناب رسالتمآب سے وصیت فرمانے کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا غصہ نہ

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ
اور اللہ کا ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور تحقیق
وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ
ہم نے وصیت کی ان کو جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے اور تمہیں بھی کہ
اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
اللہ سے ڈرو اور اگر کفر کرو گے تو تحقیق اللہ کا ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور
وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝۱۳۱ وَلِلّٰهِ
اور زمین میں ہے اور ہے اللہ غنی لائق حمد اور اللہ
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝۱۳۲
کا ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ وکیل

کیا کرو کیونکہ اللہ سے جھگڑنے کے برابر ہے۔ اس نے عرض کی کچھ اور؟ تو فرمایا ایسا کام نہ کرو جس سے معذرت کرنی پڑے کیونکہ اس میں شرک کا شائبہ ہے۔ عرض کی کچھ اور؟ فرمایا نماز اس طرح پڑھو جس طرح کہ یہ وداع کی نماز ہو کیونکہ اس میں قرب و وصال ہوتا ہے عرض کی کچھ اور؟ فرمایا اللہ سے اس طرح حیا کرو جس طرح کسی نیک ہمسایہ سے شرماتے ہو اس میں زیادتی یقین ہوتی ہے اور اولین و آخرین کی تمام وصیتوں کو خدا نے صرف ایک لفظ میں بند کر دیا ہے اور فرمایا اِتَّقُوا اللّٰهَ۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ الخ۔ اسی جملہ کو دو آیتوں میں تین دفعہ بار بار دہرایا گیا ہے کیونکہ تاکید بھی مقصود ہے اور اس کی الگ الگ وجوہ بھی ہیں۔ (۱) پہلے مقام پر چونکہ تقوٰے و اطاعت کی دعوت دینا چاہتا تھا اس لئے پہلے اپنی زمین و آسمان کی ملکیت و حکومت کو بیان فرمایا تاکہ دعوت تقوٰے کی قبولیت کیلئے سبب و محرک بن سکے (۲) دوسرے مقام

پر نافرمانی کہنے والوں سے بے نیازی و عدم احتیاج کو بیان فرمایا ہے کہ نافرمان یہ نہ خیال کریں کہ ہم اللہ کا کچھ بگاڑ لیں گے بلکہ وہ اپنا ہی بگاڑ رہے ہیں اور اللہ ان سے غنی مطلق ہے کیونکہ وہ تو آسمانوں اور زمینوں کی تمام اشیا کا مالک ہے

(۳) اور تیسرے مقام پر اپنی حسن تدبیر اور پختگی نظام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ سب نظام اسی کی تدبیر اتم کا ہی نتیجہ ہے تاکہ تمام دنیا والے اس میں غور و فکر کر کے معرفت کے راستہ پر گامزن ہو سکیں اور از خود ان میں عبادت و تقوے کا جوہر پیدا ہو۔

مَنْ كَانَ ۔ یہ شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے یعنی جو شخص صرف دنیاوی بدلہ کا طالب ہے۔ یہ اس کی کم عقلی کا نتیجہ ہے کیونکہ جب اللہ کے پاس دنیاوی بدلہ بھی ہے اور اخروی بھی تو انسان طلب کرنے میں بخل کیوں کرتا ہے۔ اس کو چاہیئے کہ دنیا و آخرت دونوں کی خوبی طلب کرے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ط
اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اے لوگو اور لائے دوسروں کو
وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝١٣٣ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ
اور ہے اللہ اس کام پر قدرت والا جو ارادہ رکھتا ہو
ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
بدلہ دنیا کا تو اللہ کے پاس بدلہ دنیا و آخرت کا ہے اور
وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ۝١٣٤
ہے اللہ سننے جاننے والا

تفسیر صافی میں بروایت کافی و خصال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ بسلسلہ آبائے طاہرین حضرت امیرؑ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حکما و فقہا کا دستور رہا ہے کہ جب وہ ایک دوسرے کو نصیحت لکھا کرتے تھے تو ان تین باتوں میں سے ایک لکھتے تھے جن کے ساتھ چوتھی نہیں ہے (۱) جس شخص کا مطمح نظر آخرت ہو تو خدا اس کے دنیاوی معاملہ کی خود اصلاح کر دیتا ہے۔ (۲) جس کی نیت درست ہو خدا اس کے ظاہری امور کو خود درست فرماتا ہے (۳) جو اللہ اور اپنے درمیان کا معاملہ درست رکھے خدا اس کا اور مخلوق کا معاملہ خود درست کر دیا کرتا ہے۔

اور بروایت فقیہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ دنیا طالب بھی ہے اور مطلوب بھی۔ پس جو شخص دنیا کا طالب ہوگا تو آخر اس کو موت طلب کر کے دنیا سے نکال دے گی اور جو شخص آخرت کا طالب ہوگا دنیا خود بخود اسے طلب کرے گی کہ یہاں سے وہ اپنا مقسوم پورا کرے۔ یعنی انسان کو دنیا کا مطلوب بننا چاہیئے اور آخرت کا طالب البتہ نہ ہو کہ دنیا کا طالب اور موت کا مطلوب بنے۔

رکوع ۱۷

حق کی گواہی

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ:۔ آیت مجیدہ میں خداوند کریم مومنین کو حق کی گواہی کا حکم دے رہا ہے۔ فرماتا ہے عدل و انصاف کے دستور پر ڈٹ جاؤ اور اللہ کو خوشنود کرنے کے لئے ہی سچی گواہی دو خواہ اپنے اور اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو خواہ غنی کے حق میں ہو یا فقیر کے حق میں ہو کیونکہ بعض لوگ فقراء طبقہ پر رحم کھاتے ہوئے غنی کے حق میں گواہی دینے سے کتراتے تھے تاکہ فقیر پر سختی نہ ہو اور نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خواہ غنی کے خلاف ہو یا فقیر کے خلاف ہو کیونکہ بعض لوگ فقیر کی طرف سے غنی کے خلاف گواہی نہیں دیتے صرف فقیر کی گراوٹ کی خاطر تو خداوند کریم مومنین کو انصاف کی تلقین فرماتا ہے کہ اس معاملہ میں کسی کی رعایت مت کرو اور سب کو برابر سمجھو۔ اللہ خود غنی و فقیر کا کفیل ہے اور وہ ہی ان کو رزق دیتا ہے۔ پس تم اس بارے میں خواہشِ نفس کی اتباع نہ کرو۔ مبادا انصاف کو ہاتھ سے دے بیٹھو اور ممکن ہے تَعْدِلُوْا عدول سے ہو یعنی حق کی گواہی سے عدول کرتے ہوئے خواہشِ نفس کی اتباع مت کرو۔ اور اگر گواہی کو ٹالو گے یا اس سے کنارہ کرو گے تو خدا تو جانتا ہی ہے اور مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیت کا آخری حصہ شرعی قاضیوں کے لئے ہے کہ جب گواہی گزر کر مقدمہ کی پوزیشن واضح ہو جائے تو مبادا تم کسی کی رعایت کرتے ہوئے دوسرے کے حق کو ٹالو یا حق کے فیصلہ سے روگردانی

یَاۤ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ

اے ایمان والو ہو جاؤ قائم انصاف پر

شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ

گواہی دیتے ہوئے اللہ کے لئے اگرچہ اپنے خلاف یا والدین اور

الْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی

قریبیوں کے خلاف ہو اگرچہ غنی ہو یا فقیر پس اللہ اولیٰ ہے ان کے

بِھِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰۤی اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗۤا

ساتھ پس نہ اتباع کرو خواہش کی انصاف میں اور اگر ٹالو گے یا منہ

اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۳۵﴾

پھیرو گے تو تحقیق اللہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔

علامہ کاشف الغطاء اعلی اللہ مقامہ نے دین و اسلام میں حقوق کو تین دائروں میں بند کیا ہے۔ انسان پر اپنے نفس کے حقوق، خالق کے حقوق اور مخلوق کے حقوق پس عدل و انصاف کے اصول کا اجراء اور اس کے قوانین کا استعمال ان حقوق کی معرفت پر موقوف ہے اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اس کا کلیہ مختصر لفظوں میں بیان فرمایا ہے جو نہج البلاغۃ کے بعض خطب میں مسطور ہے۔ فرماتے ہیں۔ الا، پہلا عدل کا زینہ یہ ہے کہ نفس سے خواہشات کو دُور کرے حق کو بیان کرے اور خود اس پر عمل پیرا ہو خیر کی کسی غایت کو ترک نہ کرے اور اس کی کسی جائے توقع سے غفلت نہ کرے، پس ایسا شخص ہی تاریکیوں میں بابصیرت دھنتے لگے ہیں بینا امور معضلہ کا فاتح اور طرق مشکلہ میں قائد ہو سکتا ہے پہلے تو سے پھر بولے ورنہ خاموشی کو سلامتی سمجھا دے ایسے شخص کے حق میں فرمایا یہ اللہ کے دین کی کان اور زمین پر اس کی ایک مضبوط چٹان کی ثبات ہے الخ

منافقوں کا ذکر

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي

اے ایمان والو۔ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے

نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ

اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اتاری پہلے اس سے اور جو انکار کرے گا

بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ

اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور روز قیامت کا تو تحقیق وہ بھٹک گیا

ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١٣٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ

گمراہی سخت میں تحقیق جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے۔ پھر

كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿١٣٧﴾

زیادہ ہوتے کفر میں تو نہیں اللہ بخشے گا اُن کو اور نہ توفیق دیگا ان کو راہ حق کی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ الخ۔ اس آیت مجیدہ کے معنی میں تین قول نقل کئے گئے ہیں لیکن جس کو صاحب مجمع البیان نے صحیح قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ خطاب ان لوگوں کو ہے جو صرف زبانی طور پر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور حقیقت ایمان سے ان کے دل نا آشنا تھے چنانچہ بعد والی آیتوں کا ارتباط بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ اس کا مصداق منافق لوگ ہیں جن کا قول نہ ان کے دل کے مطابق اور نہ عمل کے موافق ہے کیونکہ ملت اسلامیہ کو چھوڑ کر ملت کفر کو اختیار کرنا اور پھر مسلمان ہونا اور پھر کافر ہونا یہ طرز عمل فقط ایسے لوگوں سے ظہور پذیر ہو سکتا ہے جن کے دلوں میں ایمان راسخ ہو چکا ہو نَزَّلَ، تنزیل تدریجی نزول اور انزال دفعی نزول کے لئے استعمال ہوا کرتا ہے۔ اسی لئے قرآن کے لئے نَزَّلَ اور کتب سابقہ کے لئے اَنْزَلَ کا لفظ استعمال ہوا اور تفسیر کی تیسری جلد صفحہ ۱۹ انوار علمیہ میں دوسرے نمبر پر اس مطلب کو ذکر کیا جا چکا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ بعض لوگوں نے اس سے مراد یہود و نصاریٰ لئے ہیں کہ موسیٰ پر ایمان لائے اور پھر کافر ہوئے اور پھر عیسیٰ پر ایمان لائے اور کافر ہوئے اور جناب رسالتمآب پر ایمان نہ لانا ان کی زیادتی کفر ہے لیکن یہ معنی قطعاً بے جوڑ ہے اور اسلوب قرآنی کے خلاف ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت مثل سابق کے منافقوں کے حق میں اتری جو صرف زبان پر دعوائے ایمان رکھتے تھے اور ان کے دل کفر سے بھر پور تھے۔ تفسیر برہان اور صافی میں اہلبیت عصمت سے

مروی ہے کہ یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو پہلے ایمان لائے اور جب ولایت امیرؑ کا بروز غدیر بالفاظ من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ اعلان ہوا تو انکاری ہوئے پھر ظاہری بیعت کرکے اور بخ بخ کے الفاظ جاری کرکے ایمان کا اظہار کیا لیکن وفات رسولؐ کے بعد انکار پر ڈٹ گئے اور اس میں زیادتی کرتے گئے اور ایمان سے بالکل ہاتھ دھو بیٹھے۔ ایک روایت میں معصومؑ نے فرمایا اس آیت کے مصداق وہ لوگ ہیں جو شراب کی حرمت پر ایمان لائیں اور پھر پئیں اسی طرح زنا کی حرمت پر ایمان لائیں اور پھر خود زنا کریں اور زکوٰۃ کے وجوب پر ایمان لائیں لیکن ادا نہ کریں۔ بہر کیف تاویل کا دائرہ وسیع ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری ہے معصومؑ نے آیت کے بعض مصداق کی بطور مثال نشاندہی فرمائی ہے

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۳۸ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ

بشارت دیجئے منافقوں کو کہ ان کے لئے عذاب دردناک ہے وہ جو بناتے ہیں

الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ

کافروں کو دوست چھوڑ کر مومنوں کو کیا چاہتے ہیں ان کے پاس

الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝۱۳۹ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي

عزت پس تحقیق عزت اللہ کے لئے ہے سب اور تحقیق اس نے نازل کیا تم پر کتاب

الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ

میں یہ کہ جب تم سنو کہ آیات خدا کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور ان سے تمسخر

بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ

کیا جا رہا ہے تو ان کے پاس مت بیٹھو یہاں تک وہ داخل ہوں کسی اور بات میں

وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ :- مقصد یہ ہے کہ کفر کرتے کرتے ان کے دل اس طرح سیاہ ہو گئے کہ اب وہ ایمان کی طرف مائل ہی نہیں ہوتے اور گناہوں کا یہی اثر ہے کہ اگر نفس کو توبہ کی طرف رغبت نہ دلائی جائے تو سرکشی کرتے کرتے وہ اس نوبت تک پہنچ جاتا ہے کہ پھر اس میں ایمان لانے کی توفیق ہی نہیں رہتی اور اسی کیفیت کو بعض مقامات پر ختم اور طبع یعنی مہر لگانے سے تعبیر کیا ہے اور خدا کی طرف نسبت اس لئے ہوتی ہے کہ تمام توفیق اسی کی طرف سے ہی عنایت شدہ ہیں جن کی بدولت نافرمانی صدور میں آتی ہے ورنہ اعمال بد کی ذمہ داری خدا پر عائد نہیں بلکہ انسان کے سوء اختیار کا ہی نتیجہ ہوتا ہے اور تفسیر کی دوسری جلد کے اوائل میں ہم نے خَتَمَ اللّٰهُ کی تفسیر میں اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ :- مومن کہلا کر کافروں سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا منافقوں کی علامت ہے اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ یہ بنی امیہ کے حق میں ہے کہ انہوں نے آپس میں قسم کھائی تھی کہ معاملہ خلافت اہلبیتؑ کی طرف نہ جانے دیا جائے گا۔ نہی عن المنکر :- وَقَدْ نَزَّلَ :- تفسیر برہان میں کافی سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو حق کا انکار اور اس کی تکذیب کرے اور آئمہؑ حق کی عیب جوئی کرے پس اس کے پاس سے اٹھ جاؤ اور اس کے ساتھ نہ بیٹھو خواہ کوئی بھی ہو

نیز آپ نے فرمایا کہ خدا نے کانوں پر واجب کیا ہے کہ ایسی بات سننے سے بچیں جو اللہ نے حرام کی ہے اور اس کی منع کردہ چیزوں کی طرف توجہ کرنے سے گریز کریں چنانچہ آپ نے اسی آیتِ مجیدہ سے استشہاد پیش فرمایا۔ ہاں بھول چوک کو خدا نے مستثنا فرمایا ہے چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے کہ اگر تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھو۔ اور فرمایا کہ اگر تم اٹھ نہ گئے تو تم بھی ان جیسے شمار ہو گے۔ بنا بریں غیبت کا سننا جھوٹ کا سننا۔ گانا سننا اور دشمنانِ دین کی مجالس میں بیٹھ کر مذہبِ حق پر تمسخر اور ائمہ حق کا شکوہ سننا سب حرام ہیں اور اس آیتِ مجیدہ کی تاویل اس قسم کی تمام باتوں کو شامل ہے۔

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ

ورنہ تم بھی ان جیسے ہو جاؤ گے۔ تحقیق اللہ جمع کرنے والا ہے منافقوں اور کافروں کو جہنم

جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۝۱۴۰ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ

میں سب کو وہ جو انتظار کرتے ہیں تمہاری کہ اگر حاصل ہو تمہیں فتح اللہ

اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا

کی طرف سے تو کہتے ہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر ہو کافروں کے لئے حصہ تو انہیں کہتے ہیں۔

اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ

کیا ہم چھا نہیں گئے تم پر اور بچا لیا تم کو مومنوں سے پس اللہ ہی فیصلہ کرے گا تمہارے

بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى

درمیان بروزِ قیامت اور ہرگز نہیں کرتا اللہ کافروں کے لئے مومنوں کے

الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝۱۴۱

اوپر کوئی راہِ غلبہ

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۔ ورنہ تم ان جیسے ہو جاؤ گے۔ علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ آیتِ مجیدہ دلالت کرتی ہے کہ نہی عن المنکر واجب ہے جب انسان قدرت رکھتا ہو اور اگر انکار پر قدرت رکھتے ہوئے انکار نہ کرے اور ان کی بات پر رضامندی سے خاموش رہے تو وہ بھی ان جیسا ہو جائے گا کیونکہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے یعنی نہی عن المنکر پر قدرت رکھنے کے باوجود نہی نہ کرنا گناہِ کبیرہ ہے نیز آیت بتلاتی ہے کہ فاسق و فاجر لوگوں سے ہم مجلس ہونا اور اہلِ بدعت کے ساتھ بیٹھنا حرام ہے یعنی ہر وہ مجلس جہاں لغو و باطل کی گفتگو ہو اس میں بیٹھنا حرام ہے اور اگر بیٹھے تو ناجائز باتوں سے روکنا واجب ہے اور مروی ہے کہ ایک شخص جو میدانِ کربلا میں اپنی تجارت اور خرید و فروخت کے سلسلہ میں حاضر تھا اس نے خواب میں میدانِ محشر بپا دیکھا اور اپنے اوپر جنابِ رسالتمآبؐ کو ناراض دیکھا تو عرض کی حضور! میں نے آپ کے اہلبیتؑ کے ساتھ کوئی بے ادبی نہیں کی نہ تیر چلایا۔ نہ تلوار چلائی بلکہ میں تو صرف اپنے مطلب کے لئے وہاں گیا تھا۔ آپ نے فرمایا میرے اہلبیتؑ کے مخالف فوج میں تو نے ایک فرد کا

اضافہ ہو گیا تھا گویا تو ان کی ظاہری تعداد میں اضافہ کا موجب ہوا تو معلوم ہوا کہ دشمنانِ دین کی ظاہری تعداد کا بڑھانا اور ان کی شوکت و کثرت کا موجب بننا بھی ناپسندیدہ فعل ہے۔ بعض نادان مومن دشمنانِ اہلبیت کی مجالس میں کھلم کھلا شرکت کرتے ہیں اور اہلبیت عصمت کے خلاف جس قدر کیچڑ اچھالا جاتا ہے خاموشی سے سنتے رہتے ہیں ان کو خوفِ خدا کرنا چاہیے اور آیت مجیدہ کے فرمان کو پیش نظر رکھتے ہوئے آئندہ اس فعل سے تائب ہو جانا چاہیے۔

وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ یعنی دلیل و برہان کے لحاظ سے کافر مومنوں پر غلبہ نہیں ہو سکتا ورنہ ظاہری طور پر تو کافر مومنوں کو قتل بھی کر دیا کرتے ہیں جس طرح انبیاء قتل ہوئے اور آئمہ شہید ہوئے پس اس جگہ مراد سبیل سے ہے حجت و دلیل کا غلبہ

رکوع ۱۸

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا

تحقیق منافق دھوکا کرتے ہیں اللہ سے اور وہ ان کو دھوکے کا بدلہ دیتا ہے اور جب کھڑے

إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ

ہوں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں تو کسل ہو کر دکھاتے ہیں لوگوں کو اور نہیں یاد کرتے

اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ

اللہ کو مگر کم مذبذب ہیں درمیان ہیں نہ اس طرف

وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝

اور نہ اس طرف اور جس کو چھوڑ دے گمراہی میں اللہ تو ہرگز نہ پاؤ گے اس کے لئے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن

کوئی راہ اے ایمان والو! نہ بناؤ کافروں کو دوست چھوڑ کر

دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ

مومنوں کو کیا تم چاہتے ہو کر قائم کرو اللہ کی اپنے اوپر

سُلْطَانًا مُّبِينًا ۝

حجت ظاہر

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ۔ منافقوں کا دھوکا یہ ہے کہ ظاہر میں کلمہ شہادتین زبان پر جاری کرتے ہیں اور دل میں کفار سے میل ملاپ رکھتے ہیں اور اللہ کی طرف سے دھوکے کا بدلہ یہ ہے کہ ظاہری دنیا میں ان سے مسلمانوں کا سا سلوک کیا جاتا ہے اور آخرت میں ان کے لئے کافروں کا سا عذاب ہے بلکہ ان سے بھی سخت ترین قَامُوا كُسَالَىٰ، چونکہ منافق دل سے تو اسلام کو تسلیم نہیں کرتے تھے اس لئے احکام اسلام پر عمل کرنے کو ان کا جی نہ چاہتا تھا اور بوجھل ہو کر نماز میں شامل ہوتے تھے تاکہ لوگ دیکھیں کہ ہم بھی نماز گذار ہیں۔ تفسیر برہان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ ریاکار کو بروزِ قیامت چار ناموں سے پکارا جائے گا۔ اے کافر، اے فاجر، اے غادر، اے خاسر۔ تیرا عمل باطل اور اجر ضائع ہو چکا ہے۔ آج تیرا کوئی

حصہ نہیں پس تو اپنے عمل کی مزدوری اس سے مانگ جس کے لئے تو نے عمل کیا تھا اور آپ نے فرمایا کہ ریاکاری سے بچو کیونکہ ریاکرنا شرک ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ طبیعت پر بوجھ ہو سستی ہو یا اونگھ ہو تو نماز کے لئے بدھل کھڑا ہونا منافقوں کی علامات میں سے ہے اور مومنوں کو اونگھ کے عالم میں نماز پڑھنے سے بھی اس نے روکا ہے۔

لَا إِلَىٰ هٰؤُلَاءِ :- مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ منافقوں کی مثال مثل اس بکری کے ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان سے گذرے اور حیران ہو کہ ان میں سے کس کے ساتھ ملحق ہو جاؤں پس ان لوگوں کی بھی یہی حالت ہے ایمان اور کفر کے درمیان حیران ہیں کہ کس کو اختیار کریں۔ لہٰذا نہ اس طرف ہیں اور نہ اس طرف ہیں۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ
تحقیق منافق لوگ سب سے نچلے طبقہ جہنم میں ہوں گے اور ہرگز نہ پائے گا ان
نَصِيرًا ﴿۱۴۵﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَ
کیلئے کوئی مددگار مگر جن لوگوں نے توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی اور تمسک پکڑا اللہ سے اور
أَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ
خالص کرلیا اپنا دین اللہ کےلئے تو ایسے لوگ ساتھ مومنوں کے ہوں گے اور عنقریب
اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ
دے گا اللہ مومنوں کو اجر عظیم کیا کرے گا اللہ تم کو عذاب دے کر
إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿۱۴۷﴾
اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ اور ہے اللہ شکر کی جزا دینے والا جاننے والا

إِنَّ الْمُنٰفِقِينَ :- یعنی منافقوں کا عذاب تمام جہنمیوں کے عذاب سے سخت تر ہوگا اور جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور اصطلاح میں درجات جنت کو طبقات کہا جاتا ہے اور درجات جہنم کو درکات کہا جاتا ہے اور جس طرح جنت کے درجات بعض بعض سے بلند ہیں۔ اسی طرح جہنم کے درکات بعض بعض سے پستی کی طرف جاتے ہیں اور منافقین سب سے نچلے حصہ میں ہوں گے۔ اور عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ منافق لوہے کے صندوق میں بند کرکے جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ قرآن مجید کی یہ آیت صاف اعلان کر رہی ہے کہ عام کافر کے عذاب سے منافق کا عذاب سخت تر ہوگا۔ ہاں البتہ جو منافق توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرکے راہِ راست پر آجائیں تو وہ مومنوں کے زمرہ میں شامل ہو جائیں گے اور مومنوں کی طرح اجرِ عظیم کے سزاوار ہوں گے۔

مَا يَفْعَلُ :- کسی کو سزا دینے کے لئے عام طور پر محرک تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) غصہ ٹھنڈا کرنا (۲) ضرر کو رفع کرنا کہ دشمن کو مار کر اطمینان ہوگا اور ضرر اس کی جانب سے خطرہ نہ رہے گا (۳) نفع حاصل کرنا۔ اور خداوند کریم ان چیزوں سے پاک و مبرا ہے۔ نہ اسے غصہ ٹھنڈا کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ حالات ممکنات کا خاصہ ہے اور ذات باری اس قسم کے انقلابی و تغیراتی حالات سے پاک و منزہ ہے اور نہ اسے کسی سے ضرر کا خطرہ

ہے اور نیز نہ اس کو منفعت کی چاہت ہے بلکہ تمام موجودات اس کی ملک ہیں لہٰذا جب یہ محرک موجود ہی نہیں تو پھر کسی کو عذاب دے کر کیا کرے گا یعنی اس کو عذاب دینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

انسان کے اپنے اعمال اپنے طبعی خواص کی بدولت خود عذاب بن جاتے ہیں جس طرح ظاہری طور پہ اگر کوئی انسان ضرر رساں چیز کھالے تو اس نے طبعی طور پر خواہ مخواہ اسے تکلیف دینی ہے اسی طرح انسانی اعمال میں سے بعض روح انسانی کے لئے ضرر رساں اور بعض زہریلے ہیں جنہوں نے انسان کو دائمی عذاب میں ڈالنا ہے اور خدا اس قسم کے اعمال کے ارتکاب سے منع فرماتا ہے پس وہ کسی کو عذاب میں ڈالنا نہیں چاہتا لیکن جو انسان خواہ مخواہ ایسے افعال کا مرتکب ہو جس کا انجام جہنم ہے تو خود کردہ را علاجے نیست۔

مرکز احیاء آثار برّ صغیر
MAAB 1431
maablib.org

پارہ ۶

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

رکوع ا غیبت سے ممانعت: - لَا یُحِبُّ اللّٰہُ ، یعنی خداوند کریم نہیں پسند کرتا کہ کوئی انسان کسی انسان کی برائی کرے۔ ہاں جس شخص پر ظلم کیا جائے تو وہ حق رکھتا ہے کہ ظالم کی اس برائی کو بیان کرے کہ فلاں نے مثلاً مجھ پر ظلم کیا ہے یعنی فقط وہی برائی بیان کرے جس کا اس سے تعلق ہے اس کے علاوہ اگر اس میں کوئی اور برائیاں بھی ہوں تو ان کے ظاہر کرنے کا اس کو حق نہیں بشرطیکہ وہ ان برائیوں میں معلن بالفسق نہ ہو چکا ہو بعض روایات میں معصومینؑ سے وارد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے ہاں مہمان ہو اور وہ اس کی مہمان نوازی اچھی نہ کرے تو مہمان کو اس کے برے برتاؤ کے اظہار کا حق حاصل ہے۔ گویا مہمان سے بدسلوکی بھی اس پر ایک قسم کا ظلم ہے جس کے اظہار کا وہ حق رکھتا ہے اور اس بارے میں اس کو غیبت کا گناہ نہ ہوگا

یہ آیت مجیدہ غیبت یعنی گلہ کوئی سے منع کر رہی ہے اور کسی مومن کا گلہ کرنا ایسا ہے جس طرح کہ گویا اس نے اس کا گوشت کھایا ہو۔ خداوند کریم تمام مومنین کو اس مرض سے محفوظ رکھے۔ مظلوم کے لئے اگرچہ اجازت ہے کہ وہ اپنا ظلم بیان کرکے ظالم کی برائی کا اعلان کر سکتا ہے تاکہ اس کی داد رسی ہو لیکن بعد میں فرماتا ہے کہ اگر تم بجائے برائی کے ظاہر کرنے کے اچھی بات ظاہر کرو یا بالکل صبر کرکے اسے دبا دو اور پی جاؤ یا اس کی برائی سے درگذر کرو تو اللہ بھی درگذر کرنے والا ہے یعنی اس قسم کی تمہاری بہت سی کوتاہیوں کو وہ بھی معاف کر دے گا یعنی اس موقعہ پر بھی خدا کو درگذر ہی بھاتا ہے اہل ایمان کی باہمی شیرازہ بندی اور آپس میں اتحاد و یگانگت کے بقاء اور استحکام کے لئے مشفق و اور نفاق کی جڑ کو کاٹ دیا تاکہ باہمی شکر رنجیوں کا پوری طرح سد باب ہو جائے اور کسی وقت بھی مومن کی مومن سے دست و گریبان ہونے کی نوبت نہ آئے اور اس میں شک نہیں کہ عیب جوئی ہی فتنہ و فساد کی پہلی جڑ ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے بدظنی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور حسن ظن کا راستہ بند ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں باہمی محبت منافقت کا روپ دھار لیتی ہے۔ اس کے برعکس اگر عیب جوئی اور گلہ گوئی ختم ہو جائے تو حسن ظن عام ہوگا اور بدظنی مفقود ہو گی۔ پس باہمی محبت اپنے اصلی رنگ میں ہو گی اور اہل ایمان پر امن و سلامتی کا پرچم لہرانے لگے گا جو اپنی حقیقی قوت جذب سے اقوام عالم کے قلوب اپنی طرف جھکا لے گا اور ایمان و اسلام کو فتح مبین نصیب ہو گی۔

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَکَانَ اللّٰہُ
نہیں پسند کرتا اللہ اعلانیہ کرنا بری بات مگر جو مظلوم ہو اور ہے اللہ
سَمِیْعًا عَلِیْمًا اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْہُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ
سننے جاننے والا اگر تم ظاہر کرو اچھائی یا پوشیدہ کرو یا درگذر کرو کسی برائی سے
فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَ
تو تحقیق اللہ ہے درگذر کرنیوالا قدرت رکھنے والا تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ اور
رُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ
اس کے رسولوں کا اور چاہتے ہیں تفریق درمیان اللہ اور اس کے رسولوں کے اور کہتے ہیں کہ ہم
بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ
ایمان رکھتے ہیں بعض پر اور کفر کرتے ہیں بعض کا اور چاہتے ہیں کہ پکڑیں درمیان

سبحان اللہ! یہ مکارم اخلاق کا کیسا بہترین درس ہے کہ خدا مخلوق کے عیوب کا اعلان پسند نہیں فرماتا ہاں جو شخص اپنا پردہ خود فاش کر دے اور اعلانیہ فاسق ہو جائے تو اس کی غیبت کرنا کوئی گناہ نہیں کیونکہ اسمیں نہ کوئی بدظنی کا مقام ہے اور نہ فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے چنانچہ احادیث اس بارے میں صریح ہیں کہ فاسق کی کوئی غیبت نہیں ہے۔

اَنْ یُّفَرِّقُوْا۔ تفریق کا مقصد یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے جس طرح کیا یہود موسیٰؑ پر ایمان لائے اور عیسیٰؑ کا انکار کیا اور نصاریٰ عیسیٰؑ پر ایمان لائے اور جناب رسالتمآبؐ کی نبوت کا انکار کیا اور جو بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں میں سے کسی ایک کا انکار کرے وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے سب نبیوں کا انکار کیا اور گویا وہ اللہ کا بھی منکر ہے اور تمام انبیاء کا بھی منکر ہے اور مومن وہ ہوگا جو سب پر ایمان لائے۔

تفہیم و تلقین

کتاب معانی سے بروایت ابن عباس مروی ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا لوگو! جس نے علی کو چھوڑ کر کسی اور کو امام بنایا گویا اس نے میری نبوت سے اعراض کر کے کسی اور کو نبی مانا اور جس نے مجھے چھوڑ کر کسی اور کو نبی مانا گویا اس نے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو رب مانا اور عقائد صدوق سے مروی ہے جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا جو شخص میری مسند کے معاملہ میں علی پر ظلم کرے (میرے بعد علی سے میرا منبر غصب کرے) تو اس نے گویا میری اور تمام سابق انبیاء کی نبوت کا انکار کیا اور جو ظالم سے دوستی رکھے وہ بھی ظالم ہوا کرتا ہے۔

ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا اے علیؑ تو اور تیری اولاد سے ہونے والے آئمہ مخلوق پر اللہ کے خلیفے اور زمین پر اس کے اعلام ہیں جس نے ان میں سے کسی ایک کا انکار کیا اس نے گویا میرا انکار کیا اور جس نے ان میں سے کسی ایک کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اور جس نے تمہاری اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اس مضمون کی احادیث بکثرت ہیں بلکہ متواتر ہیں اور ہم نے مقدمہ تفسیر میں باب مقبولیت اعمال۔ باب احباط و شفاعت اور باب ولاء آل محمد میں بہت کچھ حدیثیں باحوالہ جات نقل

ذٰلِكَ سَبِيلًا ۝ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا
اس کے کوئی راستہ — ایسے لوگ کافر ہیں سچ مچ — اور تیار کر رکھا

لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ
ہے ہم نے کافروں کے لئے عذاب رسواکن — اور جو لوگ — ایمان لائے

وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولٰٓئِكَ
اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ تفریق کی درمیان کسی کے ان میں سے تو ایسے لوگ

سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ
عنقریب دے گا ان کو ان کے اجر — اور ہے اللہ

غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ ۱۵۲
غفور رحیم

کی ہیں اور ان تمام احادیث کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علی اور اس کی اولاد امجاد کی امامت کا منکر ایسا ہے جیسا کہ منکر نبوت اور خداوند کریم فرماتا ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرے وہ سچ مچ کافر ہے اور اس کے لئے عذاب رسواکن ہے اور حب اہلبیتؑ کی ولا کا منکر جناب رسالتمآبؐ کی نبوت کا منکر ہے اور آپ کی نبوت کا انکار گویا تمام انبیاء کے انکار کے برابر ہے اور چونکہ خدا اور نبیوں میں تفریق نہیں ہو سکتی تو گویا وہ خدا کی توحید کا منکر ہے۔ پس اس کے کفر میں شک ہی نہیں ------ ہاں مومن وہ ہے جو اللہ و رسولؐ پر ایمان لائے اور خدا اور اس کے انبیاء میں تفریق نہ کرتا ہو۔ اور وہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ ولایت آل محمدؐ کا اقرار کرے کیونکہ ان کی ولا کے بغیر اقرار نبوت بے کار ہے جیسا کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

رکوع ٢٢

یَسْئَلُکَ :- مروی ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے عرض کی تھی کہ اگر آپ برحق پیغمبرؐ ہیں تو ایک ہی دفعہ آپ کے پاس آسمان سے لکھی ہوئی کتاب آجائے جس طرح کہ حضرت موسٰیؑ پر تورات آئی تھی تو خداوند کریم ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ یہ لوگ حضرت موسٰیؑ سے اس سے بھی زیادہ سوال کرتے تھے چنانچہ انہوں نے خدا کے دیکھنے کی خواہش کی تھی۔ بہرکیف یہ لوگ تسلیم کے لئے نہیں بلکہ صرف اعتراض کے لئے ہی اس قسم کی باتیں بناتے ہیں اس کی پرواہ نہ کیجئے۔

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ
سوال کرتے ہیں آپ سے اہلِ کتاب کہ تو اتارے ان پر ایک کتاب آسمان سے تو تحقیق

سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ
انہوں نے حضرت موسٰیؑ سے سوال کیا اس سے بھی بڑا کہ انہوں نے کہا ہمیں دکھا خدا بظاہر تو پکڑ لیا ان کو

الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ
تجلی نے بوجہ ان کے ظلم کے پھر لوجا انہوں نے بچھڑے کو بعد اس کے کہ آچکیں ان کے پاس

الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ ١٥٣ وَ
واضح دلیلیں پھر ہم نے درگذر کیا ان سے اور عطا کیا ہم نے موسٰیؑ کو غلبہ ظاہر اور بلند

رَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا
کیا ان پر کوہِ طور کو بوجہ ان کے وعدہ کے اور ہم نے ان کو کہا کہ داخل ہو دروازہ سے سجدہ کرتے

١٥٤ وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا
ہوئے اور کہا ان کو کہ نہ تجاوز کرو بروز سنیچر اور لیا ہم نے ان سے پکا وعدہ

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ
پس بوجہ توڑنے ان کے اپنے وعدہ کو اور کفر کرنے کے ساتھ آیاتِ خدا کے اور قتل کرنے کے

بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا
نبیوں کو ناحق اور ان کا کہنا کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں بلکہ مہر لگادی اللہ نے ان پر بوجہ ان کے کفر کے پس

مِیْثَاقِہِمْ :- انہوں نے حضرت موسٰیؑ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم تورات پر ضرور عمل کریں گے لیکن جب وہ تورات لائے تو انہوں نے انکار کردیا پس ان کے اوپر کوہِ طور بلند کیا گیا اور جب انہوں نے دیکھا کہ اب یہ ہمارے اوپر گرنے والا ہے تو پھر مان لیا اور کہا کہ ہم عمل کریں گے۔ چنانچہ تفسیر کی دوسری جلد ص ١٤١ پر یہ واقعہ گذر چکا ہے۔

تنبیہہ :- بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور بدعنوانیوں کی طویل فہرست تفسیر کی دوسری جلد ص ١٨٦ پر ملاحظہ ہو اس جلد میں ان واقعات کی حسبِ ضرورت آیات متعلقہ کے ماتحت تفصیل بیان کی جاچکی ہے لہٰذا یہاں دوبارہ دھرانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ حضرت عیسٰیؑ کی والدہ پر بہتان اور حضرت عیسٰیؑ کے قتل کی بےسروپا داستان اور سود خوری اور لوگوں کے اموال کو ناحق کھانا وغیرہ ان چیزوں کا وہاں ذکر نہیں ہوا تھا اور اس قسم کی سرکشیوں کی ان میں بہتات تھی۔ اور خداوند کریم جناب رسالتمآبؐ کی تسلی کے لئے ان کے واقعات دہراتا ہے کہ ان لوگوں کی عادت ہی

جز میں داخل ہیں لہذا آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں اور اپنا کام کئے جائیں۔

ترکیب نحوی۔ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ سے لیکر قَلِیْلًا تک جملہ معترضہ ہے۔ اسی طرح وَمَا قَتَلُوْهُ سے لیکر شَهِیْدًا تک بھی جملہ معترضہ ہے اور فَبِمَا نَقْضِهِمْ میں ما زائدہ ہے اور اس کے بعد وَكُفْرِهِمْ وَقَتْلِهِمْ وَقَوْلِهِمْ اس کے معطوف ہیں اور پھر وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ کا عطف بِمَا نَقْضِهِمْ پر ہے اور با حرف جر کا متعلق بقول طبری کے محذوف ہے یعنی لَعَنَّاهُمْ یعنی ان تمام کرتوتوں کے بدلہ میں ہم نے ان پر لعنت کی ہے اور زجاج کے قول کے مطابق باء کا متعلق حَرَّمْنَا ہے جو بعد میں مذکور ہے اور بنا بریں فَبِظُلْمٍ بدل ہے فَبِمَا نَقْضِهِمْ سے یعنی ان کے ان تمام ظلموں کی وجہ سے ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں اور زجاج کا قول زیادہ قوی ہے کیونکہ حذف ماننے کی اس میں ضرورت نہیں رہتی (ملخص از مجمع البیان)

قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ ۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہودیوں نے یوسف نامی ایک نجار کی طرف حضرت مریم کے حمل کی نسبت دی تھی۔ مجمع البیان میں بروایت کلبی منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گذر رہے تھے بعض لوگوں نے کہا کہ دیکھو جادوگر جادوگرنی کا بیٹا جادوگر اور زانیہ کا بیٹا زانی آ رہا ہے حضرت عیسیٰ نے سنا تو بارگاہ رب العزت میں عرض کی میرے پروردگار تو نے ہی مجھے خلق فرمایا ہے میں خود تو پیدا نہیں ہوا ہوں جن لوگوں نے مجھے اور میری ماں کو سب کیا ہے تو ان پر لعنت بھیج۔ پس وہ خنزیر ہو گئے۔

يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۵۵ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝۱۵۶

نہیں ایمان لاتے مگر کم اور بوجہ ان کے کفر کے اور بہتان لگانے کے مریم پر بہتان عظیم

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ

اور ان کے کہنے کہ ہم نے قتل کر دیا حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم کو جو خدا کا رسول تھا حالانکہ انہوں نے

وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ

نہ ان کو قتل کیا اور نہ سولی دیا لیکن انہیں شبہ ڈالا گیا اور تحقیق جو لوگ اختلاف کرتے ہیں اس بارے میں وہ شک میں

مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝۱۵۷

پڑے ہیں اس کے متعلق ان کو کوئی اس کا علم نہیں سوائے ظن پرستی کے حالانکہ نہیں اس کو قتل کیا یقینا

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۱۵۸ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ

بلکہ اس کو اٹھا لیا ہے اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ غالب دانا اور کوئی اہل کتاب سے

الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ

نہ ہو گا مگر یہ کہ ایمان لائے گا اس پر قبل اس کی موت کے اور بروز محشر وہ ان

شَهِيْدًا ۝۱۵۹

پر گواہ ہو گا۔

حیات مسیح :۔ وَقَوْلِهِمْ :۔ ان آیات میں حضرت مسیح کی حیات کا کھلے لفظوں میں اعلان ہے اور جن لوگوں نے ان کی موت کا پروپیگنڈا کیا

ان کی شدید مذمت ہے۔ مجمع البیان میں ہے جب حضرت عیسیٰؑ کی بد دعا سے سب کرنیوالے خنزیر کی شکل میں مسخ ہوئے۔ راس الیہود کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں میرے حق میں بد دعا نہ کردے تو اس نے یہودیوں کو جمع کیا اور قتل کا پروگرام مرتب کر کے حضرت عیسیٰؑ کے پاس پہنچے خداوند کریم نے جبرئیلؑ کو حفاظت کے لئے مقرر کر دیا۔ جب حضرت عیسیٰؑ نے یہودیوں کے بعض عقائد کی تردید فرمائی تو وہ قتل پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت جبرئیلؑ نے حضرت عیسیٰؑ کو ایک کمرہ میں داخل کر دیا جس کی چھت میں ایک روشندان تھا اور اس سے اس کو آسمان پر لے جایا گیا۔ راس الیہود نے ایک اپنے ہمراہی طیطانوس کو اندر بھیجا تو خدا نے اس پر حضرت عیسیٰؑ کی شبہ ڈال دی اور باہر نکلا تو اسے یہودیوں نے عیسیٰ سمجھ کر قتل کر ڈالا۔ کہتے ہیں کہ صرف منہ پر حضرت عیسیٰؑ کی شبہ تھی باقی جسم ویسے کا ویسا تھا۔ چنانچہ بعد میں یہ راز منکشف ہو گیا لیکن اشتباہ ان کا رفع نہ ہوا اور کہتے تھے اگر یہ طیطانوس ہے تو عیسیٰؑ کہاں ہے؟ اور اگر یہ عیسیٰؑ ہے تو طیطانوس کہاں گیا؟

اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے ہمراہ سات حواری تھے جب یہودیوں نے انکا احاطہ کیا تو خدا نے ان سب پر حضرت عیسیٰؑ کی شبہ ڈال دی۔ یہودیوں نے کہا تم نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ تم میں سے جو عیسیٰؑ ہے سامنے آئے ورنہ ہم سب کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ پس حضرت نے فرمایا کہ کوئی ہے جو قربانی دے۔ تو ایک آپ کا حواری جس کا نام سرجس تھا آگے بڑھا اور یہودیوں نے اسے قتل کر دیا اور خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو اٹھا لیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جب یہودی حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنے کے لئے آئے تو چونکہ خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو اٹھا لیا تھا۔ لہٰذا وہ مایوس ہوئے اور خیال کیا کہ اگر یہودی اس معجزہ سے مطلع ہوئے تو وہ سب کے سب ان پر ایمان

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ

پس بوجہ ظلم کے جو یہودی ہیں حرام کر دیں ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی ہیں

وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝١٦٠ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا

ان پر اور بوجہ روکنے ان کے راہ خدا سے بہت اور لینے ان کے سود حالانکہ اس سے

(۶) عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا

ان کو روکا گیا اور کھانے ان کے لوگوں کے مال ناجائز اور تیار کیا ہم نے کافروں کے لئے عذاب دردناک

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ

لیکن وہ لوگ جو پختہ ہیں علم میں ان میں سے اور ایماندار لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتاری گئی

اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

آپ پر اور وہ جو اتاری گئی آپ سے پہلے اور خصوصاً وہ جو قائم کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ

وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝١٦٢

اور ایمان رکھنے والے ہیں اللہ اور روز قیامت پر ایسے لوگوں کو دیں گے ہم اجر عظیم

لائیں گے۔ لہٰذا انہوں نے ایک عام شخص کو قتل کر کے ایک بلند مقام پر سولی پر لٹکا دیا ادا اس کے قریب کسی کو نہ جانے دیا اور مشہور یہ کر دیا کہ ہم نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کر دیا ہے۔ اور مروی ہے کہ جب یہودی لوگ حضرت عیسیٰؑ کی تلاش میں نکلے تھے تو حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں سے ایک شخص یودس نامی جو منافق تھا نے تیس درہم ان سے لے کر حضرت عیسیٰؑ کے مکان کی نشاندہی کی تھی اور پھر خدا نے اسی پر حضرت عیسیٰؑ کی شبہ ڈال دی تھی اور جب یہودیوں نے اسے پکڑا تو یہ کہتا رہا کہ میں تو وہ ہوں جس نے تمہیں عیسیٰؑ کے مکان کی نشاندہی کی تھی، میں خود عیسیٰ نہیں ہوں لیکن انہوں نے نہ مانا اور اسے قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا۔

ہم نے تفسیر کی تیسری جلد میں ص۲۴۲ تا ص۲۴۶ حیاتِ مسیحؑ پر مفصل بحث کی ہے اور قرآن مجید واضح اور غیر مبہم الفاظ میں حیاتِ مسیحؑ کا اعلان فرما رہا ہے اور جو لوگ ان کی موت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں ان کو اتباعِ ظن اور شک کی طرف نسبت دے کر ان کی مذمت فرما رہا ہے اور چونکہ یہود و نصاریٰ کی خبریں سب وہم و شک پر مبنی ہیں کیونکہ یہودی خود تو حضرت عیسیٰؑ کو پہچانتے تھے نہیں پس جس مشتبہ شخص کو قتل کیا ان کو کہا گیا یہی عیسیٰؑ ہے پس انہوں نے مشہور کر دیا اور عیسا ئیوں کو بھی اسی مشتبہ شخص کے قتل سے حضرت عیسیٰؑ کے قتل و صلب کا اشتباہ ہوا لہٰذا ان کی متواتر خبریں اعتبار سے ساقط ہیں اور خدا کا غیر مبہم اعلان ثابت کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ:۔ تفسیر قمی سے مروی ہے کہ حجاج بن یوسف نے اسی آیت کے متعلق پوچھا تو راوی حدیث کہتا ہے میں نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام قیامت سے پہلے زمین پر اتریں گے اور کوئی ملت خواہ یہودی ہوں یا نصرانی باقی نہ رہے گی مگر یہ کہ ان پر ایمان لائے گی اور وہ خود حضرت مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ حجاج نے پوچھا کہ تو نے یہ کہاں سے سنا ہے۔ کہتا ہے میں نے کہا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے میں نے ایسا ہی سنا ہے۔

اس آیت سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر شخص موت سے پہلے ایمان لاتا ہے لیکن اس وقت کا ایمان لانا فائدہ مند نہیں ہوتا جیسے کہ فرعون کا ایمان، اور اسی مضمون کی روایات آئمہ سے بھی مروی ہیں مثلاً امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی مروی ہے کہ بنی فاطمہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوتا جو موت سے پہلے اپنے امام کی امامت کا اقرار نہ کرے۔ ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کسی دین کا کوئی آدمی نہیں مرتا مگر یہ کہ وہ آخری وقت جناب رسالتمآبؐ اور حضرت امیر المومنینؑ کو دیکھتا ہے (برہان وصافی)

اور اسی بنا پر حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے حارث ہمدانی کو فرمایا۔

يَا حَارِ هَمْدَانَ مَنْ يَمُتْ يَرَنِي   مِنْ مُؤْمِنٍ اَوْ مُنَافِقٍ قُبُلَا
يَعْرِفُنِي طَرْفُهُ وَاَعْرِفُهُ   بِعَيْنِهِ وَاسْمِهِ وَمَا فَعَلَا

فَبِظُلْمٍ:۔ یعنی بنی اسرائیل کی سرکشیوں کی بدولت بطور سزا کے خدا نے ان پر بعض چیزیں حرام کی تھیں مثلاً گائیوں اور بکریوں وغیرہ کا گوشت چنانچہ بعد میں آئے گا۔ اور اس آیت مجیدہ سے استشہاد کرتے ہوئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایک شخص زمین میں گندم کاشت کرے اور پھر اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے، اور پھر اس کی گندم میں جو کی آمیزش زیادہ ہو جائے تو اس کے اس ظلم کا نتیجہ ہے (یعنی

maablib.org

زکوٰۃ نہ ادا کرنے کا) ملخص۔

وَاَكْلِهِمُ :۔ باطل سے مال کھانے کا مطلب یہ ہے کہ رشوت لیتے تھے۔ تورات میں امرا طبقہ کی مرضی کے مطابق اپنی طرف سے عبارتیں بڑھا کر ان کی خوشامدیں کر کے رقم وصول کرتے تھے وعلیٰ ہذا القیاس۔ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حالتِ جر میں ہے اور اس کا عطف ما پہ ہے اور ترجمہ یہ ہوگا کہ ایمان لاتے ہیں نماز قائم کرنے والوں پر اور نماز قائم کرنے والوں سے مراد انبیاء علیہم السّلام ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ منصوب علی المدح ہے اور اس صورت میں ترجمہ وہی ہوگا جو تحت اللفظ موجود ہے اور بعضوں نے اور ترکیبیں بھی کی ہیں اور ابن مسعود کی قرأت میں اَلْمُقِيْمُوْنَ کہا گیا ہے لیکن یہ قرأت بالکل شاذ ہے۔

رکوع ۳۶ :۔ انبیاء کا ذکر۔ اِنَّا اَوْحَيْنَا :۔ ایک طرف تو اہل کتاب کے استعجاب کو رفع فرما رہا ہے کہ جناب رسالتمآب کی طرف وحی کا سلسلہ اجنبی چیز نہیں بلکہ یہ ایسا ہے جس طرح گذشتہ تمام انبیاء کی طرف جاری رہا۔ اور دوسری طرف اس استعمال میں جناب رسالتمآبؐ کی عظمت شان کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام گذشتہ انبیاء کی طرف جو کچھ وحی ہوتی وہ سب تنہا حضور کی وحی کے مقابلہ میں ہے اور اسی بناء پر بروایت عیاشی صادقین علیہما السّلام سے مروی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور کیلئے تمام نبیوں کی وحی کو ثابت فرمایا پس جو کچھ سابقہ انبیاء کو عطا فرمایا وہ سب کا سب حضور کو عطا فرمایا چنانچہ حدیث نبوی میں ہے کہ طوال بدلے تورات کے مئین بدلے انجیل کے اور مثانی بدلے زبور کے مجھے عطا ہوئیں اور ۶۸ سورتیں مفصلات مجھے ان سے زیادہ عطا ہوئیں۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ
ہم نے وحی کی آپ پر جس طرح ہم نے وحی کی نوح اور دوسرے نبیوں پر جو
بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ
اس کے بعد تھے اور وحی کی ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق
وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ
اور یعقوب اور اس کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون
وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝۱۶۳
اور سلیمان پر اور عطا کی ہم نے داؤد کو زبور

اِلٰى نُوْحٍ :۔ حضرت نوح کو سب سے پہلے ذکر فرمایا کیونکہ یہ تمام نبیوں سے عمر میں بڑے تھے (اسی لئے ان کا لقب ہے شیخ المرسلین) اور ان کا معجزہ تھا کہ باوجود ایک ہزار پچاس برس کی تبلیغی عمر کے نہ ان کا کوئی دانت گرا نہ قوت میں کمزوری لاحق ہوئی اور نہ بال سفید ہوئے اور نہ کسی نبی نے اپنی قوم کے اس قدر مظالم سہے جس قدر انہوں نے سہے اور یہ پہلا نبی ہے کہ جس کی امت اس کی نافرمانی کی وجہ سے مورد عذاب ہوئی (ملخص از مجمع البیان)

وَالنَّبِيّٖنَ :۔ مجملاً تمام نبیوں کا ذکر کر کے پھر تفصیلاً ہر ایک کا نام لینا ان کی عظمت شان کو ظاہر کرنے اور ان کی اہمیت جتلانے کیلئے ہے

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ

اور کتنے رسول جن کا قصہ تمہیں اس سے پہلے سنایا اور کتنے رسول ہم نے ان کا قصہ تمہیں نہیں

عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝١٦٤ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ

سنایا اور کلام کیا اللہ نے حضرت موسےٰ سے کلام کرنا کتنے رسول خوشخبری اور ڈر سنانے

لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

والے تاکہ نہ ہو لوگوں کی اوپر اللہ کے حجت بعد رسولوں کے اور ہے اللہ

عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝١٦٥ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ

غالب حکمت والا لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اس کی جو آپ پر اتاری ہے (کیونکہ) اس نے

وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝١٦٦

اپنے علم سے اتارا ہے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ گواہ

كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى :- کلام خداوندی کی حقیقت کے متعلق تفسیر کی تیسری جلد صٓ ۱۳۲ وصٓ ۱۳۳ پر بحث کی گئی ہے جس کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ تفسیر صافی میں خصال سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا خدا نے ایک لاکھ چوبیس ہزار کلموں کی گفتگو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین شب و روز میں کی کہ حضرت موسےٰ نے اس دوران میں نہ کھانا کھایا اور نہ پانی پیا اور جب بنی اسرائیل کی طرف واپس آئے تو ان کی باتوں سے آپ کو ناراضگی محسوس ہوتی تھی کیونکہ کان لذتِ کلام خدا سے محظوظ ہو چکے تھے اور حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ بنی اسرائیل کو ہمراہ لے گئے تو ان کو پہاڑ کے دامن ہی کھڑا کر کے آپ اوپر چڑھ گئے اور خدا سے کلام کا سوال کیا تاکہ وہ سنیں پس خدا نے کلام کیا اور انہوں نے اوپر نیچے سامنے پیچھے اور دائیں بائیں ہر طرف سے سنا۔ خدا نے اولاً درخت میں کلام کو پیدا کیا اور پھر اس کو پھیلایا کہ انہیں ہر طرف وجہت سے سنائی دیتا تھا۔ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ سے خدا کا کلام بغیر اعضا و جوارح اور بغیر لب و زبان کے تھا کیونکہ ان چیزوں سے وہ پاک ہے۔ نیز ایک سائل کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اللہ کا کلام ایک طریقہ پر نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کے کئی طریقے ہیں مثلاً بعض رسولوں سے کلام ہوتا ہے بعض کے دلوں میں پیدا کرتا ہے اور بعض کو بذریعہ خواب کے نیند میں سمجھاتا ہے اور ایک صورت وحی و تنزیل کی ہے جو تلاوت کی جاتی ہے الحدیث، ایک دفعہ یہودیوں نے جناب رسالتمآبؐ کی خدمتِ اقدس میں آکر عرض کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ سے افضل تھے کیونکہ خدا نے ان سے چار ہزار باتیں کیں اور آپ سے ایک بات بھی نہیں ہوئی حضورؐ نے فرمایا مجھے حضرت علیؑ سے بھی افضل چیز عطا کی گئی انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ ہے معراج۔

لٰكِنِ اللّٰهُ :- کہتے ہیں یہودیوں کا گروہ حضورؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا برحق رسول ہوں۔ انہوں نے از راہ انکار کہا کہ نہیں نہ ہم جانتے ہیں اور نہ اس کی شہادت دیتے ہیں۔ پس آپ کی تسلی اور جمع خاطر کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

علیؑ اور حق

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا۔ تفسیر برہان وصافی میں کافی وعیاشی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ظَلَمُوْا کے بعد آلِ محمدؐ کی لفظ ہے کہ جبرئیل اترا تھا اور مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا اور آلِ محمدؐ پر اُن کے حق کے متعلق ظلم کیا ان کو خدا نہیں بخشے گا۔ (الحدیث)

اَلرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حق سے مراد دین ہے اور امام محمدؐ باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد ولایت ہے اسکی جس کی ولایت کا حکم خدا نے دیا۔ بہر کیف حق سے مراد جو کچھ بھی ہو جناب رسالتمآبؐ کی حدیث صحیح موجود ہے جو مسلّم بین الفریقین ہے عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ۔ چنانچہ علامہ نے کتب جمہور سے نقل فرمایا ہے۔ کہ حضورؐ نے عمار کو فرمایا اے عمار میری امت میں فتنے ہوں گے اور آپس میں تلوار چلے گی اور تجھے ایک باغی جماعت قتل کریگی جبکہ تو حق کے ساتھ ہوگا اور حق تیرے ہمراہ ہوگا۔ کیونکہ تجھے ہلاکت کے قریب اور ہدایت سے دور نہ کریگا اے عمار جو تلوار لیکر علیؑ کی امداد کرے اس کے دشمن کیخلاف تو خدا بروز قیامت اس کے گلے میں جنت کے موتیوں کے دو ہار ڈالے گا اور جو تلوار لیکر علیؑ کے دشمن کی امداد کریگا اس کی گردن میں جہنم کے دو طوق ڈالے جائیں گے

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا

تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور روکا اللہ کے راستے سے تحقیق وہ بھٹک گئے لمبی

بَعِیْدًا ۱۶۷ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا

گمراہی میں تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا نہیں اللہ بخشے گا ان کو اور نہ ہدایت کرے

لِیَھْدِیَھُمْ طَرِیْقًا ۱۶۸ اِلَّا طَرِیْقَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ؕ

گا کسی راہ کی مگر راہ جہنم کی کہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں دائمی

وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ۱۶۹ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمُ الرَّسُوْلُ

اور ہے یہ بات اللہ پر آسان اے لوگو تحقیق آیا تمہارے پاس رسول برحق

بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّکُمْ ؕ وَاِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا

تمہارے رب کی جانب سے پس ایمان لاؤ تمہیں اچھا ہے اور اگر کفر کرو گے تو تحقیق اللہ کے

فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۱۷۰

لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا

پس جب یہ دور چلے تو علیؑ کا دامن نہ چھوڑنا اور اگر تمام لوگ ایک طرف اور صرف علیؑ ایک طرف ہو جائے تو اس راہ پر چلنا جس پر علیؑ ہو اور تمام لوگوں کو چھوڑ دینا اے عمار علیؑ ہدایت پر رہے گا اور اس کی اطاعت میری اطاعت اور میری اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ پس آیت مجیدہ میں اگر حق سے مراد دین بھی ہو تب بھی وہی دین مراد ہو گا جو علیؑ کا دین تھا کیونکہ حق علیؑ کے ساتھ اور علیؑ حق کیساتھ ہے اور حضورؐ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَہٗ حَیْثُ دَارَ اے اللہ حق کو اسی طرف پھیر جس طرف علیؑ پھرے پس معلوم ہوا کہ علیؑ سے تمسک کے بغیر حق نہیں مل سکتا۔

لَا تَغْلُوْا:- یہودیوں نے غلو کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ پر بہتان باندھا اور نصرانیوں نے غلو کیا حضرت عیسیٰؑ کو بڑھا کر خدا کا بیٹا کہہ دیا اور تین خدا مان لئے۔ باپ بیٹا اور روح القدس اس مقام پر یہود و نصاریٰ ہر دو فریقین کو حکم ہے اور ممکن ہے کہ صرف نصاریٰ کو ہی مختص کر کے فرمایا ہو کہ دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف غلط باتیں منسوب نہ کرو کیونکہ حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام مریم کا بیٹا تھا نہ بقول یہود یوسف نجار کا اور نہ بقول نصاریٰ خدا کا بیٹا تھا۔ اور اس کا برحق رسولؐ اور اس کا کلمہ تھا مسیح عیسیٰ اور کلمہ وغیرہ کی لفظی تحقیق تفسیر کی جلد ص۲۳۵ وص۲۳۶ پر گذر چکی ہے لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ وَرُوْحٌ مِّنْهُ:- حضرت عیسیٰ کو روح اس لئے کہا گیا ہے کہ چونکہ زندگی روح سے ہوا کرتی ہے اور حضرت عیسیٰ لوگوں کی دینی زندگی کے لئے باعثِ حیات تھے اس لئے وہ روح ہیں اور اللہ نے اپنی طرف بالخصوص اس لئے منسوب کیا ہے کہ ان کی ولادت عام طریق سے نہ تھی اور یہ بلا واسطہ امر تکوینی سے پیدا ہوئے تھے اور ان کی پیدائش اسباب و وسائط سے نہ تھی اور بعض کہتے ہیں کہ روح کا عطف اَلْقٰىهَا کے فاعل پر ہے اور مراد روح سے جبرئیل ہے اور معنی یہ ہو گا حضرت عیسیٰؑ اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جو اللہ نے مریم کی طرف القا کیا اور اللہ کے روح یعنی جبرئیل نے مریم کی طرف بحکم خدا القا کیا۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ:- نفی ولد کے لئے بطور دلیل ہے۔ کیونکہ فرماتا ہے کہ آسمان و زمین سب اس کی ملکیت ہیں اور بیٹا باپ کا مملوک نہیں ہوا کرتا۔ نیز آسمان و زمین کی چیزیں سب اس کی مخلوق ہیں اور بیٹا باپ کی مخلوق نہیں ہوا کرتا۔ پہلے نصیحت فرمائی اور بعد میں دلیل پیش کی ہے تاکہ ذہن و دماغ آسانی سے قبول کر سکیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ

اے اہل کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ پر مگر حق بات سوائے

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰىهَآ

اس کے نہیں کہ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ تھا جو ڈالا تھا

اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا

مریم کی طرف اور اس کا روح تھا پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو تین

ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗٓ

کے قائل باز آجاؤ اچھا کرو اپنا سوائے اس کے نہیں کہ اللہ ایک معبود ہے۔ وہ پاک ہے

اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَ

کہ ہو اس کا کوئی بیٹا اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور

كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ ۱۷۱

کافی ہے اللہ وکیل

رکوع ۲۴ لَنْ یَّسْتَنْکِفَ ۔ کہتے ہیں کہ نجران کا ایک وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ ہمارے نبی کی عیب جوئی کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا تمہارا نبی کون؟ انہوں نے جواب دیا کہ عیسیٰؑ ہیں۔ آپ نے فرمایا میں کون سی عیب جوئی کرتا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ وہ خدا کا بندہ تھا اور اس کا رسول تھا تب یہ آیت اتری جس کا مقصد یہ ہے حضرت مسیحؑ اگر آج بھی موجود ہوتے تو اپنے عبد خدا ہونے کو وہ باعثِ عیب نہ سمجھتے اور نہ اسے بُرا مانتے اور اسی طرح ملائکہ مقربین بھی اللہ کی عبدیت کو باعثِ عیب اور برا نہیں سمجھتے چونکہ عیسائی باپ بیٹا اور روح القدس کے قائل تھے تو خداوند کریم نے پہلے اپنی توحید کو بیان فرمایا اور حضرت عیسیٰؑ کے بیٹے ہونے کی صریح اور کھلے الفاظ میں نفی فرما کر ان کو اپنا مملوک و مخلوق قرار دیا اور اس آیت میں تمام ملائکہ کو اپنا عبد کہہ کر روح القدس کو اس ضمن میں داخل

لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِکَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ

ہرگز نہ اپنی گھٹتی سمجھے گا مسیح کہ وہ اللہ کا عبد ہو اور نہ فرشتے جو مقرب ہیں اور

وَمَنْ یَّسْتَنْکِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَکْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ

جو اپنی گھٹتی سمجھے اس کی بندگی سے اور تکبر کرے تو عنقریب محشور کرے گا

جَمِیْعًا ۝۱۷۲ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ

ان سب کو اپنی طرف لیکن جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے پس پورا دے گا

اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْکَفُوْا

ان کو ان کا اجر اور زیادہ دے گا اپنے فضل سے اور جن لوگوں نے اپنی گھٹتی سمجھی اور

وَاسْتَکْبَرُوْا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ

تکبر کیا تو ان کو عذاب دے گا عذاب دردناک اور نہ پائیں گے وہ اپنے

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ۝۱۷۳

لیے اللہ کے بغیر کوئی ولی اور نہ کوئی مددگار

عبدیت میں ظاہر کیا مقصد یہ ہے کہ جس طرح عیسیٰؑ عبد ہے اسی طرح ملائکہ بھی عبد ہیں جن میں روح القدس بھی داخل ہے اور نہ عیسیٰؑ کو اس کی عبدیت سے انکار ہے اور نہ روح القدس بلکہ سارے فرشتوں کو اس کی عبدیت سے کچھ انکار ہے اور خدا وہ ہے جس کی عبادت کو یہ پاک مخلوق اپنا فریضہ سمجھتی ہے اور اسکی عبدیت کو باعث فخر قرار دیتی ہے۔ مذہب امامیہ کے عقیدہ سے انبیاء تمام ملائکہ کرام سے افضل ہیں اور آیت مجیدہ میں ملائکہ کو مسیح کے بعد ذکر کرنے سے ملائکہ کی افضلیت لازم نہیں آتی جس طرح عام کلام میں ایسے مواقع پر افضل کو بعد میں ذکر کیا جاتا ہے چنانچہ کہتے ہیں فلاں میرا غلام ہے بلکہ اس کا باپ بھی میرا غلام ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہاں مسیحؑ اور ملائکہ کی عبدیت کو خدا نہیں بیان کر رہا بلکہ مسیح اور ملائکہ کے استنکاف کی نفی کر رہا ہے اور اس کا تعلق معرفت کی بلندی و پستی سے ہے اور ظاہر ہے کہ بلند معرفت والے افراد سے استنکاف کی نفی فرد اجلی ہے اور کم معرفت والوں سے

اسکی نفی فرد بھی ہے جیسے عالم کے استنکاف کی نفی کی بہ نسبت ایک جاہل کے استنکاف کی نفی زیادہ وقعت رکھتی ہے اور صاحب کمال کے کمال کو زیادہ اجاگر کرتی ہے یہاں بھی خدا اپنی معبودیت کے اجلی واظہر ہونے کو پیش فرما رہا ہے کہ اس کی معبودیت کا پہلو اس قدر واضح ہے کہ بلند مرتبہ حاملین مثلاً انبیاء اور خصوصاً حضرت عیسیٰ جو اولوالعزم پیغمبر ہیں یہ تو بجائے خود جو ان سے کم مرتبہ والے ہیں اس کی عبادت اور الوہیت کے وہ بھی معترف ہیں اور اس کو عیب نہیں سمجھتے۔ اس توجیہ کی بناء پر معنی بھی بالکل واضح ہے اور عقائد حقہ کے خلاف بھی کوئی بات لازم نہیں آتی پس اشکال مذکور کے رفع کے لئے علامہ طبرسی نے جن تکلفات کو پیش فرمایا ہے ان کی ضرورت نہیں۔

نور اور برہان

یا ایہا الناس:- آیت مجیدہ میں برہان سے مراد جناب رسالتمآبؐ ہیں کہ ان کے معجزات قاہرہ اور علامات باہرہ دین اسلام کی حقانیت کے لئے برہان کی حیثیت سے تھے اور بعض لوگوں نے برہان سے مراد قرآن مجید لیا ہے اور نوراً مبیناً کے مصداق میں بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے تو ان کے نزدیک برہان سے مراد پھر حضور رسالتمآب ہی ہونگے اور اگر برہان سے مراد قرآن ہو تو نور مبین سے مراد پھر رسالتمآب کو ماننا پڑے گا اور اکثر مفسرین اسی پر ہیں کہ برہان سے جناب رسالتمآبؐ اور نور مبین سے قرآن مراد ہیں تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ نور سے مراد ولایت علی علیہ السلام ہے اور برہان میں بروایت عیاشی

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝

اے لوگو! تحقیق آ چکی تمہارے پاس برہان اپنے رب سے اور نازل کیا ہم نے تمہاری طرف نور مبین پس جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور تمسک پکڑا اس سے تو عنقریب ان کو داخل کرے گا اپنی رحمت اور فضل میں اور ان کو توفیق ہدایت دے گا اپنی طرف راہ مستقیم کی

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ برہان سے مراد حضرت محمدؐ اور نور سے مراد حضرت علیؑ ہے اور صراط مستقیم سے بھی علیؑ ہی مراد ہے۔
اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ نور سے مراد امامت حضرت امیرؑ ہے اور الذین آمنوا الخ اس آیت مجیدہ کے مصداق وہ لوگ ہیں جو حضرت علیؑ اور باقی آئمہ معصومین کی امامت سے تمسک رکھتے ہیں اور اگر عامہ مفسرین کی تفسیر کو لیا جائے کہ برہان سے مراد جناب رسول خدا اور نور سے مراد قرآن تو چونکہ خطاب تمام لوگوں کے لئے ہے اور قرآن و اسلام قیامت تک کے لئے ہیں تو آیت مجیدہ کا خطاب قیامت تک کی آنے والی نسلوں سے بالعموم ہو گا پس جس طرح نور مبین سے مراد قرآن ہے اور وہ قیامت تک زندہ ہے تو برہان سے مراد بھی وہ شخصیت ہو گی جو تا قیامت قرآن کے ساتھ ہو تاکہ تا قیامت تمام لوگوں کے لئے خطاب درست ہو اور اس مطلب کو حدیث ثقلین جو متواتر بین الفریقین ہے واضح کر رہی ہے اور مقصد یہ ہو گا کہ برہان سے مراد وہ ہادی ہے جو ہر دور میں قرآن کے مطالب سمجھتا ہو اور لوگوں تک پہنچاتا ہو پس دور نبوی میں برہان کا مصداق خود رسالتمآب تھے اور ان کے بعد ان کی عترت طاہرہ جیسے خود صاف طور پر فرما گئے

اِنِّی تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقَلَینِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِترَتِی (الحدیث) اور اگر برہان سے مراد قرآن اور نور سے مراد رسول ہو تو نور کے سلسلہ کو قیامت تک لانا پڑے گا اور ماننا پڑے گا کہ ہر زمانہ میں اس نور کا ایک فرد موجود ہوا کرتا ہے تاکہ قیامت تک کے لوگوں کو ان دونوں سے تمسک کا حکم دیا جا سکے۔ اور دورِ حاضر میں اس نور کا مصداق حضرت ولی عصر امامِ زماں ہے جو پردۂ غیب میں ہے۔ عج اللہ فرجہٗ

فِی الْکَلٰلَةِ۔ کلالہ کا معنی گذر چکا ہے اس مقام پر کلالہ سے مراد مادری و پدری بھائی بہنیں ہیں اور انہی کی وراثت کا بیان ہو رہا ہے اور پہلی جگہ کلالہ سے مراد قرآن مجید میں صرف مادری برادری تھی اور ان کے حقوق کا ذکر تھا میت کی صرف ایک مادری پدری بہن ہو تو جائداد کا ½ حصہ بطور فرض کے اور اگر اس طبقہ میں دوسرا وارث کوئی نہ ہو تو باقی بطور ردِ بحق قرابت ملے گی اور اگر دو یا زیادہ بہنیں ہونگی تو ان کو ⅔ حصہ دیا جائے گا۔ بالفرض اور اگر اس طبقہ میں دوسرا کوئی وارث نہ ہو تو باقی ردِ بحقِ قرابت ان کو ملے گا اور اگر بھائی بہنیں سب ہوں تو مرد کا حصہ عورت سے دوگنا ہوگا۔

یَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌ ھَلَکَ لَیْسَ

فتویٰ طلب کرتے ہیں آپ سے فرما دیجئے اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے کلالہ کے متعلق اگر کوئی شخص مر جائے کہ اس

لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَکَ وَھُوَ یَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ

کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لئے نصف ہے ترکہ کا اور یہ اس بہن کا وارث ہوگا۔

یَکُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ کَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَکَ وَاِنْ

اگر اس کی اولاد نہ ہوگی پس اگر ہوں دو بہنیں تو ان کے لئے دو تہائی ترکہ ہوگا اور

کَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ

اگر ہوں بھائی مرد اور عورتیں تو مرد کو مثل حصے دو عورتوں کے خدا بیان کرتا

یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۱۷۶

ہے تمہارے لئے کہ گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے

بھائی بہنوں کے وراثت کے حقوق اور حسب ضرورت اسی بارہ میں تفصیلی مسائل اسی جلد میں پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ آج بحمد اللہ بروز سوموار پونے پانچ بجے شام ۹ رجب ۸۶ھ مطابق ۱۸ دسمبر ۶۶ء سورۂ نساء کی تفسیر سے فارغ ہوا ہوں۔

اے پروردگار! بحق محمد وآلہ الاطہار مجھے اپنی پاک کتاب کی تفسیر پر موفق فرما اور اس سلسلہ میں حائل شدہ جانی ومالی تمام مشکلات کو دور فرما۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ علی محمد وآلہ الطاہرین۔

اس کے بعد پانچویں جلد انشاء اللہ سورۂ مائدہ سے شروع ہوگی۔

maablib.org

قارئین کرام

دورِ حاضر کے لادینیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے بچنے کا اگر کوئی ذریعہ ہے تو وہ ہے علوم آلِ محمد سے دلچسپی رکھنا اور اپنے نونہالوں کو دینی تعلیم سے بہرہ ور کرنا اور دینی کتب کا مطالعہ کرنا جو لوگ اُردو پڑھ سکتے ہوں ان کے لئے تفسیر انوار النجف کا مطالعہ دینی حس کی بیداری کا کفیل ہے لہٰذا اس تفسیر کا خود مطالعہ کیجئے اور اپنے بچوں بچیوں کو اس کے مطالعہ کا حکم دیجئے اور اپنے حلقۂ اثر میں اسکی توسیع اشاعت کرکے علومِ قرآنیہ کی ترویج کیجئے۔

ملنے کا پتہ

مینجر مکتبہ باب النجف جاڑا ڈاکخانہ کوٹ جائی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

مولینا غلام حیدر رضا صاحب دارالعلوم محمدیہ سرگودھا

جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

جامعہ علمیہ باب النجف میں اپنی رقوم خیرات از قبیل خمس و زکوٰۃ وغیرہ بھیج کر اس ادارہ علمیہ کی سرپرستی فرمائیے تاکہ یہ ادارہ زیادہ سے زیادہ قومی خدمات انجام دے سکے۔

ترسیل زر کا پتہ: پرنسپل جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ڈاکخانہ کوٹ جائی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

MAAB 1431
maablib.org

MAAB 1431
maablib.org

maablib.org